ماہنامہ سفینۂ نسواں
مالکہ۔ صادقہ قریشی
Safina-i-Niswan.
قیمت ۱۰/

قواعدِ وضوابط

۱۔ سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ تاریخ تک شائع کیا جائے گا۔

۲۔ اگر ۲۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر ہر ماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہوکر پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوگا۔

۴۔ زرِ معاوضہ عوام سے سالانہ للعہ ششماہی عاہر اور فی پرچہ ۶ آنہ مقرر ہے نمونہ کے لئے ۶ آنہ کے ٹکٹ بھجوائے۔

۵۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دے کر کارکنانِ دفتر کو مرہونِ منت فرمائے۔

۶۔ جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائے۔

۷۔ ترسیل زرِ معاوضہ و جملہ استفسارات بنام منیجر "سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائے

قابلِ اشاعت مضامین خرچۂ ڈاک وصول ہونے پر واپس کئے جائیں گے۔

۸۔ چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی اصلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجالانے کے لئے جاری ہوا ہے۔ ہٰذا ادارۂ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شائع کرنے سے احتراز رہے گا۔

۹۔ اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائے گی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لئے جو تذکرہ بالاخصوصیات سے متعلق ہوں۔ سفینہ معقول زرِ معاوضہ ادا کرے گا۔

۱۱۔ ادارۂ سفینہ کو بر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہے گا۔

"منیجر"

ولت آصفیہ اور بیرونجات میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ تصفیہ طلب امور کے لئے منیجنگ ایڈیٹر کو مخاطب فرمائے۔

NAWAB SIR SALAR JUNG BAHADUR

RAIS AZAM

HAS GRACIOUSLY

GRANTED

HIS PATRONAGE TO THIS HUMBLE

MAGAZINE

AND KINDLY PROMISED TO HELP IT EVERY MONTH

THE BOARD SENDS ITS HEARTIEST THANKS

FOR THIS HONOUR AND HELP.

AKHTAR QURAISHI,

Assistant Editor.

NAWAB SIR SALAR JUNG BAHADUR

RAĪS AZAM

HAS GRACIOUSLY

GRANTED

HIS PATRONAGE TO THIS HUMBLE

MAGAZINE

AND KINDLY PROMISED TO HELP IT EVERY

THE BOARD SENDS ITS HEARTIEST THANKS

FOR THIS HONOUR AND HELP.

AKHTAR QURAI

Assistant Editor.

VALUABLE VIEWS ON

BUILDING

The Future Generation

By

HONOURABLE

THE LADY KEYES.

THE RESIDENCY BOLARUM HYDERABAD-DN

Specially sent to:

"SAFINA-I-NISWAN"

HYDERABAD-DN.

would take an interest in them, after they go out to work and only send them to suitable houses. They should go to Indian homes which would adopt themselves and their rooms to meet the new requirements treating the nurses properly, thus ensuring the progreess of the State from within the family.

I hope we shall soon be able to call together a Committee of ladies to discuss this suggestion, and to examine all the difficulties which stand in the way of the fulfilment of this idea.

In closing I would like to say as forcibly as I can that I hope that the advancement in education of women in India will not do anything to take away the charm and individuality of Indian ladies. Nothing is so tragic as the elimination of personality Your object is not for you to become westernized but to rise to your full stature and carry the lamp of your Indian personality high for all the world to see.

انتظار کیجئے

حیدرآباد اسپشل نمبر

(نومبر سنہ ۱۹۳۲ء مین اپنی لاتعداد خوبیوں کے ساتھ شایع ہوگا)

بلحاظ مضامین حیدرآباد مین یہ اپنی قسم کا پہلا مجموعہ ہوگا جس مین حضرت اقدس و اعلیٰ، و شہزادگان والاشان، دلہن شہزادیوں اور امراء و روساء کے علاوہ کئی ایک تصاویر شریک رہینگے۔

اپنی فرمائشات جلد بھیجئے کیونکہ یہ ایک محدود تعداد مین نکل رہا ہے۔

قیمت فی پرچہ عہ ۲ سالانہ چندہ عہ ۱۲ روپیہ۔

تفصیلی معلومات

کیلئے

پتہ ذیل پر مراسلت کیجئے

انڈین اسٹیٹس اینڈ زمینداریز
(۷۴۸) رزیڈنسی
(حیدرآباد دکن)

For particulars apply
THE INDIAN STATES & ZAMINDARIES
748 RESIDENCY HYDERABAD (DN.)

Safina-i-Niswan.

دسہرے کی مبارکباد

(از)

ہز اکسیلنسی راجہ راجایان مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد یمین السلطنۃ وصدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

مژدہ ہو قوم کو کہ دسہرہ کی عید ہے
یہ عید شادؔ فتح و ظفر کی کلید ہے

مدت کے بچھڑے ملتے ہیں سیتا سے رام آج
خوش ہو، تمام ہو گیا راون کا کام آج

Safina- Safina- Safina- Safina- Safina- Safina- Safina- Safina- Safina- Safina- Safina- Safina-

"سفینہ"

استاذ السلطان حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل مد ظلہ نے حقیر "سفینۂ نسواں" کے "میلاد نمبر" کو بعد ملاحظہ نہ صرف حوصلا فزا ستائش ہی فرمایا بلکہ ذیل کا شعر تحریر فرما کر گرانقدر رائے کا اظہار عجیب نرالے اسلوب میں فرمایا ہے جو اپنی جامعیت اور ندرت بیان کی وجہ یقیناً ناظرات سفینہ کے لئے ایک بیش بہا ادبی تحفہ ہوگا۔ حقیر

اختر قریشی

مدیر معاون

یہ کھتا ہے پکارے نقش جو ہے اس نگینے مین
کہ دل سینے مین ہے، اور دل کے ٹکڑے ہیں "سفینے" مین

جلیل

Safina-i-Niswan.

یہ کہتا ہے پکارے نقش جو اس نگینے میں ہے کہ دل سینے میں ہے اور دل کے ٹکڑے ہیں سفینے میں
(جلیل)

دار السلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد النساء آرگن

ماہنامہ "سفینۂ نسواں"

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد (۱) — نمبر (۷)

بابتہ ماہ سپٹمبر ۱۹۳۲ء — م جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

(فہرست مضامین)

فہرست تصاویر

سالگرہ

نمبر کے سب سے بہتر مضمون پر منجانب محترمہ صغرا صاحبہ مسز ہمایوں مرزا (بیرسٹر ایٹ لا) ایک قیمتی کتاب پیش کیا جائیگا۔
ادارہ کو انتخاب مضمون اور قطعی فیصلہ کا حق حاصل رہیگا۔

نوٹ:- میں "ادارہ" کی جانب سے علیہ محترمہ موصوفہ کی خدمت میں "سفینہ" کی اس حوصلہ افزائی پر "شکریہ" ادا کرتا ہوں اور امید کہ یہ حقیر ترین اساس تشکر "قبول خاطر" والا ہو کر عنایات پیہم کا حریف ہوگا۔

اختر قریشی (مدیر معاون)

ضیائے علم سے روشن ہوں گوشۂ تاریک ؎ کہ ہر ورق کو "سفینہ" کے آفتاب بنا

سلطانہ

(محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خانصاحب)

احوال ما

(از)

مدیرہ

الحمد للہ کہ حقیر ماہ نامہ "سفینۂ نسواں" کی گذشتہ تمام اشاعتیں ملکی اخبارات و رسائل سے گذر کر بیرون ملک سے تک خراج تحسین حاصل کئے بغیر نہ رہ سکیں خصوصاً "محرم نمبر" اور "میلاد نمبر" جس حد تک کامیاب ہا اسکے اظہار کیلئے میں چاہتی ہوں کہ اخبارات و رسائل کے اقتباسات اور ہمدرد بہنوں کے خطوط پیش کروں مگر اس دفعہ "سفینہ" کو پریس کی بدعنوانیوں سے زیادہ دوچار ہونا پڑا۔ جسکا نتیجہ یہ رہا کہ آج پھر میں رسالہ کو تاخیر سے پیش کر رہی ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد "سفینہ" کا خود اپنا ذاتی پریس ہو جائیگا اور تب مجھے یہ ندامت اٹھانی نہ پڑیگی۔

"سفینہ" محض اسکی اصلاحی روش کی وجہ جہاں عوام میں مقبول ہوا وہاں طبقہ امراء میں بھی یہ خاص وقعت کی نظر سے دیکھا جارہا ہے خصوصاً ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ اور نواب مستطاب سر سالار جنگ بہادر کی نظر کرم کو یہ نونہال حاصل کر ہی لیا تھا اور ان دونوں علم پرور ہستیوں کی نوازشیں بارش کی طرح اس پر برس رہی تھیں کہ حال ہی میں آنریبل لیڈی کینیر (بیگم کرنل کینیر رزیڈنٹ حیدرآباد (دکن) نے اپنی علم دوستی اور علمی شغف کا ثبوت دیتے ہوئے "حقیر سفینہ" کو نوازا ہے۔ ایک گرامی نامہ میں حوصلہ افزا تعریف فرماتے ہوئے اپنے گرانقدر مضامین سے ہمراہ سفینہ کے صفحات کو مفتخر فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ایک "تقریر" کی صورت میں یہیں کہیں ملیگی میں محترم لیڈی موصوفہ کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے احقر رسالہ کو اس قابل سمجھا۔

علیہ محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خانصاحب (ایم۔بی۔سی۔ایچ۔بی۔اڈنبرا) کی بھی احسان مند ہوں کہ جنکی عنایتیں ہر گھڑی "سفینہ" کی شامل حال رہیں حال میں بسلسلہ "میلاد نمبر" محترمہ موصوفہ نے ایک قیمتی تمغہ بھجوا کر اداۓ سفینہ کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار فرمایا ہے۔

محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا) کی لاتعداد عنایتیں اس دفعہ سفینہ کے ساتھ رہیں محترم بہن سے

رسالہ کی توقیر بڑھاتے ہوئے "سالگرہ نمبر کے سب سے بہتر مضمون پر ایک قیمتی کپ اپنی جانب سے دینے کا وعدہ کیا ہے" میں اپنی ہمدرد بہنوں کی خدمت میں "ادارہ" کی جانب سے "شکریہ" ادا کرتی ہوں

"سفینہ" کی ناظرات میں اب ایک گروہ ایسا نکل آیا ہے جو اسکی ظاہری حالت کو سدھارنے کی طرف مجھے متوجہ کر رہا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ "سفینہ" میں بلند پایہ اور اصلاحی مضامین ہوتے ہیں چاہیئے کہ اسکی ظاہری حالت درست کیجائے"۔ میں ایسی بہنوں کی خدمت میں التماس کرونگی کہ سفینہ کی اجرائی طبقہ نسواں کی صلاح و فلاح اور ان میں علمی ذوق کو بڑھانے کی خاطر عمل میں آئی ہے، نہ کہ بھڑکیلی پوشاک پہنا کر بازار کی رونق میں اضافہ کرنے۔ یہ اسوقت ممکن تھا کہ جب میرے پیش نظر اسکی اجرائی محض تجارتی اصول کے تحت ہوتی۔ مجھے قابل معافی سمجھا جائے اگر میں ایسی بہنوں کے ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہوں۔ کسی فرصت میں بعض نسوانی رسائل کا "سفینہ" سے مقابلہ ہوگا تاکہ یہ واضح ہو کہ وہ اپنے مقاصد سے کتنے پرے ہٹے ہوئے ہیں

بلدہ میں لڑکیوں کیلئے "درسگاہ صنعتی" (انڈسٹریل انسٹیٹیوٹ) کی شدید ترین ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ نیز زنانہ کالج، (بشمول ٹریننگ کالج) جملہ مدارس نسواں فوقانیہ و وسطانیہ کیلئے موٹر لاری کی جس حد تک ضرورت ہے، اسکا اظہار اس درخواست اور محضر سے بخوبی ہو سکتا ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ افسوس کہ وقت کی تنگی نے مجھے اسکی اہمیت کو گنواتے ہوے، جناب ناظم صاحب تعلیمات سرکار عالی کی توجہ کو مبذول کرانے کا موقعہ نہ دیا۔ جن بہنوں نے "سفینہ کو اپنا حقیقی رہنما جان کر اسکے ذریعہ اپنی ضروریات کو فیاض گورنمنٹ کے آگے پیش کرنے کیلئے مجھے متوجہ کیا ہے، میں ان سے معافی کی خواستگار ہوں۔ اور انشاءاللہ آئندہ نمبر میں ضرور ان چیزوں سے بحث ہوگی۔

مجھے محکمۂ اطلاعات عامہ سرکار عالی سے شکایت کرنی ہے کہ ابتک "سفینہ" کو ملکی خواتین کی علمی و عملی جد و جہد کی اطلاعات سے کیوں محروم رکھا گیا؟ امید کہ جناب ناظم صاحب محکمۂ مذکور ضرور ادھر توجہ دینگے۔

اختتام سے پہلے میں اُن تمام بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں، جنہوں نے کسی نہ کسی طرح "سفینہ" کو مدد دیا۔

مدیرہ

(ماہوار "ساقی" (دہلی) کی بوکھلاہٹ۔ اس دفعہ ہم چاہتے تھے کہ ہمارے مذکورہ معاصر کی بوکھلاہٹ" جو سفینہ پر تنقید کے دوران میں اس سے ظاہر ہوئی ہے ناظرین سفینہ کی دلچسپی کیلئے پیش کریں مگر عدم گنجائش کا سوال ہماری تمناؤں کا خون کئے دیرہا ہے جسکے لئے ہمیں آئندہ نمبر تک منتظر رہنا پڑا" اسی سلسلہ میں محض تفریح طبع کی خاطر رسالہ مذکورہ کے ایڈیٹوریل نوٹ (بابتہ ماہ اگسٹ کا) وہ حصہ شائع کرینگے جسکو پڑھکر آپ بلا مبالغہ یہی پکار اٹھیں گے کہ یہ تو سڑک پر بیٹھنے والے کسی حکیم یا شعبدہ باز کی پکار ہے یا اس سے زیادہ کسی ایسے دواخانہ کا اشتہار ہے جن کے ہاں امراض کی تیر بہدف دوائیں ملتی ہو

ت م ج

BUY HYDERABAD PRODUCTS

" ملکی صنعت کی قدر کیجئے "

حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلداللہ ملکہ نے شہزادہاں فرخندہ فال اور دوسرے اراکین حکومت کے ہمراہ اپنے دست مبارک سے " حیدرآباد کاٹیج انڈسٹریز انسٹیٹیوٹ " کا افتتاح فرمایا۔ (انسٹ) مسٹر بی۔ اے کالنس صدر ناظم صنعت و حرفت مملکت آصفیہ

ماہ نامہ "سفینۂ نسواں حیدرآباد دکن"

By Courtesy "Indian States & Zamindaries" Hyd'bad-Dn.

حصولِ علم اور اُس کا ماحصل

محترمہ زبیدہ مصطفیٰ صاحبہ قریشی

یوں تو موجودہ دور میں تعلیم یافتہ لوگ متعدد پائے جاتے ہیں۔ مگر حقیقی معنوں میں تعلیم یافتہ یعنے عالم باعمل بہت ہی کم نظر آئیں گے۔ آج کل تعلیم کا چرچا ہر چہار طرف ہے اور ہر ایک زیورِ علم سے آراستہ ہونے کی کوشش کررہا ہے۔ جامعہ عثمانیہ مبارک دورِ عثمانی کے برکات و فیوضات کی ایک غیر فانی یادگار رہے گی۔ اس مسعود دور میں دکن نے متمدن ممالک کے دوش بدوش بہت ہی قلیل عرصہ میں جہاں ہر شعبہ میں ترقی کیا۔ وہاں علم کے دریا بہادئے، جس سے ہر ایک بلا امتیاز مذہب و ملت سیراب ہوا اور ہورہا ہے، گویا وہ وقت دور نہیں جب یہی یونیورسٹی ہندوستان سے باہر اکناف عالم کے تشنگانِ علم کی پیاس کو بجھائے گی ؎

زندہ کردی چوں مسیحی علم و فن را در دکن

شاد باش! اے حضرت عثمان علی خاں شاد باش

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "حصولِ علم کا ماحصل کیا ہے"؟ علم کس کو کہتے ہیں؟ اور تعلیم یافتہ کون کہلائے جانے کا مستحق ہے؟ "تعلیم یافتہ یا عالم وہ ہے جو باعمل ہو" "حصول علم کا ماحصل یہ کہ اس سے اوروں کو مستفید ہونے کا موقع دیا جائے" اور "علم اس کو کہتے ہیں کہ جس سے تاریک دل روشن و منور ہوں"۔ ان چیزوں کی موجودگی میں ہماری موجودہ حالت کا موازنہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص اپنے آپ کو ایک "علامہ دہر" سمجھتا ہے۔ انگریزی کہاوت ہے کہ (...rt is Long, and ...ife is Short) اور یہ واقعہ ہے کوئی شخص اپنے آپ کو کسی فن یا علم میں کامل نہیں کرسکتا۔ آج کل تعلیم کا یہ حال ہے کہ اگر دو چار انگریزی کتابیں اور اردو میں ایسے ناول اور پھر ناول پڑھ لیں جن کو لٹریچر سے کوئی واسطہ نہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم بہت لائق فائق ہوگئے اور غرور و تکبر ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا جاتا ہے یہ حال تو ان کا رہا۔ جو ابتدائی دس بیس کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔

اب دوسرے طبقے کی حالت سنئے جو واقعی عالم ہیں اور لٹریچر سے خوب ذوق رکھتے ہیں؛ مگر فی زمانہ ان کا یہ علم یا تو حصولِ معاش کے لئے وقف نظر آتا ہے یا جھوٹی نام آوری کی تمنا کے نذر ہو جاتا ہے۔ کاش! ان دونوں چیزوں سے ہٹ کر ان میں اس سے اوروں کو مستفید کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ اسلاف کا طرز رہا ہے۔ خیال کرنے کی جگہ ہے کہ ایسا علم کس کام کا جو اوروں کے کام نہ آئے۔ سنا ہے کہ علم اخلاق انسانی کو سنوارتا ہے۔ مگر اس پستی اور پست ذہنیت کا مظاہرہ بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ غور کیجئے اور ہمارے عالموں کی اس اخلاقی پستی پر آٹھ آٹھ آنسو بہایئے

ایک عالم کی مثال اس درخت سے دی جا سکتی ہے جو ثمردار ہو اور جس سے ہر ایک مستفید ہوتا رہے۔ اور عالم کو چاہیئے کہ کبھی بھی علم کے لٹانے میں کوتاہی نہ کرے۔ کیونکہ وہ جس قدر لٹائے گا اس سے اس کو بھی فائدہ پہونچے گا اور دوسرے بھی زیورِ علم سے آراستہ ہوں گے۔ سچ ہے "علم ایک خداداد دولت ہے کہ جتنی گھٹے اتنی ہی بڑھے"۔ اگر کسی نے کچھ سیکھ کر اس سے دوسروں کو فائدہ نہ پہونچایا تو اس کا سیکھنا بیکار اور اس کا علم فضول ہے۔ کیونکہ وہی تعلیم یافتہ کہلانے کا مستحق ہوگا جو باعمل ہو؛ اور جس کی تعلیم نے اس کے اخلاق وسیع کئے ہوں۔ عادات و خصائل پر اچھا اثر ڈالا ہو۔ جو شخص علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خوش خلقی، دیانت داری، ہمدردی، رحمدلی، انصاف وغیرہ جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوگا وہی "تعلیمیافتہ" کہلائیگا

ایک دن کا ذکر ہے میں اسکول سے گھر آنے کے بعد انگریزی تاریخ پڑھنے بیٹھی تھی اس لئے کہ دوسرے دن اس میں میرا امتحان تھا میں اس فکر میں تھی کس طرح امتحان دوں گی۔ کیونکہ بعض چیزیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ میں پریشان اپنی میز پر کتاب کھولے بیٹھی اور حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں میرے ایک رشتہ دار ادھر آ نکلے جو خدا کے فضل سے "تعلیم یافتہ" کہلائے جا سکتے ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ "تم کیا پڑھ رہی ہو؟" میں نے جواب دیا "تاریخ" مگر یہ میری سمجھ میں برابر نہیں آ رہی ہے۔ اگر آپ سمجھا دیں تو مہربانی ہوگی۔" "آخر تم اسکول میں کیا پڑھتی ہو" کچھ عجیب لہجہ میں انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ "میں اس دن غیر حاضر تھی" میں نے جواب دیا۔ وہ کہنے لگے۔ "اچھا ایسی بات ہے۔ تم ڈکشنری وغیرہ میں دیکھ کر پڑھ لینا" میں اب تمہیں کہاں پڑھاؤں" لیجئے چھٹی ملی۔ یہ ہیں عالم اور ایسے ہوتے ہیں ان کے عمل میری اس پریشانی کے وقت میں ان الفاظ سے میری تسلی کی گئی۔ اسکے بعد میں نے اپنے بھائی سے خواہش کی تو جواب یہ ملا کہ "مجھے نیند آ رہی ہے اور میں ابھی پڑھ کر آیا ہوں تمہیں کہاں پڑھاؤں۔" میں نے کہا "اگر آپ نہ سمجھائیں گے تو کل کیا امتحان دوں گی۔" مگر ان کا خاموش چلے جانا میری ایک ادنیٰ سی التجا کا جواب تھا۔ بتائیے کیا یہ لوگ تعلیمیافتہ کہلانے کے مستحق ہیں۔

ایک فلاسفر کا قول ہے۔ "عالم اپنے علم کو بے دریغ لٹائے"۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انسان علم کیوں حاصل کرتا ہے؟ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے قرآن شریف میں ایک آیت آئی ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ یعنے جو چیز تم خرچ کرتے ہو اللہ اس کا عوض دیتا ہے"۔

میں اپنی چھوٹی بہن کو جب۔ وہ مجھ سے پوچھتی ہے تو جو کچھ میری سمجھ میں آتا ہے بتا دیتی ہوں کبھی میں نے اس کو "نہیں" نہ کہا۔ اگر میں پڑھتی بھی رہتی ہوں تو پہلے اس کو بتلا کر بعد میں اپنا کام کرتی ہوں۔ شاید انسان اس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ ایک مسرور اور کامیاب زندگی بسر کرے اور خدا کی عظمت ہر ایک کے حقوق پہچانے اور اپنی اخلاقی کمزوریوں کو دور کرے۔ مگر تحصیل علم کا مقصد اس قدر نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اوروں کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔

مگر شاید آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ بعض وہ لوگ بھی جو خود کو تعلیم یافتہ کہتے یا کہلائے جاتے ہیں۔ اخلاقی کمزوریوں کے مرض میں کس شدت کے ساتھ مبتلا ہیں جنہوں نے علم کو برباد کر دیا ہے۔ میں اپنی ہی ہم جنس بہنوں کی کہتی ہوں کہ آج کے بزرگ محض ان ہی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے حصولِ علم کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور انگشت نمائی کی۔ جو در اصل ایک واقعہ ہے اور اس کی بدولت ہی ہزارہا ہستیاں علم جیسی شئے سے محروم رہیں۔

آج کل سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض تعلیم یافتہ پرانی طرز کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان سے گفتگو کرنا اپنے لئے باعثِ ذلت سمجھتے ہیں۔ ذرا غور کریں اور تیرہ سو برس پہلے والا زمانہ یاد کریں تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے میں کیسے کیسے نایاب ہستیاں گذری ہیں۔ جن کے کارنامے سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

ان بزرگ ہستیوں کی زندگیوں کا مطالعہ اور مفصل حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ آج سے تیرہ سو برس پہلے والا زمانہ کیسا تھا اور کیا اُس زمانے میں عروج تھا یا اب۔ اس زمانے میں بھی تعلیم تھی۔

دعا ہے کہ خدا ہر تعلیم یافتہ کو راہ راست پر لائے۔ تعلیم یافتہ کی سب سے بڑی پہچان اس کے اخلاق اور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے ہوتی ہے۔ خوش خلقی اور مروت ہی اس کا ثبوت ہے۔

ہماری جہالت کا سہرا کس کے سر ہے؟

از محترمہ عزیزہ ک ف بیگم صاحبہ

آج کل ہندوستان میں تعلیم نسواں جس سُرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ وہ یقیناً حیرت انگیز ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خود ہم میں حصولِ علم کا شوق پیدا ہو گیا ہے اور ہماری کامیابی و کامرانی کی یہ دامِ دلیل ہے۔

لیکن اکثر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بعض گھرانوں میں لڑکیوں کی تعلیم عیب میں داخل ہے' ان غریبوں کو اس زیور سے محروم رکھا جاتا ہے۔ سنتی ہوں کہ ایک عالم میں ہندی عورت محض اس کی بد تہذیبی اور عدمِ شائستگی کی وجہ رسوا و بدنام ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ یہ شکایت غلط اور سراسر ہندی عورت پر بہتان ہے۔ مگر غور بھی کرنا چاہیئے کہ اس رسوائی کا سہرا آخر اس کے سر کس نے باندھوایا؟ ظاہر ہے ایسی عورتیں اور لڑکیاں تعداد میں بہت' اور بہت ہی کم ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلائی جا سکیں۔ عام طور پر" لڑکی کے لئے حصولِ علم کے کافی مواقع فراہم ہی نہیں کئے جاتے' وہ سہولتیں اس کو بہم نہیں پہنچائی جاتیں جن سے لڑکے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اگر لڑکی بد تہذیب اور شائستگی سے کوسوں دور نہ رہے گی تو کیا کریگی؟ میں یہ سوال کرنے کی جرأت کرتی ہوں کہ اس میں کس کا قصور ہے؟ کیا لڑکی کا ہی؟ غور کیجئے کہ علم کا دروازہ اس کیلئے بند کر دیا گیا۔ سوسائٹی میں اس کو شرکت کی اجازت نہیں' اس کے معلومات گھر کی چار دیواری میں محدود!! تو پھر وہ کیسے مہذب اور شائستہ بنتی؟ کس طرح اس کے اخلاق و عادات سنورتے؟ اگر حصولِ علم کا کافی موقعہ اس کو دیا جاتا' تو اس کے معلومات وسیع ہوتے' وہ زیورِ علم سے آراستہ ہو کر تہذیب و شائستگی کا جامہ زیب تن کرتی۔ اس کے خیالات بھی روشن ہوتے' اخلاق کی درستگی ہوتی۔ مگر اس کو تعلیم دلوانا عیب سمجھا گیا اور پھر اُلٹا یہ الزام اسی کے سر رہا کہ "جاہل ہے بدتمیز اور بدتہذیب ہے"۔

یہ صریحاً ظلم اور زیادتی ہے کہ کلہاڑی خود اپنے پیر پر ماریں اور نام بدنام ہو اُس کا۔ عورتوں اور لڑکیوں کو گھر کی چار دیواری

میں مقید رکھا گیا۔ انہیں علم حاصل کرنے کا موقعہ ملا اور نہ تعلیمیافتہ لوگوں سے ملنے کی اجازت دی گئی اور پھر ہر طرف سے انہیں طعن دئے جاتے ہیں کہ زمانہ ترقی کرتا جا رہا ہے مگر ہندی عورتیں اپنی جہالت اور قدامت پرستی کو چھوڑتی نظر نہیں آتیں۔

میں یہ ہرگز نہیں کہتی کہ پردہ کی قید سے ہندی خواتین کو آزاد کیا جائے اور نہ میرا یہ خیال کہ پردہ حصول علم میں مانع ہے نہیں! ہرگز نہیں! پردہ ایک مہلک عیوب کو چھپاتا ہے اور یقیناً وہ ایک ایسا محافظ ہے جو تمام آفات سے بچائے رکھے۔ میں صرف یہ عرض کروں گی کہ حتی الامکان ایسی صورتیں مہیا کی جائیں جن سے لڑکی پردہ میں ہی رہکر تعلیم پائے۔ پھر دیکھئے کہ وہ کیسے تہذیب و شائستگی کا دامن تار تار کرتی ہے! اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسلِمٍ وَّ مُسلِمَاتٍ لکھکر مرد اور عورت دونوں کے لئے حصول علم فرض قرار دیا۔ مگر آج مسلمان جہاں اپنے اور فرائض کو بھولتے جا رہے ہیں وہاں یہ فرض یعنے لڑکی کی تعلیم بھی ان کی غفلت کی نذر ہو رہی ہے۔ عورت کی جہالت خود آپ کی اور وطنِ عزیز کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ وہ ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا جہاں کی عورتیں کاہل اور جاہل ہوں۔ اس لئے کہ ان کی جہالت کا اثر آنے والی نسلوں پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگر یہی حال کچھ صدیوں تک رہا تو ملک و قوم کا نشان تک باقی رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ دورِ ماضی کی سینکڑوں مثالیں شاہد ہیں کہ جس قوم یا ملک نے عورت کی عزت کی، اقبال و ظفر مندی کا تاج اس کے زیب سر رہا۔

ہندی والدین لڑکوں کی تعلیم و تربیت پر بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں، مگر لڑکیوں کی تعلیم ان کے ہاں فضول قرار پاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ کہ وہ جاہل رہ جاتے ہیں۔ مجھے یہ سن کر ہنسی آتی ہے کہ بعض والدین لڑکیوں کو زنانہ مدارس میں تک بھیجنے روادار نہیں، جب ایسا ہی ہے تو انہیں گھر پر ہی تعلیم دلوائیے۔ اگر کچھ تھوڑی سی توجہ برتی جائے تو لڑکی گھر پر ہی رہکر سب کچھ سیکھ سکتی ہے پڑھنے کے لئے مدرسہ کا جانا ہی فرض نہیں! مکان پر بھی بطورِ خانگی تعلیم و تعلّم کا بخوبی انتظام ہو سکتا ہے۔ قدرت نے لڑکی کو زندگی کے ابتدائی دور میں بہ نسبت لڑکے کے فہم و ادراک کا مادہ زیادہ عطا فرمایا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ لڑکی بچپن میں لڑکے سے کہیں زیادہ ذہین، طباع اور بلند حوصلہ ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ ان کی ذہانت کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ ان کے حوصلے پامال کئے جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ اکثر گھرانوں میں لڑکیوں کی تعلیم ضروری خیال کی جا رہی ہے۔ ایسی لڑکیاں یقیناً خوش قسمت ہیں جن کے والدین کا ایسا نیک خیال ہو۔ کسی کا کیا ہی بہتر قول ہے کہ "عورت ہی جنت ہے اور عورت ہی دوزخ" یہ واقعہ ہے کہ وہ گھر جس کی ملکہ تہذیب و تمدن سے آراستہ اپنے اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے مثل جنت ہے"۔ اور بغیر علم کے یہ چیز محال ہے۔ ماں کی گود بچہ کی پہلی درسگاہ ہے۔ اگر خود ماں جاہل رہے تو بچہ (خواہ لڑکی ہو

یا لڑکا) کی حقیقت معلوم!!

خدا کا شکر ہے کہ مجھے حصولِ علم میں کافی موقعہ مل رہا ہے اور میرے ساتھ وہ سارے مراعات برتے جا رہے ہیں جو فی زمانہ لڑکوں کے لیے مخصوص ہیں۔ اِس امانت اور فرض شناسی کے لیے میں اپنے بزرگوں کی رہین منت ہوں مگر افسوس ہے تو میری اُن بہنوں پر جن کے ساتھ ظلم روا رکھا جا رہا ہے جنھیں علم کے حاصل کرنے کا کوئی موقعہ نہیں دیا جاتا اور وہ اپنے علمی شغف کو لیے جہالت اور بد تہذیبی کا طوق گردن میں ڈالے اپنی زندگی کے نئے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں ان کا نباہ جس طرح ہوگا ظاہر ہے۔ کیا ہندوستانی والدین کبھی ٹھنڈے دل سے اس حقیقت پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے!

زرین اقوال

(از عزیزہ کشف بیگم صاحبہ)

۱۔ خدا کا خوف کامیابی کی چوٹی اور پرہیزگاری فضائل کی کنجی ہے۔

۲۔ آدمی جب تک اپنے بدخواہوں کا خیرخواہ نہ ہو اس کی نیکی کمال کو نہیں پہونچتی۔

۳۔ تمہارے ساتھ جو احسان ہو اُس کو یاد رکھو اور تم جو احسان کرو اس کو بھول جاؤ۔

۴۔ عمدہ اخلاق سے انسان دنیا کی تمام مخلوق پر قبضہ حاصل کرتا ہے۔

۵۔ جاہل کو ادب سکھانا ایسا ہی عبث ہے جیسا کہ آگ کو پانی میں روشن کرنا۔

۶۔ انسان بغیر عقل کے بے جان مورت ہے۔

۷۔ جب تمہارے کچھ دوست ہیں تو سمجھو لو کہ تمہارے پاس بیش بہا خزانے ہیں۔

۸۔ دنیا کی محبت میں جو حد سے گزر گیا وہ محتاج مرا۔

۹۔ غصہ میں تاب نہ لانا درندوں کی خصلت ہے۔

۱۰۔ آدمی کو اس کے فعل سے جانچو نہ کہ قول سے۔

غزل

از محترمہ [illegible] مسز سید ریاض الحسن صاحبہ

از نالۂ من بزم رقیباں گلہ دارد — از دود دلم شمع فروزاں گلہ دارد

ترسم ز پریشانی آں شوخ نگارے — از شوق دلم گیسوئے پیچاں گلہ دارد

چوں قیس زنم سنگ ستم بر سر خویشم — از شورش من کوہ و بیاباں گلہ دارد

برپاست قیامت کہ توئی یوسف ثانی — از حسن تو معمور کنعاں گلہ دارد

وابستۂ زنجیر بکا آہ رسائیم — غوغائے دلم از شب ہجراں گلہ دارد

وحشت کہ ز حد میگزرد کرد ترقی — از شورش پاکوبانۂ زنداں گلہ دارد

خمہا کہ تہی کرد تو اے پیر خرابات — از مستی تو مشرب رنداں گلہ دارد

رازم بہ نیازم کہ سراپردۂ رازم

از ہستی من صورت انساں گلہ دارد

خاص سفینہ کے لئے

موجودہ تعلیم کا ہماری معاشرت پر اثر

از محترمہ اقتدار منظور صاحبہ (مسز باہر آغا دہلی)

اس روشن زمانے میں تعلیم نسواں جس قدر ترقی پر ہے وہ کسی اظہار کی محتاج نہیں۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں خواتین نے حصول علم میں جس قدر جدوجہد کی ہے۔ اس کا اندازہ گزشتہ سال کی مردم شماری سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اعداد و شمار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خواتین کے علمی شغف کی یہی حالت رہی تو یقیناً بہت جلد ہمارا ہندوستان دیگر ممالک سے اس خصوص میں جو بہت کچھ پیچھے تھا ان کے دوش بدوش ہو جائے گا۔

مگر افسوس کا مقام ہے کہ تعلیم نسواں کی ترقی سے بجائے ملک و قوم کو فائدہ پہنچنے کے اُلٹا نقصان پہنچ رہا ہے۔ علم کی زیادتی ہم کو سُدھارنے کی بجائے بگاڑ رہی ہے۔ پیشتر کے مقابلے سے ہم زیادہ کفایت شعار اور مذہب کے پابند ہوتے۔ نیز بچوں کو بھی اس کی ہدایت کرتے جس سے ہماری آیندہ نسلیں درست ہوتیں۔

شوہر کے فرمانبردار اور والدین کے اطاعت شعار بنتے جس سے ہماری دنیا اور عاقبت دونوں بہتر ہوتی کفایت شعاری کی بدولت قوم و ملک کی حالت درست ہوتی۔ کوشش کی جاتی کہ ملکی اشیاء استعمال کی جائیں۔ اور بدیسی چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ مگر ہم نے اس کے برعکس کیا۔

کسب معاش کو جو ایام جہالت میں ایک بڑی حد تک برا خیال کیا جاتا تھا۔ اس کو دور کرنے کی کوشش کرتے میرا اس سے یہ ہرگز منشا نہیں ہے کہ ہم بے پردہ ہو کر مردوں کے دوش بدوش ہو کر روپیہ کماتے۔ بلکہ پردے کے اندر رہ کر بھی اگر ہم چاہیں تو دستکاری، سوزن کاری اور دیگر گھریلو صنعتوں سے ہم روپیہ پیدا کر سکتے ہیں۔ جس سے مردوں کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو سکتا ہے۔ لیکن تعلیم پا کر تو ہم نے بجائے خوبیاں پیدا کرنے کے اپنے اندر اس قسم کے بہت سے نقائص

پیدا کر لیے۔ جب سے لوگ تعلیم نسواں ہی کو بری نظروں سے دیکھنے لگے اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تعلیم نسواں کے سبب یہ ساری بیا خرابیاں
ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے تعلیم پا کر دوسری قوموں کی آنکھ بند کر کے تقلید کرنا شروع کر دیا ہے۔ خواہ وہ ہمارے
کتنی ہی ضرر رساں کیوں نہ ہو۔ غور کا مقام ہے کہ جب ہماری اپنی خود یہ حالت ہے تو اس کا اثر ہمارے بچوں پر بھی کیا ہوگا
یہ ایک مسلمہ نظریہ ہے کہ ماں کی گود بچے کے حق میں سب سے پہلی درسگاہ ہے۔ تعلیم پا کر جو خرابیاں ہمارے اندر پیدا ہوتی ہیں
ان کا اظہار بھی ضروری ہے۔ تعلیم پانے کے بعد ہم خیال کر لیتے ہیں اب گھر کا کام کرنا ہمارے واسطے یقیناً ناجائز ہو گیا۔ اگر پہلے گھر میں
دو نوکر تھے تو اب کوشش کرتے ہیں کہ دس ملازم ہونے چاہئیں۔ پھر جدید تعلیم کے سبب یہ خیالات بھی لازمی طور پر ہو جاتے ہیں کہ سونے
کھانا کھانے۔ گھر کے اندر رہنے ہوا خوری اور ملاقات وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ لباس ہونا چاہیئے۔ غرض دن میں پانچ چھ مرتبہ لباس بھی
تبدیل ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بلا ناغہ روزانہ کم از کم دن میں ایک بار ہوا خوری کو جانا بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں
کوشش کی جاتی ہے کہ لباس کل ولایتی ہونا چاہیئے ورنہ فیشن کے خلاف ہوگا۔ نسبتاً پیشتر سے زیادہ ہمارے تعلیم یافتہ ہونے کے
باعث ملنے ملانے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کسی دن ہمارے گھر پر ہماری سہیلیاں تشریف لائی ہیں
تو کسی دن ہم کو ان کے یہاں جانا ہوتا ہے۔ جس وقت تک ہم جاہل تھے، اول تو یہ روز روز کا جانا آنا نہیں تھا۔
اور اگر کبھی ہفتوں میں کوئی آ نکلا تو آنے والے کی خاطر تواضع بھی کی جاتی تھی جو ہماری حیثیت سے کبھی بھی زیادہ
نہیں ہوتی تھی۔ نیز کچھ زیادہ تکلفات نہیں کئے جاتے تھے۔

مگر اب تو زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ ہماری تواضع بھی ایسی گراں ہوگئی ہے کہ گھر کے میاں غریب کا تو اس روز
روز کی پر تکلف دعوتوں میں دیوالہ نکل جاتا ہے۔ اگر صرف چائے کی تواضع کی جائے تب بھی کم از کم پانچ دس روپے کیک
بسکٹ وغیرہ میں ضرور کھل جاتے ہیں۔ جدید فیشن کے سبب تانگے وغیرہ پر چلنے کو ہم کسر شان خیال کرنے لگے ہیں لہذا
موٹر ہونا ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ سینما اور تھیٹر میں روزانہ شرکت کی جائے۔
نیز پردے سے بھی بے نیازی اختیار کی جائے۔ اس کے ماسوا اب کیونکہ ہمارا شمار تعلیم یافتہ طبقہ میں ہونے لگا ہے۔ لہذا
ہمارے گھر کے اندر قریب قریب تمام چیزیں ولایتی یا پھر کم از کم قیمتی تو ضرور ہونی چاہئیں' ورنہ ملک ہنسائی کا اندیشہ لگا رہتا ہے
اس دور میں بچوں کی خود پرورش کرنا تو فیشن کے خلاف ہے۔ اور ہم جیسے تعلیم یافتہ فیشن کے خلاف کرنا تو ممکن نہیں۔
خواہ اس میں کتنی ہی خرابیاں اور دشواریاں کیوں نہ ہوں! اس لئے شروع ہی سے ہمارے بچے نوکروں کے سپرد

کر دئے جاتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخراجات میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے اور بچوں کی نگہداشت بھی ٹھیک اور مناسب طریقہ
نہیں ہوسکتی اور جس کو ہم خیال کئے ہوئے ہیں کہ ہمارے بچوں کی تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہورہی ہے جو یقیناً خراب ہوتی ہے
مذہبیت کا تو کہنا ہی کیا۔ مذہب کا تو نام لینا بھی فیشن کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

اکثر فجر، عصر، مغرب، عشاء۔ یہ چاروں وقت تو یقیناً ہمارے سیر و تفریح سینما تھیٹر وغیرہ کی نظر ہوتے ہیں۔ اگر کسی جلسہ یا پارٹی میں کوئی نیک مسلمان یہ کہدے کہ آپ لوگوں نے اس وقت کی نماز ادا نہیں کی تو وہ غریب لازمی طور پر جاہل مطلق خیال کیا جاتا ہے۔

ہم لوگ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے شوہروں کی ساعات کا دم بھرنے لگتے ہیں اور اکثر اس خیال میں ان بیچاروں کے حقوق کی بھی پروا کم کی جاتی ہے۔ جس کے سبب عموماً آپس میں اختلاف ہی رہتا ہے لیکن دونوں نئی روشنی کے تعلیمیافتہ ہیں یہ بھی ممکن نہیں کہ جو کچھ شکایات ہیں اُن کو ظاہر کرکے شکوک رفع کرلیں۔ یہ بات تو فیشن کے خلاف ٹھیری۔ اس کے برعکس یہ ہوتا ہے کہ میاں اپنا وقت زیادہ کلب گھر میں اور دوستوں کے ساتھ رہکر گزار دیتے ہیں اور بیوی یا تو رنج و افسوس سے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر دق یا سل کا شکار ہوجاتی ہیں یا اگر بے پروا واقع ہوئیں تو انہوں نے بھی سیر و تفریح اور سہیلیوں میں رہ کر ہنسی خوشی وقت گزار دیا۔ الغرض اس جدید فیشن پرستی کے سبب ہمارے اندر سیکڑوں نقائص پیدا ہوگئے ہیں اور ان ہی وجوہات کے سبب تعلیم سے ہم لوگ فائدہ اٹھانے کی بجائے اُلٹا نقصان اُٹھا رہے ہیں نیز اپنی اس غلط روش کی وجہ سے غریب تعلیم کو بدنام کر رہے ہیں۔ فیشن کی پرستاری میں ہماری فضول خرچیاں اسقدر بڑھ گئی ہیں کہ خدا کی پناہ اور لازمی طور پر موجودہ فضول خرچیاں ہماری بربادی کا باعث ہیں۔ مذہبیت روز بروز ہمارے دلوں سے کم ہوتی جارہی ہے۔ پہلے ہم لوگ اپنے ہاتھ سے گھر کے کام کاج نوکر کے ہونے پر بھی کرتے تھے۔ اور اسکو اپنا فرض سمجھتے تھے مگر اب تو گھر کے کام میں حصہ لینا معیوب قرار دیا گیا ہے۔ لہذا سارا دن بیکار وقت گزرتا ہے۔ یا پھر زیادہ سے زیادہ بالوں کے سنوارنے اور لباس تبدیل کرنے میں صرف ہوجاتا ہے۔ گھر کے کام کاج میں دخل دینے کی وجہ پہلے ہماری کافی ورزش ہوجاتی تھی جس سے ہماری صحت بھی اچھی رہتی تھی۔ اب چونکہ کام کرنا فیشن کے خلاف ہے۔ اس لئے ہماری ورزش نہیں ہوتی اور ہم لوگ آئے دن بیمار رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے بجائے اپنی بیماری کی اصل وجہ معلوم کرنے کے یہہ خیال کرلیا ہے کہ پردہ ہماری بیماری کا باعث ہے۔ چنانچہ ہر طرف سے یہی رونا رویا جارہا ہے کہ چاردیواری کے اندر رہنے سے کھلی ہوا نہیں ملسکتی جسکی وجہ سے صحت خراب ہوگئی ہے۔

میں یہ دریافت کرتی ہوں کہ آخر پہلے بھی تو ہم لوگ پردہ میں رہتے تھے [illegible] ہماری صحتیں کیوں اچھی تھیں مناسب

سمجھانے کے دن گزر چکے ہیں۔ ہمت کی اس خاموش اور بالکل اخلاقی پستی ہے۔ جو نقصان ہوا تو بیشتر سے زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے کہ ان خامیوں کو دور کرنے کی جلد از جلد کوشش کی جائے۔ ورنہ ہمارے تمدن و معاشرت۔ اخلاق، مذہب کا رہا سہا شیرازہ بھی تباہ و برباد ہو جائیگا جس کے اثرات ہماری نسلیں محسوس کریں گی۔

اطلاع

"ادارہ" نہایت مسرت کے ساتھ اطلاع دیتا ہے کہ "میلاد نمبر" میں جو "خاص مضامین" شریک تھے ناظرات "سفینہ" نے ان میں سے "ہمارا ماضی، حال اور مستقبل" اور عورت کی زندگی کے تین دور کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔ محترمہ نگینہ صاحبہ قاسمی (محسن آباد) اور محترمہ "ا ج" انوری صاحبہ کی خدمات میں مدیرۂ محترمہ کی جانب سے ہدیہ تبریک پیش کیا جاتا ہے۔

ہم معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب (ایم، بی، سی ایچ، بی، اڈنبرا) کے شکر گذار و رہین کرم ہیں، جنہوں نے اس سلسلہ میں ایک "قیمتی تحفہ" بھیجوا کر "سفینہ" کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ حسب اعلان گذشتہ ادارہ کی جانب سے بھی ایک تحفہ پیش کیا جائیگا جو مسرز پی۔ آر اینڈ سنز جولرز ([illegible]) کے یہاں تیار ہو رہا ہے۔ دونوں تحفہ جات کے فوٹو بلاک آیندہ اشاعت میں شریک رہینگے اور اسی وقت مذکورہ محترم خواتین کی خدمت میں یہ گذرانے جائینگے۔

اختر قریشی

"خانہ داری"

محترمہ نزہت افضل صاحبہ (از سیالکوٹ)

جس طرح ایک باغبان کو ہر قسم کے پھولوں اور پودوں کی نشوونما کا جاننا چمن کا سنوارنا اور گلزار کی ہر سجاوٹ سے واقفیت رکھنا ازبسکہ ضروری ہے اسی طرح ہر عورت کو انتظام خانہ داری سے پوری طرح واقف ہونا چاہئے۔ یہی ایک جوہر ہے جس سے ایک مسکین عورت بھی اپنی جھونپڑی کو بہشت بریں کا نمونہ بنا سکتی ہے۔ اس سے نہ صرف عورتوں کا حسن سلیقہ ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ محنت پسند، کفایت شعار اور خوش مزاج بن جاتی ہیں۔ وہ معمولی آمدنی میں گھر کا معقول انتظام کر سکتی ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے۔ کہ بیوی کے سلیقہ شعار نہ ہونے سے شوہر کی جان عذاب میں ہو جاتی ہے۔ آخر کار اس ازدواجی زندگی کا انجام بہت ناخوشگوار ہوتا ہے۔ ناخوشگواری کی زندگی پُرلطف نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورتوں میں جو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ نہایت تباہ کن اور حسرتناک ہوتے ہیں۔

گھر کی منتظمہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے مکان کو خواہ وہ وسیع ہو یا تنگ صفائی پر پوری توجہ کام میں لائے۔ بعض ہندوستانی عورتیں اپنے گھر ایسی لاپرواہی سے غلیظ رکھتی ہیں۔ کہ وہاں چند منٹ بیٹھنے سے طبیعت اکتانے لگتی ہے۔ بعض گھرانے آجکل فیشن کی تقلید میں بجائے مکانوں کے بنگلوں وغیرہ میں سکونت اختیار کرتے ہیں۔ تاہم صفائی انکی جگہ رہائش میں بھی نہیں پائی جاتی۔

خانہ داری کا تمام بار عورت کے ذمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مرد تمام دن فکر معاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ انکو اسقدر فرصت نہیں مل سکتی۔ کہ وہ گھر کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ لہٰذا عورت کا فرض ہے۔ کہ وہ اس کام کو پوری طرح سے انجام دے۔

مکان کے در و دیوار کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ خود صاف کرے یا نوکروں سے اپنی زیر نگرانی صاف کروائے۔ نوکر مالک کی عدم موجودگی میں ہرگز دل جاکر کام نہیں کرتے۔ گرد و غبار سے ہر چیز کو صاف رکھنا ضروری ہے۔ پان کی پیکوں کے نشان فرش و دیوار پر نہایت بدنما معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ملاقاتی غلطی سے ایسی حرکت کر بیٹھے تو اس کے چلے جانیکے بعد فوراً اس جگہ کو صاف کروا

چاہیے۔ کپڑے اپنے اور متعلقین کے نہایت احتیاط سے رکھنی چاہیے۔ گرمی پڑ کا چیزوں ملتے ہے تیز ۔۔۔ الماریوں میں صندوقوں اور طاقوں میں رکھنی چاہیں۔

لباس اور بستر ہمیشہ صاف رہنا ضروری ہے اس سے طبیعت بشاش رہتی ہے۔ اور صحت پر نمایاں اثر پڑتا ہے۔

کھانا وقت پر تیار کروانا گھر کی منتظمہ کا فرض ہے۔ خوراک زود ہضم اور ہلکی ہونی چاہیے۔ جس سے کھانے والوں کی صحت میں فرق نہ آنے پائے۔ بد ذائقہ کھانا کوئی پسند نہیں کرسکتا۔ اس لئے کھانے کے وقت سے پیشتر ہمیشہ سب کھانوں کی دیکھ بھال کرنا لازمی ہے۔ اگر کوئی کمی بیشی ہو تو پوری کر دینی چاہیے۔ یہ نہ ہو۔ کہ عین کھاتے وقت نمک مرچ کی پڑتال ہو۔ ٹھنڈا کھانا علاوہ نقصان دہ ہونیکے طبیعت پسند نہیں کرتی۔

وہ گھر بہشت بریں کا نمونہ بن سکتا ہے۔ جس گھر میں منتظمہ لائق اور سمجھدار ہو۔ گھر ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں میں داخل ہوکر مرد ہر قسم کے دنیاوی افکار و پریشانیوں سے چند لمحوں کے لئے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ گھر کی فضا میں سرور ہونا چاہیے۔ کہ قدم رکھتے ہی دل بشاش ہو جائے۔

لڑکیوں کو کنوار پنے میں ہی تمام علوم خانہ داری پر دسترس حاصل کرلینی چاہیے۔ تاکہ انکو بعد میں دقت محسوس نہ ہو۔ اور وہ اس امتحان میں سرخروئی سے کامیاب ہوں۔ شادی کے بعد نہایت دشوار ہے کہ خانہ داری کی ابجد شروع ۔۔۔ سیکھی جاسکے۔

"سفینہ" کی مضمون نگار محترم خواتین نوٹ فرمالیں"

کہ آئندہ سے صرف وہی مضامین شکریہ کے ساتھ قبول کئے جائینگے جو خوشخط اور واضح طور پر لکھے ہوئے ہوں۔ اس سے ایک تو "ادارہ" کی مصروفیتوں میں ایک حد تک کمی ہوگی دوسرے کتابت کی غلطیوں کا احتمال بہت کم رہیگا۔

منیجر

Safina-i-Niswan

... کب تک؟

از مولانا سید علی اختر صاحب۔ اختر

فریبِ ہستیٔ زمانہ فریب پر اعتبار کب تک ۔۔۔ فنا کی لذت سے کامراں ہو حیاتِ ناکامگار کب تک

مجھے نہ دی عشرتوں کی دعوت گراں سہی میری تلخ کامی ۔۔۔ کہ ہمنشیں! اس چمن میں دورِ مئے نشاطِ بہار کب تک

گر ہے منزل رسی کی خواہش تو ہمتِ دل رہنما کر ۔۔۔ کہ جادۂ کاروانِ رفتہ سے اٹھ سکے گا غبار کب تک

تلونِ دورِ نا سزا سے نہ تلخ کر زندگی کی سانسیں ۔۔۔ تغیرِ ماہ و سال کیا ہے یہ گردشِ روزگار کب تک

فریبِ فطرت عمیق ہے کسقدر کوئی آجتک نہ سمجھا ۔۔۔ کہ جبر کے ساز میں رہیگا ترانۂ اختیار کب تک

قفس میں ہیں ہم صفیر میرا بہار سے یہ پیام کہدے ۔۔۔ رہیں گی خاشاکِ آشیاں پر یہ بجلیاں بیقرار کب تک

سنبھل! کہ دورِ زمانہ اختر عمل کا پیغام دے رہا ہے

یہ ہمتِ ناتمام تا کے یہ عزمِ ناستوار کب تک

اطاعت

ازقلم محترمہ مسنر مظفر علیؒ (ہمایون نگر)

اطاعت یعنے فرمانبرداری دوسرے معنوں میں اپنے افعال وکردار سے دوسرے کی طبیعت کو خوش کرنا خصوصاً نسوانی زندگی کے لئے ایک عورت بغیر اطاعت کے اپنی زندگی خوش نہیں رکھ سکتی عورت کی زندگی کیا ہے۔ ایک طوفان ہے۔ اس میں سیکڑوں موجیں اس شدت سے اٹھتی ہیں کہ اس حیات کے وجود کو ختم کردیں۔ اس سنگین امتحان کا سپر اگر کوئی چیز ہے تو وہ اطاعت ہے۔ اکثر بہنیں اسکے سمجھنے میں غلطی کرتی ہیں اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جس گھر میں بھیج دیا گیا (سسرال) وہاں جانے کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جائے کہ کون کس طبیعت کا ہے اسکی ناراضی کن سبب سے ہے اور خوشی کی کیا وجوہ ہیں اس کو ذرا ٹٹول لیا جائے تو معلوم ہوجائیگا۔ اس کے بعد ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس میں وہ خوش ہیں اس میں شک نہیں کہ اس کیلئے ابتدا میں اپنی نفسیات سے جنگ کرنی پڑیگی۔ لیکن تہوڑے ہی عرصہ میں اس کا نتیجہ اچھا نکل آئیگا اور ممکن ہے کہ ہر شخص آپ کا ہورہے ع مشکلیں مجھ پہ پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں "اگر ہم غور سے دیکھیں تو مفہوم زندگی اطاعت ہی سے ہے اور حقیقی خوشی اور سچی مسرت اطاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ قدرت کا مقصد انسان کی تخلیق سے یہی ہے اسلئے خدا کے نافرمان کو ملعون قرار دیا گیا اور انسان کی عاجزی وانکساری کو پسند کرکے خداوند تعالےٰ نے اشرف المخلوقات کا خطاب سرفراز فرمایا مذہب اسلام میں فریضہ نماز اطاعت کی جڑ ہے اور روزہ حج زکواۃ اس کی ڈالیاں۔ اس کے بعد میں اپنے موضوع کے تحت ان ماؤں اور بہنوں کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہوں جو کہ ساس اور نند کے ممتاز رشتہ سے موسوم کئے جاتے ہیں یہ رشتہ جسقدر ممتاز ہے اس کی ممتازیت کو برقرار رکھنے کیلئے انہیں بھی لازم ہے کہ اپنی بہو و بھاوج کے ساتھ وہ سلوک کریں جو اپنی لاڈلی بیٹی اور پیاری بہن کے لئے روا رکھتی ہیں۔

سلسلۂ تذکرۃ الخواتین

قرۃ العین

از محترمہ امۃ الحبیب صاحبہ

پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن آف کیمرج اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"دنیا میں ایسی خواتین کا ظہور شاذ ہی ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اگر بابی مذہب کی صداقت کا ثبوت کوئی اور نہ ہوتا تو صرف یہی امر کافی تھا کہ قرۃ العین جیسی خاتون اس کی پیرو ہے"

قرۃ العین جس کا اصلی نام زرین تاج تھا حاجی ملا محمد نامی ایک شریف الخاندان اور متوسط طبقہ کے فرد کی دختر تھی۔ اسکی ولادت اور ازدواج کی تواریخ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مگر اتنا ضرور ثابت ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی تلخ و ناکام رہی۔ اسکے شوہر کو باب اور اسکے مذہب سے سخت نفرت بلکہ عداوت تھی اور یہ نوجوان خاتون شادی سے کئی برس پہلے ہی سے بابی مذہب کی پیرو اور دلدادہ بن چکی تھی۔ اتفاقاً ایک اور واقعہ ایسا پیش آیا کہ شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات ٹوٹنے کے قریب ہوگئے۔ اس کے شوہر کے والد کو باب کے کسی فدائی نے قتل کرڈالا۔ قدرتی طور پر یہ شبہ کیا گیا کہ قتل قرۃ العین ہی کے اشارہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ اسے گرفتار کرکے قزوین کے والی کے روبرو پیش کیا گیا۔ مگر ناکافی شہادت کی بنا پر وہ بری کردی گئی۔ اب میاں بیوی کا مل جل کا رہنا محال تھا۔ طلاق ہوئی اور قرۃ العین کو ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر کے گھر کو خیرباد کہنا پڑا۔ قزوین سے نکل کر طہران کے راستہ سے ہوتی ہوئی وہ خراسان پہونچی اور اس مشہور عالم کانفرنس میں شریک ہوئی جو بابی مذہب کے معتقد اراکین کے درمیان بمقام بداشت منعقد ہوئی تھی۔ وہاں سے وہ ملا محمد علی نامی ایک شخص کے ہمراہ مازندران آئی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے کسی تاریخ میں اس کے وجود اور سکونت کا پتہ نہیں چلا۔ دفعتاً اس کا ذکر پھر یوں آتا ہے کہ وہ گرفتار ہوکر طہران آئی اور محمد خان قلندر نے اسے قید میں رکھا۔ اور اسی کے پاس وہ اپنی شہادت کے وقت تک مقید رہی۔

مفصلۂ ذیل واقعات اس کی زندگی کے متعلق تاریخ جدید سے اخذ کئے گئے ہیں:-

قرۃ العین کربلا پہونچی جہاں اس کی ملاقات ان با قیدار شیخ سے ہوئی جو پوشیدہ امام یا امام قائم کے ظہور کے منتظر تھے بعدازاں وہ علی محمد بانی مذہب باب کی مرید ہوگئی جس نے خود کو امام قائم مشہور کیا تھا۔ قرۃ العین نے اب [illegible]

وتلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ کربلہ کے والی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ اور اس نے قرۃ العین کی گرفتاری کا حکم صادر کیا۔ مگر جیسے ہی اس کو اس حکم کی خبر کسی طرح پہونچی کہ وہ فوراً وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور براہ راست بغداد میں وارد ہوئی جو اس وقت ترکوں کے زیر حکومت تھا۔ بغداد پہونچکر وہ خود وہاں کے مفتی کے آگے دادخواہ ہوئی اور خود کو الزام سے بری اور اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ مسئلہ فوراً حکومت کے روبرو پیش کیا گیا جہاں سے اس کے اخراج کا حکم ملا۔ کرمان شاہ اور ہمدان سے گذرتی ہوئی اور راستہ میں وعظ وتلقین کے ذریعہ ہزارہا افراد کو اپنا مطیع ومعتقد بناتی ہوئی وہ ترکی حدود کے باہر نکل گئی۔ شیعہ مذہب کے بعض بڑے بڑے ارکان اس کے پیرو بن گئے۔ چند بابیوں نے باب کے آگے اسطرح ایک نوجوان لڑکی کے کھلم کھلا تبلیغ کرنے پر اعتراض کیا۔ مگر باب نے مخالفین کے علی الرغم نہ صرف اسے اس امر کی اجازت دی۔ بلکہ اس کی جرأت واعتقاد مذہبی کی تعریف کرکے اسے طاہرہ کا خطاب بھی دیا۔ ہمدان سے وہ طہران جانا چاہتی تھی کہ شاہ سے ملاقات کرکے اسے اپنے مذہب کی دعوت دے۔ لیکن اس کے والد نے اسے مجبور کرکے قزوین میں لایا اور اس کی شادی کردی۔

اس کی شہادت عجیب وغریب حالات کے تحت وقوع پذیر ہوئی۔ ڈاکٹر پولک جو اس کی شہادت کے وقت موجود تھا۔ اور اس واقعہ کا عینی گواہ ہے۔ لکھتا ہے کہ اس نے اس بے رحم اور ناانصاف حکم کو ہنستے ہوئے ملکوتی صبر وتحمل کے ساتھ سنا۔ گوبی نیو کہتا ہے کہ اس کو قتل کرنے کے بجائے پھانسی دیکر لاش کو آگ میں پھونک دیا گیا۔ دوسرے مورخوں کا بیان ہے کہ اس کو ایک تاریک کوئیں میں گرا دیا گیا۔ جو محل نگارستان کے خانہ باغ میں واقع تھا۔ اور پھر کوئیں کو پتھروں سے بند کرکے پاٹ دیا گیا۔ قرۃ العین باب کی اسقدر معتقد تھی کہ اس نے ماں باپ، شوہر، دولت وعزت کو "مالک" کے نام پر ٹھوکر مار دی تھی۔ اور اپنی عمر "وحدت الوجود" اور مسئلہ تناسخ کے رازہائے پنہاں کو حل کرنے میں اور اپنے مذہب کی تبلیغ وتلقین میں گذار دی وہ ایک نہایت پرگو شاعرہ تھی۔ اور فی البدیہ اتنے اشعار کہہ لیتی تھی کہ لوگ اسے بھی اس کی ایک کرامت تصور کرتے۔ اور اس کی علمیت سے مرعوب ہوجاتے۔ اسے آیات قرانی۔ حدیث اور اماموں کے اقوال کثیر تعداد میں یاد تھے۔ جس سے وہ اپنے کلام کو مستند بنانے میں مدد لیتی تھی۔

مرزا جانی مصنف "نکتۃ الکاف" مذکورہ بالا بیان میں حسب ذیل امور کا اضافہ کرتا ہے۔ قرۃ العین کی تقریروں میں مردوں سے زیادہ عورتوں کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ جن کے لئے پردہ باندھکر ایک جگہ علیحدہ کردی جاتی۔ اس کا یہ قول تھا کہ وہ (نعوذ باللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ ہے۔ جو قرۃ العین کی شکل میں آئی ہے۔ یہی دعویٰ اسکے

قتل کا باعث ہوا۔ بابی لوگوں کا عقیدہ رجعت یا تناسخ کے مسئلہ کی سختی سے موافقت کرتا تھا۔ اور اسی کا اظہار یہ شیر دل خاتون اور دوسرے مذہبی عقائد کے ساتھ علانیہ کرتی تھی۔ گو وہ پس پردہ تقریر کرتی تھی۔ مگر اس کی فصاحت و علمیت اس کے ہم عصر شعراء و علماء کے لئے مایۂ رشک تھی۔

ذیل میں ہم اس کی چند نظموں کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو مشہور مستشرق پروفیسر براؤن کے انگریزی ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ اسکی نظموں کا مجموعہ ناپید ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ انیسویں صدی عیسوی کے معاصرین سے ایک پُر مغز اور قادر الکلام شاعرہ مانتے ہیں اس کی پُراسرار شاعری کا تصوفانہ رنگ ہمیں ایران کے مشہور ترین اساتذہ مثلاً جامی۔ حافظ اور عمر خیام کی یاد دلاتا ہے۔

نوجوانی کیا لائی؟
اور بڑھاپا کیا لے گیا؟
شباب معشوق کو ساتھ لایا
اور ضعیف العمری شراب کہنہ کو لے گئی
ایسا معشوق جس کا پُر شوکت چہرہ
ایک نظر دیکھنے والا لازوال اور غیر فانی بن جاتا ہے
اور وہ مئے کہنہ جسے اگر کسی نے ایکبار چکھ لیا
تو موت کی دسترس سے باہر ہو جاتا ہے
کیونکہ یہ وہی خم ہے جس سے "ساقی"
کسی کو شراب خالص اور تلچھٹ دیتا ہے

تلوار ہاتھ میں لئے میرا "معشوق"
مجھ بیگناہ کو قتل کرنے کھڑا ہے
اگر اسے یہی پسند ہے
تو مجھے بھی سر تسلیم خم کرنا چاہئے

عالم خواب میں صبح کے قریب
وہ "ساحر" میرے پاس آیا
"اسکے" چہرہ اور انداز میں
مجھے صبح صادق کی جھلک نظر آئی

(ترجمہ)

جذباتِ پنہاں

از محترمہ رابعہ صاحبہ پنہاںؔ (کلکتہ)

نہیں تابِ شکیبائی تو پھر ضبطِ فغاں کبتک
گھُٹے گا مجمرِ سینہ میں آہوں کا دھواں کبتک

نگاہِ باغباں رہ رہ کے برق آسا تڑپتی ہے
رہیگا اس طرح اپنا چمن میں آشیاں کبتک

لگیں ہم رنگ ہونے پتلیاں شہلائے کافر کی
نہ لاتی رنگ خونِ دل کی آخر داستاں کبتک

شبِ غم کی سحر ہوتے ہی سرد ہونے لگی یہ بھی
شریکِ سوز رہ سکتی تھی شمعِ زرفشاں کبتک

نوید اے دستِ وحشت آمدِ فصلِ بہاراں ہے
وبالِ ہوش دامن کی رہیں گی دھجیاں کبتک

شبِ غم چرخ بھی ہلنے لگا آہِ شرر زا سے
رہیگا کوئی مستِ نشۂ خوابِ گراں کبتک

نہیں ملتا نشانِ منزلِ امید مضطر کو
غبارِ یاس میں بھٹکے گا یارب کارواں کبتک

ہوئی آہن گداز آتش نوائی کی شرر ریزی
رہیں گی سدِّ رہ میری قفس کی تیلیاں کبتک

ہے رقصِ اضطرابی خونِ بسمل میں ابھی پنہاں
کرے گا اضطرابِ دل کا قاتل امتحاں کبتک

..... دہلی سے علیگڈھ تک !!

از جناب مرزا محمد علی خاں صاحب
(آنریری لائبریرین، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

ابھی تو گاڑی جانے میں ایک گھنٹہ ہے۔" حمید نے اپنی دستی گھڑی کو دیکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔ میں نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "تو چلو ہم اسٹیشن پر رفرشمنٹ روم میں کھانا کھالیں گے۔" ہم قدم بڑھا کر جلدی جلدی دہلی کے اسٹیشن پر پہنچے اور رفرشمنٹ روم میں جا داخل ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آگ کے قریب ہو بیٹھے کیونکہ سردی بہت تھی۔ اور آج کے فلم پر اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ہم صبح کی گاڑی میں علیگڈھ سے صرف سینما دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ چونکہ آجکل یہاں پر رائل سینما میں (Trader Horne.) فلم بتلایا جا رہا تھا۔ جس کا شمار دنیا کے بہترین فلموں میں ہے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم ٹہلتے ہوئے۔ بک اسٹال پر پہنچے اور ایک اخبار خرید کر اپنی گاڑی کے طرف چلے۔

— موٹر "ایکسپریس" بالکل تیار کھڑا تھا۔ گویا بس ہمارا ہی منتظر تھا۔ جوں ہی ہم ایک "سکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ" میں داخل ہوئے۔ گاڑی شور کرتی ہوئی روانہ ہوئی۔ ہم جس کمپارٹمنٹ (Compartment) میں تھے۔ وہاں ایک اور صاحب بنچ پر دراز تھے۔ بہرحال گاڑی کے پلیٹ فارم سے نکلنے تک کسی خاص قسم کی گفتگو اُن سے نہیں ہوئی۔ مگر اُنہوں نے مجھے غور سے دیکھنا شروع کیا اور میں اپنی آنکھوں کے گوشوں سے دیکھتا جاتا تھا کہ وہ بہت دل لگا کر میرا جائزہ لے رہے ہیں۔ مجھے خواہ مخواہ ہنسی آرہی تھی۔ اور میں جس کے روکنے کی ناکام — لیکن دلچسپ کوششوں میں مصروف تھا میں نے حمید کی طرف دیکھا تو وہ بھی زیرلب مسکرا رہا تھا۔

مرزا محمد علی خان صاحب

MIRZA MOHD. ALI KHAN,
Muslim University (Aligarh)

ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"

حیدراباد دکن

ٹرین کی آواز اپنی پوری موسیقیت کے ساتھ جاری تھی۔ ہوا اتنی تیز اور سرد تھی کہ معلوم ہوتا تھا ابھی سب چیزیں جم کر رہ جائیں گی۔ ناک تو معلوم ہوتا تھا کہ چہرے پر سے غائب ہی ہوگئی ہے۔ بیں دوسری "برتھ" پر جاکر جمید کے ساتھ کمبل میں ہو بیٹھا۔ جان میں جان آئی اور پہلی مرتبہ میں نے اپنے گھورنے والے کی شکل پوری طرح سے دیکھی وہ سوالیہ جملہ کی علامت (؟) کی طرح جھکے بیٹھے تھے۔ عمر کوئی (۲۵) سال کی ہوگی۔ بال اوپر اُٹھے ہوئے تھے، پیشانی چوڑی تھی اور آنکھیں اندر کیطرف گھسی ہوئی تھیں۔ آپ کا چہرہ دیکھنے کے بعد بے ساختہ پہاڑ کے ان چٹانوں کا خیال آجاتا تھا جن کی شکل انسان نما ہوتی ہے مونچھیں منڈی ہوئی تھیں اور ان کی عدم موجودگی اتنی ہی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی جتنی ان کی موجودگی ان تمام رعنائیوں پر لطف یہ تھا کہ آپ سوٹ میں ملفوف تھے۔"

میں نے غور سے دیکھنے کے بعد یہ اندازہ کیا کہ وہ ان لوگوں میں ہیں جو تہذیب مغرب کے جنون میں اپنی طرز معاشرت سے بیزار ہوگئے ہیں جن کو موجودہ تمدن کی روشنی نے اندھیرے میں ڈال دیا ہے۔ جاڑہ اتنا سخت پڑ رہا تھا میں کمبل کے اوڑھنے پر بھی سردی معلوم ہوتی تھی۔ مگر وہ فیشن کے جوش میں صرف پتلون اور قمیص پہنے ہوئے لکھنؤ کے چنڈان ضرب المثل نفاست پسند لوگوں کی طرح کانپ رہے تھے جو سردی میں اکڑ جائیں مگر جامدانی کا انگرکھا ہی زیب تن ہوگا۔

دفعتًا ان کی تھوڑی کو جنبش ہوئی جسے دیکھکر جزیرہ نما کی اصطلاحی تعریف یاد آگئی۔ میں خائف ہوا اور سمجھ گیا کہ یہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اب میں سرگرم گفتار ہونے والا ہوں ——

ابھی میں نے یہ قیاس ہی کیا تھا کہ انہوں نے کھنکار کر مجھ سے خلاف امید انگریزی میں سوال کیا۔

وہ۔ کیوں جناب! کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ یہاں سے کانپور تک کتنے اسٹیشن ہیں۔

میں۔ بدقسمتی سے مجھے اسٹیشن کے نام حفظ نہیں ہیں۔ ورنہ ضرور گنوا دیتا۔ مگر اندازاً ہونگے یہی کوئی ڈیڑھ دو سو۔ ——"

میں۔ کیا آپ کانپور تشریف لیجا رہے ہیں۔

وہ۔ جی ہاں۔ اور آپ .... غالبًا علی گڑھ ....؟

میں۔ (مسکرا کر) جی ہاں۔

ٹرین میں سفر کرنے والے لوگوں کے لئے بیکاری میں صرف تین چار دلچسپ مشاغل ہوتے ہیں یا تو

وہ آپ کا نام اور تمام باتیں جو مردم شماری کے رجسٹر
میں درج کرنا ضروری ہوتی ہیں حتیٰ کہ شجرہ تک دریافت
کر لیتے ہیں۔ یا وہ خود اپنا تعارف کرنے کے بعد شاعر
ثابت ہوتے ہیں۔ اور چند ٹوٹے پھوٹے اشعار
اس وقت تک سناتے رہتے ہیں جب تک کہ آپ
سے داد نہ لینگے یا تو آپ کو نیند نہ آجائے یا آپ
ٹرین سے اتر نہ پڑیں اگر کہیں کوئی حضرت موجودہ
سیاسیات کے دلدادہ ہوئے تو وہ تمام ان
اخباروں کا آموختہ سنا جائیں گے جو انہوں
نے اس وقت تک پڑھا ہے۔

مجھے رہ رہ کر ان سے ڈر لگ رہا تھا۔
بجلی کی روشنی ان کے منہ پر پڑ رہی تھی۔ دفعتاً ان کے
چہرہ پر متعدد لرزشیں پیدا ہوئیں ان کے گالوں میں
جھریاں پڑ گئیں اور ان کے چہرہ میں کچھ وسعت
ہوئی۔ اور ذرا غور کرنے سے میں سمجھ گیا کہ یہ حرکت
ہے جسے بہت مبالغہ کے بعد تبسم کہا جا سکتا ہے۔

وہ۔ (سگریٹ پیش کرتے ہوئے) آپ کس جماعت
میں تعلیم پاتے ہیں۔

میں۔ معافی چاہتا ہوں۔ مجھے اس کی عادت نہیں
میں ایف۔ ایس۔ سی میں ہوں اس کے بعد پھر ایک
خاموشی طاری ہو گئی اتنے درمیان میں ٹرین شاید
غازی آباد کے اسٹیشن پر ٹھہر گئی۔ اور میں خدا کا لاکھ لاکھ
شکر بھیجتا ہوا کہ ایک بلا سے پیچھا چھٹا پلیٹ فارم
پر ٹہلنے کے لئے اتر پڑا۔

جب ٹرین نے سیٹی دی تو میں اپنے ڈبے میں
چڑھ گیا۔ دو نئی صورتیں اور نظر آئیں۔ ایک تو نوجوان
لڑکا تھا۔ اور دوسری "برقعہ" پر سر پہ سبز شال ڈالے
مخملی اور کوٹ پہنے ایک خاتون بیٹھی تھیں۔

تھوڑی دیر تک حمید سے اور ان صاحب سے
جو ابھی آئے تھے گفتگو ہونے لگی۔ پھر اس کے بعد حمید نے
مجھ سے کہا" آپ سے ملو آپ کا اسم گرامی علی جواد
ہے۔ اور آپ کو شعر کہنے میں کمال حاصل ہے۔ میں ہاتھ
بڑھاتے ہوئے کہا مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔
(اس کے ساتھ انہوں نے دانت نکال دئے اور سر
ہلایا۔ میں سمجھ گیا یہ خوشی کا اظہار کر رہے ہیں)۔

حمید۔ (جواد صاحب سے) ہاں صاحب پھر کچھ ارشاد ہو
وہ۔ کیا عرض کروں۔ شاعری کیا کرتا ہوں۔ بس
تک بندی کر لیتا ہوں۔ فضول آپ کی سمع خراشی ہوگی۔
حمید۔ اجی نہیں صاحب کمال کیا۔ آپ تو شرمندہ
کرتے ہیں۔

میں سمجھ گیا جس مصیبت سے ڈر رہا تھا
وہ آہی گئی جواد صاحب نے اپنی جیب میں سے

ایک نوٹ بک نکالی۔ اور [illegible] سے غور سے اپنی بائیں طرف دیکھا۔ اور بڑی کوشش کے بعد میں نے یہ طے کیا کہ انہوں نے اُس خاتون کی طرف دیکھا تھا۔ جس کا گندمی رنگ بجلی میں بہار دے رہا تھا وہ کچھ مسکرائے اور اپنی باتوں میں نوجوانی اور مستی کی ساری ادائیں اور شوخیاں پیدا کر رہے تھے۔

جب میں یہ دیکھا فوراً کمبل لے اور اوپر کی برتھ پر دراز ہوگیا۔ اور جب اُن کی آواز نے میرے کان تک رسائی کی تو میں گھبرا کر فوراً دونوں ہاتھ سے اپنے کان بند کر لئے مگر پھر بھی گھون گھون آواز ضرور آرہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُن کا یہ جوش و خروش ختم ہوا۔ اور وہ کھانستے ہوئے کھڑکی کی طرف آئے میں نے اپنے ہاتھ کانوں پر سے ہٹا لئے۔ اور سمجھا کہ یہ سمع خراشی اب ختم ہوگئی مگر وہ آتے ہی پانی کا ایک گلاس چڑھا گئے۔ اور حمید سے جھومتے ہوئے کہنے لگے۔

وہ۔ اگر اجازت دیجئے تو میں شعروں کو لحن سے پڑھوں"۔ بس سنتے ہی میری تو روح ہی نکل گئی۔ مگر ان کو ذرا الّو بنانے کے لئے (ہنسی کو روکتے ہوئے) میں نے کہا "جی ہاں ضرور۔ لطف دوبالا ہو جائیگا۔

اس کے بعد انہوں نے گنگنانا شروع کیا۔

اور پھر آواز اٹھا کر کچھ ٹوٹے پھوٹے اشعار کہنے لگے گلے کی ساری نسیں جو سخت کا ہیں دبی ہوئی تھیں پھول گئیں۔ آنکھیں زور پڑنے سے اور بھی برائے نام ہوگئیں۔ گال کے گڑھے اور زیادہ نمایاں ہوگئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے بط کی گردن مروڑ ڈالی ہے۔ اور وہ بے تحاشہ چیخ رہی ہے۔ مجھ سے ہنسی ضبط نہیں ہوئی اور مجبوراً اپنا منھ دوسری طرف پھیر لیا۔ سبز شال والی خاتون شال کے آنچل سے اپنا منہ چھپا کر خوب دل کھولکر ہنس رہی تھی۔ اور ہمارے محترم جوّاد صاحب کو اسکا یقین ہوگیا کہ ان کی آواز کی موسیقیت آج کامیاب ہوگئی۔

اس میں دراصل کوئی دل مسحر کر دینے والا عنصر ضرور تھا۔ جس طرح ٹرین کی آواز بڑھتی جارہی تھی ویسے ہی رفتہ رفتہ کسی کی مسکراتی ہوئی آنکھیں جوّاد صاحب کی ہمت افزائی کرتی جاتی تھیں۔ اور ان کی آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ انھیں شاید یہ معلوم تھا کہ فن موسیقی کا کمال آواز کا اتار چڑھاؤ ہے چنانچہ انہوں نے تانیں لگانا شروع کر دیں۔ اور واقعی پہلے تو میں یہی سمجھا کہ یہ سردی سے کانپ رہے ہیں۔ اسلئے آواز میں اس قدر لرزش ہے۔ لیکن بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنا کمال دکھانے کی سعی لاحاصل میں مصروف تھے۔ حمید معصوم معصوم کر تعریفیں کر رہا تھا۔

اور مجھے یاد آگیا کہ ان تعریفوں میں کالج کی شرارت زیادہ شامل ہے ــــــــ

ہمارے موسیقی کے ماہر فن معلوم نہیں کب تک گاتے رہے ــــــ مجھے نیند آگئی اور میں سو گیا غنودگی کی حالت میں کبھی تو انجن کی کرخت سیٹی اور کبھی جواد صاحب کی اسی قدر دلخراش آواز کا احساس ضرور ہوتا تھا۔ لیکن قہر درویش بجان درویش۔ میں جانتا تھا کہ یہ سب کیا دھرا حمید کا ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو حمید اور جواد صاحب میں بڑے جوش و خروش سے بحث ہو رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سنتا رہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ اگر میں اٹھ بیٹھا تو خواہ مخواہ ان کی بحث میں شرکت کرنی پڑیگی۔

حمید۔ جس تعلیم سے اس کا اصل مقصد فوت ہو جائے اُس تعلیم سے کیا فائدہ ــــــــ ؟

ج ۔ (گرم ہو کر طیش کے ساتھ) واہ! خوب۔ انھیں خیالات نے تو ہندوستان کی حالت خراب کر دی ہے ــــــــ

ــــــــ مغربی تعلیم کا یہی انجام ہے کہ آپ کے خیالات اسقدر دقیانوسی ہوں۔ آپ کو ہندوستان کی موجودہ حالت پر غور کرتے ہوئے کم از کم ایسی باتیں تو نہ کرنا چاہئے۔ گھروں کی چار دیواریوں میں ــــــــ ہاں!

ــــــ عورتوں کو بند رکھنے سے ہم صرف ان کے جذبات ہی کو مردہ نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کی ترقی کی ساری صلاحیتوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ وہ دنیا سے بالکل بے خبر رہتی ہیں۔ ایک ہی مکان میں برسوں تک قید رہنے سے ان کی تندرستیوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ وہ دق اور سل کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ ان کے قویٰ مُعطل اور ان کے ذہن کُند ہو جاتے ہیں۔ ان کی دماغی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں یورپ کو دیکھئے۔ وہاں کی ترقیاں دیکھئے اور دیکھئے اس میں عورتوں نے کسقدر حصہ لیا ہے۔ علمی اور ادبی دنیا میں انہوں نے شہرت حاصل کی ہے۔ سوسائٹی میں انہوں نے کسقدر دلچسپیاں پیدا کر دی ہیں۔ ــــــ تمام فنون میں انہوں نے امتیازی حیثیت حاصل کی ہے وہ اپنے خاوندوں پر بار نہیں ہوتیں بلکہ ان کی مدد کرتی ہیں ــــــــ

(سیٹ پر زور سے گھونسا مارتے ہوئے ذرا اور پُر جوش لہجے میں) کیا وجہ ہے کہ ہم ان پر اسقدر ظلم کریں ہم کو کیا حق ہے کہ اُن کے جذبات کا اسطرح خون کریں۔ کیا ان کے پہلو میں دل نہیں ہے۔ کیا ان میں جذبات اور حوصلہ نہیں ہیں؟ کیا آپ ہی کو حق ہے کہ آپ جیسا اور

تعبیروں میں وقت صرف کریں۔ ملک کی تمدنی معاملات میں دلچسپی لیں۔ شاعری کریں۔ فسانہ نگاری میں کمال حاصل کریں؟ اور وہ ان سب سے محروم رکھی جائیں۔؟ خوب انصاف ہے! اور آفرین ہے۔ آپ کی بلکہ آپ لوگوں کی ذہنیت پر۔

جواد صاحب اپنے پورے جوش پر تھے معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ستار کے خاموش تار کو بہت زور سے چھیڑ دیا ہے۔ آجکل کے مشہور ہندوستانی لیڈروں کی طرح ہاتھ اٹھا اٹھا کر خفا ہو رہے تھے اور بحث کر رہے تھے۔ آنکھیں دہک رہی تھیں ہونٹوں کے کونوں پر جھاگ آگئی تھی۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں اوپر کی سیٹ سے نیچے کود پڑا ——

میں۔ جواد صاحب آپ اسقدر برافروختہ کیوں ہوئے جاتے ہیں۔ مجھ سے فرمائے آپ کو کیا شکایت ہے۔ شاید میں آپ کو مطمئن کرسکوں۔ میرے خیال میں جو موضوع زیر بحث ہے۔ وہ اسقدر فرسودہ ہے کہ اس پر کوئی رائے قایم کرنا دریا میں ایک چلو پانی ڈالنا ہے۔ آپ کیا فرما رہے تھے۔؟

وہ۔ مجھ سے اور حمید صاحب سے عورتوں کی تعلیم پر بحث شروع ہوئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہندوستانی عورتوں کو تعلیم کی ضرورت ہے تاکہ وہ ملک، قوم، سوسائٹی اور اپنے شوہروں کی مدد کرسکیں۔ حمید صاحب بگڑ بیٹھے اور اس میں مجھ سے اختلاف کرنے لگے۔

میں۔ اور میرے خیال میں حمید کی بات صحیح ہے۔

وہ۔ (ہنس کر) صحیح ہے۔ خوب! آپ بھی اسی خیال کے نکلے —— اور کیوں نہو۔۔۔۔

میں۔ آپ کو حمید سے اختلاف کیوں ہے؟

وہ۔ اسلئے اتفاق نہیں ہے ان کی رائے ہے۔ کہ عورتوں کو تھوڑی تعلیم دینا کافی ہے۔ یعنی میٹرک تک۔ بس اتنی تعلیم کے بعد وہ ملک و قوم کی مدد کرسکیں گی۔

میں۔ اور آپ کس تعلیم کی حمایت کر رہے ہیں!؟

وہ۔ میرا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ ان میں ترقی کی صلاحیت پیدا ہو۔ ان کے خیالات میں وسعت و آزادی ہو۔

میں۔ (مسکرا کر) تو اس سے آپ کو کون روکتا ہے آپ شوق سے ان میں یہ باتیں پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ ان کا دائرہ خیال وسیع کیجئے۔ لیکن ان میں بیجا آزادی نہ آنے پائے۔ بیجا آزادی سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ فطرت اور اخلاق کے خلاف عمل نہ کریں۔ آپ یورپ کی ذہنی ترقی کی تعریف کے پل باندھ رہے ہیں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ وہاں کی ذہنی ترقی اقتضائے فطرت کے خلاف ہے۔ اور بجائے اسکے

کہ وہ نظام تمدن کے لئے مفید ثابت ہو مضرت رساں ہے۔ اور اپنے اصل مقصد یعنی ہمدردی واخوت کے بجائے بغض وعناد فریب وحیلہ وسیاہ کاری سکھاتی ہے۔ خود یورپ کے بڑے بڑے سنجیدہ دماغوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ ——

—— اس لئے یہ ظاہر ہے کہ ہم یورپ کی تقلید کرکے اپنا در مقصود حاصل نہیں کرسکتے۔ اس سے کیا حاصل کہ "کوا چلے ہنس کی چال اپنی چال بھول جائے"

اگر عورتوں کی آزادی سے آپ کا یہ مطلب ہے کہ عورتیں بی۔ اے اور یم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کریں بڑے بڑے پبلک مجمعوں میں تقریریں کریں۔ بکٹنگ میں حصہ لیں۔ ناول وافسانہ نگاری میں کمال حاصل کریں۔ شاعری میں مہارت پیدا کریں۔ مرد کے دوش بدوش ترقی کریں تو میں آپ کا ہم خیال نہیں ہوسکتا۔ عورت اور مرد میری رائے میں دو غیر جنس ہستیاں ہیں۔ لہذا ان میں یکسانی نہ ہونی چاہیئے۔ اگر مرد اور عورت بالکل ایک سے ہو جائیں تو دنیا بے رنگ ہو جائیگی مردوں کا اگر یہ کام ہے کہ وہ قوم کے لیڈر یا کونسل کے ممبر بنیں یا پارلیمنٹ میں زبردست تقریریں کریں تو عورت کا یہ فرض ہے کہ ان میں ایسے کام انجام دینے کی صلاحیت پیدا کرے

اور اس کو دوسرے پہلو سے دیکھے کہ اگر مرد اور عورت ایک ہی نوعیت کے کام انجام دینے کے لئے پیدا کئے گئے ہوتے تو دونوں کی جسمانی ساخت اور نفسانی میلان ایک ہوتا۔ لیکن قدرت نے تفریق کردی ہے —— مرد کی جسمانی ساخت صاف بتاتی ہے کہ وہ محنت وجفاکشی اور سختیاں برداشت کرنے کے لئے بنا ہے اور . . . .

وہ۔ یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے۔ بہت سی ایسی عورتیں ہیں جنھوں نے مردانہ کاموں میں برابر حصہ لیا ہے۔ وہ ٹینس کھیلتی ہیں۔ ریس میں گھوڑے دوڑاتی ہیں۔ پولو وغیرہ کھیلتی ہیں۔ اور —— اور —— ہیں۔ جی ہاں۔ صحیح فرماتے ہیں آپ۔ لیکن میں ان چند عورتوں کو اسی قدر قابل تعریف سمجھتا ہوں جتنا ان چند مردوں کو جنھوں نے کمزور ہو کر اپنے اوپر نسائیت طاری کرلی ہے۔ اور اس کے برخلاف عورتوں کی فطرت کا تقاضہ نرمی اور امداد ہے۔ اس لئے کہ مرد کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون باعث سکون وتسلی ہوسکتا ہے۔

وہ۔ (زچ ہوکر) لیکن اگر گستاخی معاف فرمائیں تو میں بھی یہ عرض کروں کہ اگر وہ باہم مل کر زندگی کے فرائض انجام دیں تو کوئی گناہ ہے —— ؟

میں۔ گناہ تو نہیں۔ لیکن ایک ناقابل معافی غلطی ہے
شوہر دن بھر کی محنت کے بعد تھکا ہوا شام کو گھر
واپس آتا ہے۔ اور اس کی بیوی بھی کسی دفتر وغیرہ میں
کام کر کے لوٹتی ہے۔ دونوں خستہ و مضمحل۔ دونوں
کی روحیں حقیقی آسائش کی پیاسی ہیں۔ لیکن دونوں
تکان سے چور ہو کر سو رہتے ہیں اور صبح ہوئی کہ پھر
وہی رٹ اس کا کیا ہوگا۔ آپ ذرا غور تو کیجئے
سوائے اس کے کہ ان کی تندرستیاں خراب
ہو جائیں گی اور ان کے دماغ تھوڑے عرصہ میں
بیکار ہو جائیں گے۔

وہ۔ لیکن اس سے آزادی نسواں کیوں کر ممنوع
قرار دی جا سکتی ہے؟

میں۔ ابھی عرض کر چکا ہوں کہ عورتوں کے لئے
وہ آزادی حرام ہے جو ان کو اپنے فرائض فطری سے غافل
کر دے۔ بیجا آزادی ہے۔ اور موجودہ اسکول اور
کالج کی تعلیم اس قسم کی آزادیاں پیدا کر رہی ہے۔
تعلیم نسواں سے شاید آپ کا مطلب ہے کہ لڑکیاں
بھی بی۔ اے اور ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کریں
مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ لڑکیاں انگریزی تعلیم
حاصل کریں اور وہ تمام مضامین پڑھیں جو مدارس کے
نصاب میں داخل ہیں۔ میں صرف اس تعلیم کے خلاف
ہوں جو کالجوں اور اسکولوں میں دی جاتی ہے
جو لڑکیوں کو بالکل خود سراز کار رفتہ بنا دیتی ہے
وہ خود کو مرد کے برابر سمجھنے لگتی ہے: "عورت"
جس کے سر قدرت نے امور خانہ داری کا بار
ڈال کر اس کو گھر کی ملکہ بناتا ہے وہ اس سے بیگانہ
ہو جاتی ہے۔

وہ۔ (تعجب کے ساتھ) افوہ ...... حضرت
تعلیم سے بیجا آزادیاں کیسے پیدا ہو سکتی ہیں۔ آپکے
تو اصول دنیا سے نرالے معلوم ہوتے ہیں۔

میں۔ ایک بڑے فلاسفر (Philosopher.
اسکر وائلڈ کا قول ہے "وہی باتیں زیادہ مشکل
معلوم ہوتی ہیں جو بہت آسان ہوتی ہیں"۔ اور
آپ کو بھی اسی آسان اور دشواری کے نہ سمجھنے کی
شکایت معلوم ہوتی ہے ——— !!

سب سے پہلے اس قسم کی تعلیم نسواں کا یہ اثر
ہوتا ہے کہ تعلیم کی ابتدائی حالت ہی میں ان کے دلوں
میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ مرد ظالم ہوتے ہیں اور ہماری
حق تلفی کرتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ اس تعلیم کا نہیں ہے
بلکہ اس ماحول کا ہے جہاں وہ تعلیم حاصل کرتی ہیں
وہاں ان کو اسی قسم کی سوسائٹی ملتی ہے جو زندگی کو
آزاد نظروں سے دیکھتی ہے۔ جو اخلاقیات کو مہمل

اور بیکار خیال کرتی ہے۔ اور جس کی تہذیب و شائستگی
کا معیار خوبصورت اور عریاں لباس پہننا اور نئی
نئی وضع کی آرائش کرنا ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے
کہ وہ بدنصیب لڑکیاں جو اس دائرہ میں رہتی ہیں
انھیں بھی یہی خواہش ہوتی ہے۔ ان میں چند ایسی
بھی ہوتی ہیں جن کے بیجا مصارف ان کے والدین
برداشت نہیں کر سکتے اور یہ پہلا ثبوت ہے۔ جو
انہیں اپنے اس خیال کے مستحکم کرنے میں مدد دیتا
ہے۔ کہ "مرد ظالم ہوتے ہیں"۔ والدین سے بغاوت
یہاں ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے
کے بعد جب وہ اس زندگی سے فارغ ہو جاتی ہیں۔
تو یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ اب ہم میں نیک و بد کے تمیز
کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس لئے وہ نئے خیالوں
کی زیادہ دلدادہ ہو جاتی ہیں۔ رسوم اور پابندیوں کو
وہ پرانے زمانے کی مہمل باتیں سمجھنے لگتی ہیں۔ آزادی کا
بھوت سر پر سوار ہوتا ہے۔ یورپ کی نسوانی زندگی کے
اصول ان کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ نکاح وغیرہ کے
مسئلہ میں وہ اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہیں۔ ان کی
یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ خود شوہر کا انتخاب کریں

وہ۔ (طنزاً) اور انتخاب کرنا گناہ کبیرہ ہے۔
کیوں حضرت ــــــ؟

(کچھ سوچ کر اور ذرا تیز ہو کر) ارے بھئی یہ تو شرع
میں بھی تو جائز ہے۔ کہ وہ کم از کم اپنے شریک زندگی
کو دیکھ لیں۔

میں۔ اور انتخاب کرنے میں ان سے ایسی غلطی
ہوتی ہے۔ کہ وہ عمر بھر پشیمان رہتی ہیں۔

وہ۔ (میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے) یعنی۔۔۔۔

میں۔ کالج کی سوسائٹی اور وہاں کی فضا سے متاثر
ہو کر وہ رومان پسند (Romantic)
ہو جاتی ہیں۔ ان کے دل میں کسی ناول، کسی ڈرامہ
یا سینما کی ہیروین بننے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ان کو
اپنی آیندہ زندگی کی بابت میٹھے میٹھے اور رنگین خواب
دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا دل امیدوں اور تمناؤں
کا تصویر خانہ بن جاتا ہے۔ اور وہ اپنی آیندہ مسرتوں
کے خواب دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ اپنے
جذبات کی طوفانی موجوں سے خوب شکست کھاتی
ہیں۔ اور پہلے شخص سے جو ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے
یا ان کی عیش پسند زندگی کا ہیرو بننے کے قابل نظر
آتا ہے تو وہ اپنی ساری تمنائیں اور آرزوئیں اس
سے وابستہ کر دیتی ہیں۔ محبت کی آگ رفتہ رفتہ
بڑھنے لگتی ہے اور فریقین حالت بے اختیاری میں
ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔ ایک

نشہ کی حالت میں ایک دوسرے کی بیجا عادتیں بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے عیوب دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ عارضی سرگرمی و جوش ختم ہو جاتا ہے۔ اور تمناؤں کی رنگین قوس قزح غائب ہو جاتی ہے اور دونوں کی روحیں حقیقی موانست کی متلاشی ہوتی ہیں۔ تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم جسے دارو‌ئے دل سمجھتے تھے وہ عذاب جان تھا۔

اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگلے زمانے میں بھی تو آخر عورتوں کی تعلیم کا رواج تھا۔ لیکن شاید آپ مشکل سے ایک مثال بھی ایسی پیش کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حقیقی فرائض کو خیرباد کہہ دیا ہو۔ اس لئے میں برابر یہی کہونگا کہ **موجودہ نصاب طرز تعلیم اور تعلیمی ماحول یقیناً** مضرت رساں ہے نہ کہ نفس تعلیم۔

اس پر جوآدصاحب پیڑول کے پیپے کیطرح بھڑک اٹھے چہرہ غصہ اور پشیمانی سے آگ بھبوکا ہو گیا۔ توبہ توبہ وہ تو اس فاقہ کش کی طرح معلوم ہو رہے تھے جسے کھانا ملنے میں صرف تھوڑی دیر باقی ہو۔

وہ۔ لیکن ہر شخص پر ماحول کا اثر یکساں نہیں پڑتا۔ کوئی ضروری نہیں کہ تمام لڑکیوں کی فطرت ایک ہی ہو۔ فلسفہ تو یہی کہتا ہے۔

میں (ہنسکر) فلسفہ ——— میرا تو ——— یہ خیال ہے کہ جب گناہ کرنے کے بعد لوگ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم برحق ہیں تو وہ فلسفہ کی پناہ میں آجاتے ہیں۔

وہ۔ تو آج کل کے سب احمق ہیں اور وہ لوگ جو ان کے نظریات کے قائل ہیں وہ بھی بیوقوف تو پھر دنیا میں عقلمند کون ہے؟ آپ کو میں بتاتا ہوں کہ ایک جرمن فلاسفر کا قول ہے کہ عورت کی فطرت میں کبھی تغیر نہیں ہو سکتا اس لئے میرے خیال میں اگر کسی عورت کی طبیعت پاک ہو تو دنیا کی تمام دلفریبیاں اسکو راہ راست سے دور نہیں کر سکتیں۔

میں۔ اگر آپ کی زندگی کے تمام اصول چند اقوال پر مبنی ہیں تو آپ بہت قابل تعریف ہستی ہیں۔ اس طرح تو میں بھی اقوال پیش کر سکتا ہوں کیا آپ کو نہیں معلوم کہ جناب شکسپیر علیہ الرحمتہ آج سے تین صدی قبل کیا ارشاد کر گئے ہیں۔ "ہملٹ" میں ایک جگہ کہتے ہیں "عورت تیرا نام کمزوری ہے۔" ——— عورت کیا ہے؟ وہ فطرت کا ایک رنگین غبارہ ہے۔ جس میں قدرت کی ساری لطافتیں اور نرمیاں جذب ہیں۔ وہ ایک نازک

دل رکھتی ہے جو از حد اثر پذیر ہوتا ہے ــــــ "

وہ ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ کی صنف نازک کی ذہنی اور اخلاقی ترقی دراصل ترقی نہیں بلکہ تنزل ہے۔

میں ۔ یقیناً کمال تنزل ہے۔ آپ نے سنا نہیں کہ یورپ میں ماما حوا نے بابا آدم پر حق زن و شوہر کا دعویٰ کر دیا تہا۔ اور ڈگری ماما حوا ہی کو ملی مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس میں کچھ شک نہیں ہوگا اسلئے کہ آئے دن اخباروں میں ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔

اچھا سنو ۔ ان کو یہ حقوق ملے ہیں کہ عورتوں کے معاملات میں۔ ان کی طرز معاشرت میں انکی دلچسپیوں میں ان کی تفریحات اور مشاغل میں مردوں کو خلل انداز کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ کھلیں جائیں۔ کچھ کریں مردوں کو اس سے کچھ غرض نہونی چاہئے۔ شوہر پر فرض ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا تین چوتھائی حصہ بے چون و چرا بیوی کو دیدے اور بیوی اسے جس طرح چاہے تصرف میں لائے ــــــ

اگر آپ کو ثبوت چاہئے تو لیجے یہ اخبار اور آپ خود پڑھ لیجئے کہ اسنے یورپ کے متعلق کیا رائے قایم کی ہے۔ ــــــ ؟

وہ ۔ یورپ کی اعلیٰ سوسائٹیوں کے ارکان جو رسوم کی قید سے آزاد ہونے کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ایک عرصہ تک "فطرت" اور اسکی "حقیقت" پر سرگرم تحقیقات کرتے رہے۔ اور اب انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انسان کو وہی وضع اور طرز معاشرت اختیار کرنی چاہئے۔ جو یونان میں زمانہ بت پرستی میں عام تھی۔ لوگوں کو لباس سے نفرت تھی"۔ چنانچہ پرس کے تھیٹروں کے اسٹیج پر آپ کو ایسی ہستیاں بھی دکھائی دینگی جو اس اصول پر انتہائی صدق دلی سے عمل کر رہی ہیں۔ یہ ہے معراج ان کی تہذیب کا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے نئے تعلیم یافتہ تہذیب مغرب کے دلدادہ اگر کچھ عرصہ تک ایسا ہی پروپیگنڈا کرتے رہیں تو ہندوستان بھی ایک دن ایسی حالت پر پہنچ جائیگا۔

وہ ۔ آپ تو بہت مبالغہ سے کام لے رہے ہیں یہ تو آزادی کی انتہا ہے۔ ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہے ہندوستان میں جہاں اس قدر مذہبیت ہو کبھی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا۔

میں ۔ (ہنسکر) خوب! آپ کی باتیں کس قدر معصومانہ اور بھولی بھالی ہیں۔ کیا یورپ میں مذہبیت نہیں تھی۔ کیا وہاں کی زمین اس بات سے انکار کر سکتی ہے۔ کہ اس میں ہزاروں پروٹسٹنٹ اور رومن

کیتھولک (Protestent & Roman Catholics.)

مذہبوں پر جان دینے والوں کا خون جذب نہیں ہے،

بھائی صاحب یہ تو تاریخی واقعہ ہے۔

آپ ضرور جانتے ہونگے۔ ذرا میرے سوالات کا جواب تو دیجئے۔ کیا یورپ میں جہاد نہیں ہوئے؟ کیا وہاں صرف مذہب کے معاملات میں زبردست اور ہزاروں جانیں تلف کر دینے والی لڑائیاں نہیں ہوئیں۔ لیکن یہ کہئے کہ مذہب اور اس کی تبلیغ کے دور کے بعد آہستہ آہستہ آزادی اور روشن خیالی کی وبا پھیلنا شروع ہوئی۔ کیا اس زمانے میں کسی کو خواب میں بھی یورپ کی یہ زبردست ترقی دکھائی دی تھی ——— ؟

دنیا کا ایک بہت بڑا سیاست دان لکھتا ہے کہ "انسان کے خمیر میں حرص و ہوا شریک ہے اسے کبھی اس چیز سے تسکین نہیں ہوتی جو اُسے مل جاتی ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ اُس سے زیادہ حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس میں یہ مادہ نہو تو وہ انسان ہی نہیں"

وہ خاموشی سے میرا منہ دیکھ رہے تھے۔ اور بالکل بے حس و حرکت تھے۔ ان کی حالت بالکل اُس شخص کی سی تھی جسے فوٹوگرافر خاموش کر کے بٹھا دیتا ہے،

اور جدھر چاہتا ہے کٹ پتلی کیطرح اس کا منہ موڑ دیتا ہے میں۔ آج سے دو سو برس پہلے ہندوستان کے باشندوں کو کبھی آزادی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا لیکن ان کے دلوں میں ایک مرتبہ جب یہ خیال پیدا ہوا انہیں اپنی کمزوری محسوس ہوئی تو آزادی کی خواہش کے جراثیم پھیلنا شروع ہو گئے۔ غدر ہوا۔ ان کو ارشن ہوا۔ نمک کی تحریک ہوئی۔ اور اب ہماری کوشش اس وقت تک ختم نہو گی جب تک ہم پوری آزادی حاصل نہ کر لیں گے۔ اور میں آپ ہی سے اور آپ جیسے مغرب زدہ تمام لوگوں سے یہ عرض کرتا ہوں کہ خدا کے لئے ایسی تحریک میں حصہ نہ لیں۔ جس کے انجام اور انتہا کا نمونہ مغرب میں پیش نظر ہے۔

اتنے میں ٹرین رکنے کے آثار معلوم ہونے لگے رفتار دھیمی ہو گئی۔ اس وقت ڈیڑھ کا عمل تھا۔ اسلئے ایکے علی گڈہ کا اسٹیشن تھا۔ جواد صاحب کو بھی شاید بڑی شدت کے ساتھ اس کا احساس ہوا کہ عذاب سے ان کی جان بچی اور اس پر شاید وہ دل میں خوش بھی ہوئے ہوں۔ لیکن جس بات نے ان کے چہرے کو زیادہ دلچسپ بنایا تھا۔ اس کا تعلق

اس نازک ہستی سے پتا جو باتیں سنتے سنتے سو گئی تھی۔ اور ٹرین رکنے کے شور میں اس کی بڑی بڑی آنکھیں دفعتاً خمار اور نیم باز حالت میں بیدار ہو کر شراب بہانے لگیں۔ اور اس کے بالوں کی نہیں لٹیں بکھر کر اس کے ماتھے پر بل کھا رہی تھیں۔ جواد صاحب کو اپنی آیندہ غزل کے لئے اچھا خاصا سامان مل گیا تھا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ دنیا میں مغالطہ بھی ایک دلچسپ لیکن تکلیف دہ مرض ہے۔ وہ گھڑیاں مجھے یاد ہیں۔ جواد صاحب نے اس بہانے سے کہ وہ سگریٹ نکال رہے ہیں ہم لوگوں کی نگاہ بچا کر سگریٹ کیس کے آئینہ میں آخری مرتبہ جلدی سے اپنی صورت دیکھی بکھرے بال ہاتھ سے درست کئے اور اپنے جسم میں تمام مصنوعی لطافتیں اور بوڑھی شوخیاں یکجا کر کے اپنے شباب و توانائی کے ثبوت میں خلاف معقول سینہ اٹھا کر مجھ سے کہنے لگے جس پر مجھے اور حمید کو بڑی زور کی ہنسی آئی۔ میں تو جبراً اسکو روک لیا۔ مگر حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"مرزا صاحب مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے دلائل سے پوری طرح متفق نہ ہو سکا۔ لیکن میں یہ ضرور کہونگا کہ اگر ... آپ میرے ساتھ رہتے تو واقعی مجھے ... لڑنے چھوڑتے۔ امید ہے کہ آپ میری غلطیاں معاف کریں گے۔"

گاڑی پلیٹ فارم پر رک گئی۔ میں اور حمید جواد صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے اور اس سبز شال والی پر نظر ڈالتے ہوئے گاڑی سے اتر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی نے سیٹی دی اور آہستہ آہستہ پلیٹ فارم چھوڑتی ہوئی غائب ہو گئی جب تک گاڑی نظر آتی رہی جواد صاحب رومال ہلاتے رہے اور سبز شال والی صاحبہ جھانکتی رہیں ——————

اور ہم ع۔ روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد کہتے ہوئے "بورڈنگ ہاؤس" روانہ ہوئے۔

(مرزا) محمد علی خاں (علیگڈھ)

خواتین کی نذر عقیدت

اپنے "محبوب تاجدار" کے حضور میں ؟

"سفینہ" کی آیندہ اشاعت "سالگرہ نمبر" ہوگی اور اس مختصر ہدیہ کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے کی عزت حاصل کیجائیگی۔ حصہ نظم کیلئے ذیل کی طرح قرار دیگئی ہے۔

ہے۔ گرہ کے جشن نے پھر رنگ بوستاں بدلا

جملہ مضامین (نظم و نثر) ۱۹ جمادی الثانی م ۶ سمر اکتوبر تک دفتر ہذا پر پہونچ جانے چاہیئے۔

منیجر

خمسہ بر غزل مولانا ظفر علیخان

از محترمہ بنت ڈاکٹر عبد الرب صاحب (گلبرگہ)

جاگ او شاہوں کے شاہنشاہ اسر تاجوں کے تاج ۔ اُٹھ خدا کے واسطے اُٹھ پوچھ مسلم کا مزاج
سُن خدا کے واسطے سُن میری بپتا رکھ لے لاج ۔ جاگ او یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تیری امت کا راج

تھیں جہاں میں آفتیں جتنی وہ مسلم نے سہیں ۔ جو نہ سہنے کی تھیں باتیں وہ بھی غیروں نے کہیں
بیٹھنے ان کو نہیں ہے ایک چپہ بھر زمیں ۔ سر چھپانے کا ٹھکانا بھی انہیں ملتا نہیں
جنکی ہیبت لے چکی ہے ایک عالم سے خراج

دور ہے ہم سے عطا ہم پر خفا رب جلیل ۔ ہائے اب اپنے سنبھلنے کی نہیں کوئی سبیل
کام کرنا ہے بہت اور وقت ہے بالکل قلیل ۔ تیرے بچے ہو رہے ہیں سارے عالم میں ذلیل
کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج ؟

ہاں خدا کے واسطے اے ساقیٔ کوثر کرم ۔ اک نگاہ لطف ہو جائے اِدھر اے محتشم
پھر عطا کر دے ہمیں ملک و سپہ طبل و علم ۔ ہم ہیں ننگے سر اُٹھ اے شان عرب آن عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوت کبریٰ کا تاج

دن بدن بڑھتا چلا ہے اقتدار اغیار کا ۔ کوئی بھی پرساں نہیں مسلم کے حال زار کا
آ خدا کے واسطے موقع نہیں تکرار کا ۔ اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج

(مزاحیہ رُوداد)

"ہمارا پہلا سفر"؟

از جناب اختر قریشی صاحب (مُدیر معاون)

نوٹ:- آج پہلی دفعہ "سفینہ" مزاحیہ مضامین پیش کر رہا ہے آیندہ بھی کوشش کیجائیگی کہ اسکا سلسلہ قایم رہے صرف ایسے ہی مضامین شریک ہوسکیں گے جو عریانی کو لئے ہوئے نہ ہوں اور جن سے صرف اصلاح معاشرت مقصود ہو خواتین کے مضامین جو مزاحیہ رنگ میں ہوں خصوصیت سے شکریہ کے ساتھ قبول کئے جائینگے۔ "ادارہ"

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو — اُٹھو! تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو

بڑھاؤ تجربے "اطراف دنیا" میں سفر سیکھو — خواص خشک و تر سیکھو، علوم بحر و بر سیکھو

وہ۔ تو خدا بھلا کرے "شیخ جی کا" یا یوں کہئے کہ مرنے کے بعد خدا مغفرت کرے کہ اُن کے اصرار پر بہ ارادہ سفر ہم بھی نکل پڑے۔ یوں تو پہلے ہی سے کچھ ہمارا بھی خیال تھا مگر جس دن سے حضرت اکبر کا یہ مصرعہ کہ ع

"بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو"

نظر پڑا بس ہم نے بھی اپنے خیال کو ارادہ کامل سے بدل لیا۔ اور یہ ٹھان لی کہ آفتاب بجائے دن کے مات کو ہی کیوں نہ نکلے، مگر ہم سفر کرکے ہی چھوڑینگے۔!!

"سفر" اور وہ بھی ہم جیسے نازوں کے پالے ہوئے کا' کہ جن کا ایک آدھ گھنٹہ ہی گھر سے باہر رہنا گھر والوں کو پریشان کردینے کے مرادف ہوتا تھا۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا کہ ہم مدرسہ چلے گئے' وہاں دن بھر ہمیشہ کھیل کود میں ہی بسر ہوتا' مگر کبھی کبھی شام میں واپسی کے وقت دیر ہو جاتی۔ ہم کوئی گھریلو جانور از قسم چوپایہ تو تھے نہیں جو آفتاب کے غروب ہونے سے قبل اپنی قیام گاہ پر لوٹ آتے۔ اکثر یہ ہوتا کہ کسی دوست کے گھر جا ڈھلے'

اور غیب شب میں اپنا قیمتی اور اس غریب کا فضول وقت گذار دیا اور کوئی چھ سات بجے مکان پہنچے۔
کبھی یہ ہوتا کہ راستہ میں کوئی "بھائے خاں اور جمان بی" والا نظر پڑ جاتا، بس ہم وہیں رُک گئے۔ اور لگے ملاحظہ فرمانے۔ یوں تو ہمکو بی صاحبہ اور خانصاحب کی ہر ادا بھاتی تھی۔ مگر سب سے زیادہ جو چیز ہماری دلچسپی کا باعث ہوتی وہ "میاں بیوی" کی "نوک جھونک" تھی چونکہ ہم اللہ رکھے اس قابل ہوگئے تھے کہ بڑے آدمیوں میں بلا روک ٹوک ہمکو "نشست" (سیٹ) ملجاتی تھی۔ اسلئے یہ امر ذرا مشکل سے ممکن تھا کہ ہم غیر گھروں میں گھس کر اس بات کا مشاہدہ کرتے کہ "ازدواجی زندگی" کیسی ہوتی ہے اور وہ بھی ہندوستان کی —؟ اسلئے کہ یہ "کڑی منزل" یا "دشوار گزار راہ" ہمارے آگے بھی تھی اور ہے۔ نیز ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ کبھی اگر "ان" سے سہواً، عمداً یا اتفاقاً کوئی تکرار ہو جائے۔ یا کبھی "وہ" مذکورہ نوعیت کے ساتھ ہم سے جھگڑ بیٹھیں تو نئی روشنی کے اس دور میں ہمارے کیا اختیارات رہیں گے اور "اُن" کے کیا —؟ خدا بخشے ہمارے مولوی ڈارون صاحب کو، انہوں نے زمانہ ہوا بتلایا تھا کہ انسان یعنی "ہم اور آپ" حضرت بوزینہ کی اولاد سے ہیں ———!

اسواسطے میرے مشاہدہ کے لئے اس سے بہتر موقع اور کہاں مل سکتا تھا۔

ہم دیکھتے کہ "بھائے خاں" باوجود خانصاحب ہونے کے بی صاحبہ کے آگے ایسی چپ کی سادھتے کہ توبہ ہی بھلی، معلوم یہ ہوتا کہ بھیگی بلی دم دبائے بھاگے جارہی ہے۔ اور بی صاحبہ ہیں کہ بیر کی عزت ہاتھ میں لئے خانصاحب کا مزاج پوچھ رہی ہیں۔

ہم نے سُنا بیچارے خانصاحب کا قصور شاید صرف اتنا ہی تھا کہ بی صاحبہ نے کوئی فرمائش کی اور خاں صاحب باوجود بے روزگاری اور "مفلس کمپنی لمیٹڈ" کے "شیئر ہولڈر" ہونے کے فرمائش کی تکمیل نہ کرسکے۔ بی صاحبہ کی اس قدر برہمی اور خانصاحب کی ایسی بُری گت بنتے دیکھکر ہماری نظروں کے آگے ہندوستانی متوسط طبقہ کی ازدواجی زندگی کا منظر کھنچ جاتا۔ اگرچہ کہ ہم اس دردِ سری سے تا حدِ امکان دور ہی رہنا اپنی سلامتی کا باعث سمجھتے ہیں۔ مگر خواہ مخواہ ہمیں رشک ہونے لگتا کہ حقیقت میں کیا ہی سعادتمند شوہر ہے کہ بیوی بیر کی ہاتھ میں لے اور میاں کی گرد جھٹکے، اور میاں ہیں کہ ہر بار "تھینکس" کی رٹ لگائے چلے ہیں۔ واقعی سعادتمندی اسی کا تو نام ہے اور پھر میاں کا بگڑتا ہی کیا؟ خدا رکھے "اُن" کا وجود ہی

اگر نہ ہو تو ضرور ہے کہ کسی "ڈریسنگ سیلون" میں جا کر اسکے چار۔ آٹھ آنے خرچ ہی کرنے پڑتے تھے۔

—— تو بہ سہی بھلی ہم بھی عجیب آدمی ہیں کہ ہمیں اپنی سفر کی داستان سنانی ہے نہ کہ ہندوستانی ازدواجی زندگی پر تنقید۔ ہاں تو ہوتا یہ کہ ہم دیر سے گھر پہنچتے اور سنئے یہاں تو ہم بی صاحبہ اور خاں صاحبؒ کی خانگی زندگی میں اڑی ٹانگ ڈال کر اپنی معلومات میں اضافہ کرتے اور اُدھر گھر میں قیامت صغریٰ رونما ہوتی' ایک کہرام مچ جاتا' گلی کا کونہ کونہ چھان دیا جاتا۔ ہر وہ شخص جو گھر کے آگے سے گذرتا اُس سے پوچھا جاتا کہ میاں کیا تم نے ہمارے برخور دار کو کہیں دیکھا ہے۔ اور جب بدقسمتی سے وہ نفی میں جواب دیتا تو سمجھ جائیے کہ ہمارے راہیٔ عدم ہونیکا یقین ہو جاتا اور ہمارے غم میں مرثیہ خوانی شروع ہو جاتی' خدا رکھے اُن پانچ سات مسلمانوں کو جو ہماری پڑوس میں تھے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی وہ بطور اظہار ہمدردی' نہیں' ہمارے جنازہ میں شریک ہونے کے لئے جمع ہو جاتے اور جب یہ معلوم ہوتا کہ برخوردار یعنی ہم صبح میں مدرسہ تشریف لے گئے اشتہارات پر آدھا بج چکا گھر نہیں لوٹے' تو وہ ہماری اس گمشدگی پر اظہار افسوس کرتے اور اسی انداز میں گھر والوں کو تسلی بھی دے جاتے کہ لڑکا ہوشیار ہے گھبرانا نہیں' آجائیگا' ہے تو کم عمر ہی اور طبیعت میں لونڈاپن' ممکن ہے کہیں کھیل کود میں دیر ہو گئی ہوگی ——!!

لیجئے! ہم چلیں اپنی معلومات میں اضافہ کرنے' اور ان عقل کے اندھوں کو سوجھی تو یہ ——؟

خوب! معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی۔ "خیرہ کُن چمک" نے پہلے تو ان "سکنڈ ہیانڈ" لوگوں کے آنکھوں کی روشنی کو زائل کر دیا تھا۔ مگر اب ان کے دماغ بھی بگڑتے چلے ——

مگر نہیں' ہم غلطی پر ہیں' یہ ضرور دل میں ہندوستانی والدین کے اس بے ڈھنگے سے لاڈ پیار کو کوستے ہونگے .... اور بھی بات ہے بھی سیدھی' ہم نے بھی بارہا اس بارے میں غور کیا کہ آخر وہ بھی والدین ہیں۔ ان میں بھی پدرانہ شفقت اور ممتا کوٹ کوٹ کر بھری ہوگی جو اپنے برخورداروں کو علم حاصل کرنے کے لئے نہیں' کوئی ہنر سیکھنے کو نہیں ہرگز نہیں' بلکہ ملک و قوم کی خدمت کے لئے میدان جنگ کو بھیجواتے ہیں۔ اور اس خوشی سے رخصت کرتے ہیں جیسے ہمارے یہاں دلہن کو بیاہ کر لانے پر بھی اتنی خوشی کا اظہار نہیں ہوتا۔ ایک ہمارے پاس ہے کہ برخوردار مدرسہ تشریف لیجاتے ہیں تو امان جان کی دعاؤں پر قدم رکھتے ہوئے۔ ہاں تو ہوتا یہ کہ ہم جب گھر تشریف لاتے تو بالکل اُسی شان سے جیسا "ہیڈ اتھیشن"

یعنی استقبال کیا جاتا جس طرح کسی مردہ کے زندہ ہونے
پر ہوتا ہے بس اگر ہم پر ٹوٹ پڑتا۔ ایسے ہی جیسے کہ
"زیولوجیکل گارڈن" میں کوئی آفریقہ کا "جنگلی انسان"
آیا ہو۔ ہر ایک کی یہی خواہش رہتی کہ دیکھیں "میاں
برخوردار کی کوئی کل تو ٹیڑھی نہیں ہوئی"۔ کہیں کسی
"اکسیڈنٹ" سے کوئی ہاتھ یا پاؤں تو زخمی نہیں ہوا
جب ہر طرح اطمینان ہو جاتا کہ ہم مر تو ضرور گئے تھے
لیکن دم نہیں نکلا ——— اور اسی لئے پھر گھر
لوٹ آئے تو بارگاہِ ایزدی میں شکرانہ گذرانا جاتا۔
خیر کچھ بھی ہو۔ اس میں ہمارا اتنا تو فائدہ ہوتا کہ جی بھر کر
جلیبیاں اور قلاقند کھانے کو ہاتھ لگتی۔

خیر تو ہم کہنا یہ چاہتے تھے کہ ہماری اس ذرا سی
دیر کی جدائی گھر والوں کے حق میں جب ناقابل برداشت
تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ہمارے اس "طویل سفر" اور
پورے ایک عرصہ تک گھر سے باہر رہنے کو گوارا کر لیتے۔
بہ ہزار وقت اور بصد منت ہم نے کچھ الٹا اور کچھ سیدھا
سمجھا کر تمام کو راضی کر لیا۔

پھر کیا تھا۔ تیر نشانے پر جا لگا، اب ہم تھے اور
ہمارے سفر کی تیاریاں، تاریخ روانگی تو ہم مقرر ہی کر چکے
تھے۔ ایسے جیسے کسی عقد کی تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے اور
سنئے گھر ہو یا باہر گلی ہو یا سڑک غرض ہر جگہ اور ہر
مقام پر ہم سے جو کوئی ملتا تو بعد سلام علیک کے سب
سے پہلا جملہ جو ہماری زبان سے نکلتا وہ یہ ہوتا کہ ہم سفر
پر جا رہے ہیں۔ چاہے وہ ہماری خیر و عافیت ہی کیوں نہ
دریافت کر رہا ہو۔ ہمارے اس "ایڈورٹائزمنٹ" سے اتنا تو
فائدہ ضرور ہوا کہ ہر شخص ہماری عزت کرنے لگا۔ ہر جگہ ہمارے
چرچے تھے۔ اور ہر مقام پر ہماری شہرت۔ کوئی تو ہم کو مبارکباد
دیتا اور کوئی ہماری طرف رشک و حسد سے دیکھنے لگتا۔
واقعہ یہ تھا کہ ہم جب کبھی کسی سے اپنے سفر کا تذکرہ کرتے،
اور وہ اگر ہمارے اس غیر معمولی ارادہ کی وجہ پوچھتا تو ہم
جواب میں صرف اتنا کہہ دیتے کہ "بھائی حضرت اکبر کا یہ
مصرع ؎ بڑھاؤ تجربے "اطراف دنیا" میں سفر سیکھو"
جب سے نظر پڑا ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ضرور سفر کر کے ہی چھوڑیں گے
اب مقررہ تاریخ کا ہمکو ایسا ہی انتظار رہتا جیسا آجکل
کے نوجوانوں کو شادی کی تاریخ کا انتظار رہا کرتا ہے۔ چاہے بعد
"شادی" میاں جی کی بربادی ہی کیوں نہ ہو۔ اور چاہے
"نئی روشنی کی" ان کے جا و بیجا خواہشات کی تکمیل میں
میاں کی عزت یا تو عدالت کے کٹہرے میں یا کسی اچھے
سے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی میز کے آگے ہی کیوں نہ جا کھڑی ہو۔ مگر
میاں تو ضرور شادی کریں گے ———

خیر تو خدا خدا کر کے ۲ جولائی آ ہی پہنچی اور ہم
ہزاروں اور سینکڑوں دعاؤں کے "اطراف دنیا"

کے سفر کے لئے نکل ہی پڑے۔ ہاں تو ہم کو یہ بتلا دینا تھا کہ جب ہم گھر سے نکلے تو بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے دونوں بازو زخموں سے چور ہیں۔ اور اُن پر رنگ برنگ کی بلکہ سنہری و روپیلی پٹیاں باندھ دی گئیں ہیں۔ خدا نخواستہ ہم کسی جنگ میں شریک تو نہیں ہوئے تھے جو یوں زخمی ہوتے، اجی جنگ تو کیا چولھے میں اور سچ تو یوں ہے کہ وہاں ہمارے جیسوں کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں تو وہی جاتا ہے جو بلا کا بزدل اور حد درجہ ڈرپوک ہو، ہماری بہادری کا تو یہ عالم کہ اگر کہیں راستہ میں کوئی دو شریف "کتے" لڑتے دکھائی دئے تو ہم دُم دبائے بازو سے بھاگ نکلے اور جب اُن دونوں شریف بزدلوں سے کچھ دور ہو گئے تو اپنے حواس کو یکجا کر کے لگے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کو دعائیں دینے کہ انہوں نے سے

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ
اپنے بچنے کی کر فکر جھٹ پٹ

کہکر ہم کو آگاہ اور متنبہ کر دیا تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم بزدل بن ہی کیسے سکتے تھے۔ جب کہ ہم کو بچپنے ہی سے بہادری کی تعلیم دلائی گئی تھی اللہ رکھے جب ہم ہندوستانی بڑے انگوٹھا چوسا کرتے تھے یا اُس کے بعد پاؤں "پاؤں" چلکر سارے گھر کی ہر بری بھلی چیز کی جانچ پڑتال کیا کرتے تھے تو ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ جہاں کہیں کوئی سیاہ چیز نظر پڑی اور ہم چیخ مار کر لگے بلبلانے پھر نہ پوچھئے سارا گھر ہمیں آلیا کوئی دعائیں پڑھ کر پھونکتا کوئی نذریں اُتارتا کوئی پیٹ ٹھوکتا غرض اس وقت تک دم نہ لیا جاتا جب تک ہم اس سیاہ چیز کیسے اگر حقیقت میں کچھ تھوڑا بہت ڈر گئے تھے تو ان تمام حرکات سے پوری طرح خائف اور ہمیشہ کے لئے ہر سیاہ چیز کو دیکھکر اس سے زیادہ ہراسان ہونے کا اظہار نہ کریں۔ اور ہمارا اظہار ایسے ہوتا تھا کہ ہم بار بار اس سمت کو پلٹ پلٹ کر دیکھتے۔ جہاں ہم نے اس سیاہ دیو کو دیکھا تھا۔ اور ہر دفعہ اظہار خوف میں آنکھیں بند کر لیا کرتے تھے۔ یا یہ کہ ہم تنہا بیٹھے گڑیوں سے کھیل رہے ہیں۔" شاید یہ ہمارے ہی گھر کا طریقہ تھا یا سارے ہندوستانی گھروں میں بھی یہی رواج ہے کہ برخوردار یا برخورداری کو جب تک وہ ۸ — ۱۰ سال کے نہ ہولیں اس وقت تک کتاب وتاب کو ہاتھ نہ لگانے دیا جاتا۔ بس ہم ہمارا پیارا بچپن اور ننھی منی گڑیاں۔ کبھی تو انکی شادی ہے۔ اور کبھی ان کے ہاں ایک ادھ برخوردار تولد ہوتے ہیں اور کبھی ان میں سے کوئی ایک اپنی گیارہٹی کے ختم ہونے پر ہمکو داغ مفارقت دے جاتا ہے اور ہم اُن تمام خوشی و غمی کی تقریبوں کو مناتے ہیں۔ بشاید اس سے ہندوستانی والدین کا

یہ مقصد ہو کہ بچوں کو زندگی کے ہر شعبہ اور ہر معاملہ میں کافی
ٹریننگ مل جائے بجا ہے ہم تو اس کے قائل ہیں اور ایک
حد تک اس کی تائید بھی ضرور کرتے ہیں کہ برخورداری کیلئے
یہ چیز یعنی گڑیوں کا کھیل بہت مفید ہے اور از بس ضروری
کیونکہ یہ تمام چیزیں بہت جلد اُن کے سر پڑنے والی ہیں
اور اگر وہ بچپنے میں "ٹرینڈ" نہ ہونگی تو یکایک جب ایک
غیر کے پلے پڑینگی اور خانہ داری کے سارے بکھیڑوں
کا بوجھ اُن کی گردن پر پڑ جائیگا تو وہ کیسے سنبھال سکیں گی.
مگر حیرت اور تعجب ہے تو صرف اس بات پر کہ میاں
برخوردار بھی عمر کے تقریباً چوتھائی حصے کو یوں گنوا
دیتے ہیں۔ اور امور خانہ داری میں کافی مہارت حاصل
کر لیتے ہیں۔ مگر والدین ہیں کہ کچھ نہیں کہتے۔ شاید موجودہ
دور اور زمانے کا چلن ان کے پیش نظر رہتا ہوگا کہ اگر
کہیں بیوی کوئی "پی۔ اے یا ایم۔ اے" ملگئی تو میاں کو
کہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اور جب "وہ" کسی کالج سے
پروفیسری کر کے یا کسی کورٹ سے وکالت کے بعد گھر
لوٹے تو "یہ" بہترین ماما اور ایک لایق دایہ یا انا
ثابت ہوں"۔ ہاں تو جب ہم گڑیوں کے کھیل میں
مشغول ہیں اور ہمارے پیچھے سے "میاؤں" "میاؤں"
(یعنی مغربی طرز کے مطابق مکان میں داخل ہونے کیلئے
اجازت طلب کیجاتی ہے "کیا میں آوں؟")

کی صدا بلند ہوئی اور ہم پہلے تو گھبرا اٹھے اور پھر
(چونکہ وہ ہماری خوبصورت پالی ہوئی "پس" تھی) اسکو
گھسیٹ گود میں لے لیا۔ خیر گذری اگر گھر والوں
میں سے کسی نے نہ دیکھا۔ اور اگر کسی کی نظر پڑگئی تو اس
زور سے ہم کو جھکارا کہ ہم تین دن تک بستر سے سر نہ
اٹھا سکیں۔ اور ساتھ ہی ہم کو یہ سمجھا دیا کہ "میاں وہ
شیر کی خالہ ہے اس سے دور رہو"۔ گویا اس طرح
ایک ادنیٰ پالتو جانور سے خوف دلا کر ہماری بہادری
میں اضافہ کر دیا جاتا۔ اور کبھی اگر ہم سونے کے لئے ضد
کرتے یا کھانے کے لئے ہٹ تو اس ضد کو چھڑانے یا
ہٹ کو دور کرانے کے لئے "بی شادی" کو بلایا جاتا
اور بی صاحبہ کی فوٹو کچھ ایسے انداز میں ہمارے ذہن نشین
کرا دیگئی ہے کہ آجتک باوجود ہم بڑوں میں ملنے کا دعویٰ
کرنے کے بھی جب کبھی وہ فوٹو ہماری نظروں کے آگے
آتا ہے تو یقین مانئے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے
ہیں۔ اور ہاں خوب یاد آیا خدا بخشے بھائی عزیز دام مغفرۃ
کو، تو یہ تو یہ ہم بھی عجیب آدمی ہیں۔ کہ بیچاروں کو زندہ درگور
کئے دے رہے ہیں۔ نا بھائی خدا خوش رکھے انہیں، کہ وہ
اکثر اصرار سے، ہٹ سے، ضد سے، اور کیا کہیں کن کن
طریقوں سے یہ پوچھا کرتے ہیں کہ بھائی اختر تم شادی کے
نام سے کیوں گھبرا اٹھتے ہو"؟ (باقی دارد)

"بدگمان شوہر" (مزاحیہ)

از جناب سید بادشاہ علی صاحب نقش عالمی

تعارف :- (۱) بدگمان شوہر (۲) بے گناہ بیوی (۳) سادہ لوح لڑکا

منظر :- بدگمان شوہر حوض پر بیٹھا ہوا صابن سے منہ دھو رہا ہے اور بیوی دسترخوان پر کھانا چن رہی ہے۔

اماں ! اماں !! ابا کا منہ سفید ..... ہیہاہا ..

چھوٹا لڑکا جو کھیلتا ہوا ادھر آنکلا کہنے لگا۔

"ابے نامعقول ! اپنے باپ کے ساتھ مذاق کرتے نہیں چوکتا، ہاں تیری ماں نے یہ تعلیم دی ہوگی (دونوں ہاتھوں سے منہ کو خوب رگڑ کر) خبردار (منہ پر پانی ڈالتے ہوئے) ——— اب سے نہ کہنا"

بیوی اس گفتگو کو سن رہی تھی تیوری پر بل ڈالکر کہنے لگی "آپنے کیا کہا ——— آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں۔ ہیں کاہے کو سکھلانے چلی تھی ———" دال کا کٹورہ بس زور سے رکھتی ہے کہ دسترخوان دال سے لت پت ہوجاتا ہے ——— (غصہ سے جھنجلا کر) آگ لگے ایسے ...!!

"بس بس زبان کو لگام دو، ورنہ ———" شوہر نے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو، ورنہ کیا کروگے"؟ بیوی دال کے چھینٹے جو منہ پر پڑگئے تھے آنچل سے پونچھتی ہوئی بولی۔

شوہر، جو اب آئینہ میں صورت دیکھ کر بالوں میں کنگھی کر رہا تھا، کہنے لگا "ورنہ یہی کہ میکے جانا پڑیگا، شریفوں کے گھر میں ایسی باتیں نہیں ہوتیں"!

چھوٹا لڑکا جو خاموش کھڑا باپ کو دیکھ رہا تھا کہنے لگا "اماں، ابا سانپ۔

نوٹ :- مسٹر ...... حیدرآبادی نے "سہیلی" لاہور کے سالنامہ میں ایک مذاقیہ ڈرامہ "بدگمان بیوی" کے عنوان سے سپرد قلم کیا تھا اور جواب کی امید ظاہر کی تھی شاید ابتک صاحب موصوف کی تمنا پوری نہیں ہوئی۔ یہ مختصر سا ڈرامہ اُسی کا جواب ہے۔

(نقش عالمی)

شریمتی رادھیکا سنہا (مرحومہ)

مسٹر سچدانند سنہا بیرسٹر ایٹ لا

لیڈی سنہا جنہوں نے مبلغاً ایک لاکھ روپئے بحساب یونیورسٹی کانسٹیٹیوشن کالج الہ آباد اور پٹنہ لائبریری کے لئے اپنی ذاتی جائداد وقف کیا ۔

By Courtesy "Indian States & Zamindaries" Hyd'bad-Dn.

قسطنطنیہ کا ایک محلہ جو بالکل یورپ ہی کا ایک
ٹکڑا نظر آتا ہے

"گدھے کے بچے، سؤر کے لونڈے، چپ نہیں رہتا"
معصوم لڑکا سہم کر ماں سے لپٹ جاتا ہے۔
بیوی جو غصہ سے پُر تھی کہنے لگی "عزیز باہر جاؤ اور رستم سے کرایہ کی موٹر لے آنے کے لئے کہو، میں اس گھر میں اب سانس تک نہ لونگی۔ عزیز تم کو جواب دینا پڑیگا کہ شریفوں کے گھر میں کونسی باتیں نہیں ہوتیں، سنتے ہو، یہ کوئی معمولی بات نہیں ——"
کہہ کر جلدی سے سامنے کے کمرے میں چلی جاتی ہے۔
"عزیز —— عزیز" باپ پکارتا ہے اور لڑکا بھاگ کر جاتا ہے۔
"ادھر آؤ، تمہاری اماں ہر گھڑی جو تصویر دیکھتی ہیں وہ کہاں ہے؟"
"وہ —— وہ تصویر ہے اماں کے کمرے میں —— ابا آپ ہم کو تو ڈراتے ہیں ہم نہیں آئینگے (دسترخوان کی طرف اشارہ کرکے جس پر دال کی دریا بہہ رہی تھی) ابا یہ کیا؟"
"عزیز" ادھر دیکھو ہم تمہارے واسطے لڈو لا دینگے برفی۔"
"نہیں نہیں چنے، گلگلے اور دھیلی کے سیتا پھل لا دو۔ اچھے ابا"
"تو اچھا، اچھا وہی لا دینگے۔"
"نہیں ابا وہی کھٹا ہوتا ہے نرلا وُ کٹم کٹم کرنے کے لئے چنے بھونے ہوئے ——"

"اچھا ——" باپ راضی ہو جاتا ہے۔
"اس میں اماں کو کچھ نہ دونگا اور ابا (باپ کی ٹھوڈی کو پکڑ کر) سیتا پھل لانا تو بڑی بڑی آنکھ کے ——"
"اچھا سب کچھ لا دیں گے مگر وہ تصویر تو لے آؤ (آہستہ بولتا ہے) تمہاری اماں کو خبر نہ ہو۔"
"عزیز —— عزیز" کی آواز کمرہ سے نکلتی ہے۔
"کدھر کمبخت گیا —— کہہ دے لانے کے لئے ایک موٹر کرایہ پر (زور سے) بس نانی ماں کے یہاں چلیں گے اور شریفوں کی خبر لینگے۔"
لڑکا باپ کی گرفت سے چھوٹ کر بھاگ جاتا ہے اور ماں سے آن کر کہتا ہے۔ "اماں —— اماں، ابا وہ تصویر منگواتے ہیں —— بولو لیجاؤں۔"
"کونسی؟" ماں پوچھتی ہے۔
"ماموں جان کی دی ہوئی —— تصویریں ہیں ابا دولھا بنے ہیں۔"
کمرہ قریب ہونے کیوجہ سے دالان میں آواز آتی ہے
"کیا کہا —— عزیز —— پھر بولو۔"
لڑکا دوڑ کر باہر آتا ہے اور جلدی میں گری ہوئی دال پر پاؤں پڑ جاتا ہے جسکی وجہ سے اس کے باپ کے منھ اور کپڑوں پر دال کے نقش و نگار پڑ جاتے ہیں۔
"ارے، رے، رے، توبہ، کیا کیا ——

اے ملعون کے بچے، وال ہی وال، اروں گا ایک
ایسا تھپڑ کہ الٹ جائے تیرا گال پاؤں کو چین نہیں
ناچتا ہے ادھر سے اُدھر"
لڑکا سہم کر کھڑا رہ جاتا ہے اور ماں کمرہ میں سے
اس دلفریب منظر کو دیکھ کر پکارتی ہے "عزیز ادھر
آؤ تم بڑے خراب ہوگئے ہو لاڈو پیار میں"
"ہاں لاڈو پیار میں اور تم تصویروں کے لاڈ
پیار میں" شوہر غصہ کی آگ میں بھسم ہو کر جواب دیتا ہے
بیوی جو پہلے ہی سے آتش پا تھی جھٹ سے بولی
آپ کونسی تصویروں کا ذکر کرتے ہیں۔ آئینہ میں صورت
تو دیکھئے آپ خود ایک تصویر ہیں، واہ صاحب واہ"
کہہ کر پھر کمرہ میں چلی جاتی ہے اور عزیز کو آواز دیتی ہے
"عزیز اس تصویر کو لیجاؤ اپنے ابا کے یہاں اور کہو کہ
عینک لگا کر دیکھیں اینٹ کی کہ یہ کس کی تصویر ہے
سمجھے اور یہ کہنا کہ غصہ کی حالت میں ہوں ورنہ میں خود
تشریف لاتی ——————"
لڑکا تصویر لے لیتا ہے اور دوڑتا ہوا صحن میں
آتا ہے۔ جہاں اس کا باپ حوض میں غوطے مار رہا تھا،
جب وہ ڈوب کر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر نکلتا
ہے تو خوش ہو کر لڑکا چلاتا ہے۔ "اماں، اماں،
ابا مینڈک ——— ہے"

"ارے بدمعاش اپنے باپ ہی کو مینڈک بناتا ہے اور تو
چھوٹا مینڈک، تیری زبان بغیر ہتھیار کے کاٹ ڈالونگا
سمجھا ——— اور وہ کیا لایا ہے؟"
"تصویر" لڑکا کمزور آواز میں کہتا ہے۔
باپ حوض میں سے جلد ہی نکلنے کی کوشش کرتا ہے مگر
کنجال کی وجہ سے پاؤں پھسل کر دھڑام سے گر پڑتا ہے
اور لڑکا قہقہے لگاتا ہے۔ بیوی جو خاموش جھانک رہی
تھی پیچھے ہٹ کر مسکراتی ہے۔
"اماں کیا ہنستا ہے، دے ہمیں دیکھنے دے تصویر"
کہہ کر تصویر کو بچہ کے ہاتھوں سے لے لیتا ہے۔
"اہا ہاہا ——— ارے یہ تو ہم ہیں (جھک کر)
یہ تو تمہارے ابا ہیں، تصویر لڑکے کو دے کر کپڑے بدلنے
لگتا ہے اور زیر لب گنگناتا ہے ع
"بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہوجائے جنگ ہو کر"
"اے میاں عزیز، ہیں کہاں" وہ"
"وہ کون ابا؟" لڑکا پوچھتا ہے۔
"تمہاری ماں اور کون!"
(لڑکا اماں اماں کہہ کر چلاتا ہے مگر جواب نہیں ملتا)
"میاں ہمکو بہت شرم آتی ہے کہ ناحق بدگمان
ہوگئے تمہاری ماں سے، یہ تو ہماری ہی تصویر ہے
اگر ہماری ہی تصویر دیکھ کر خوش ہوا کرتی تھیں تو کیا مضائقہ تھا۔

اچھا اب جا کر کہو بعد آداب ہم ندامت کے سمندر میں ڈوب کر نکلے ہیں اور منہ دکھانے کے قابل نہیں اور سب خیریت سے تو ہیں مگر والدین سب بفضلِ الٰہی عزیز کی اماں نہیں ہیں، اور دال کے دریا بہہ رہے ہیں (لڑکے کی پیٹھ ٹھوک کر) تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے اس لئے اور دو جملے یعنی جملہ تین جملے کہو نگا' ہاں' دیگر کیفیت یہ ہے کہ قصور تھی تو ہماری مگر شبہ کی بناء پر اعلان جنگ ہو گیا۔ مگر اب کہنا یہ ہے کہ سو گناہ عزیز میاں کو پیدا کرنے والا معاف کرتا ہے تو تم بھی تو عزیز میاں کی پیدا کرنیوالی ہو ایک گناہ معاف کر دو۔ اور کافی سزا مل چکی ہے، زیادہ ادب (نوٹ) میاں اسکے بعد یہ کہنا کہ بھولا ہوا فقرہ یہ ہے کہ ہم نے پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا اس لئے ٹینس کے کلب پر مارے بھوک کے ہم لمبے لمبے لیٹ جائیں گے اور چونکہ ماہ الٰہی کا آخری مہینہ ہے۔ جیب میں پیسے بھی نہیں جو "دار التفریح" میں جا کر آدھا قورمہ اور ایک آنہ کا خشکہ کی پلیٹ زہر مار کرتے فقط راقم الحروف عزیز کا باپ۔

لڑکا جو خاموش کھڑا سن رہا تھا کہنے لگا "ابا آپ دال کا معاملہ بھول گئے؟"

"اچھا وہ بھی بول دو — جاؤ — جاؤ"

لڑکا تھوڑی دیر بعد سراسیمہ آکر کہتا ہے "اماں رو رہی ہیں"

"ارے بھئی رونے دھونے کی کونسی بات تھی (اُٹھ کر) چلو میں چلتا ہوں' مارے بھوک کے مجھے بھی رونا آتا ہے ——————؟"

عزیز اور عزیز کا باپ دونوں کمرے کی جانب جاتے ہیں۔　　(پردہ)

رسید رسائل و کتب

ذیل کے رسائل و کتب بغرض تبصرہ دفتر پر وصول ہوئے، جن پر کسی قریبی فرصت میں تنقیدی نظر ڈالی جائیگی —————— تاریخ

کتب:-

کتب	مصنفہ
(۱) تحریر النساء (۲) مجموعہ نصائح (حصہ اول)	محترمہ صغرا صاحبہ (مسز [illegible] بیرسٹر ایٹ لا)

رسائل:-

رفیق (بلند شہر) ماہوار ادبی و علمی رسالہ زیر نگرانی آغا رفیق بلند شہری

خلیق (حیدرآباد دکن) ماہوار مذہبی رسالہ زیر ترتیب مسٹر رونق

ارشاد (حیدرآباد دکن) ماہوار مذہبی رسالہ زیر تنظیم پیرزادہ سید شاہ یوسف الدین قادری

علیگڈھ پنچ (علیگڈھ) پندرہ روزہ تفریحی زیر ادارت مسٹر جمال صابری

"[illegible]" لکھنؤ مدیر مولانا اسعد انصاری

غزل

از محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ قمر (ورنگل)

زمانہ کی گردش کو دیکھا کئے   مقدّر کے لکھے کو رویا کئے

تباہی مصیبت غم و رنج و درد   اِسی میں کٹی چین ہی کیا کئے

چلا کچھ بھی تقدیر پر جب نہ زور   تو لاچار قسمت کو رویا کئے

مدد حق سے چاہی تو آئی صدا   کہ اپنے وہ سب رہنما کیا کئے؟

زمانہ نے لیں کروٹیں سینکڑوں   مگر ہم خموشی سے دیکھا کئے

نہیں کوئی چارہ ہنر کے بغیر   خلاف اس کے گو لاکھ سوچا کئے

قمر اب وہاں کا بھی کچھ دھیان کر
بہت عمر اب تک گنوایا کئے

ادب لطیف

"شمع کی لگن میں ...."

(از)

محترمہ "ج" نقوی صاحبہ

صبح کو دیکھا تو خاکستر کا ڈھیر تھا ــــ میں نے جانا ــــ رات جو ہوا کے جھکڑ چلے ہیں ان سے گرد اُڑ کر گری ہوگی ــــ مگر ــــ نہیں ــــ جب قریب جا کر دیکھوں تو پروانوں کی لاشیں ہیں ــــ جنہوں نے صرف "ایک رات" کی زندگی لائی تھی ــــ اور جن کا مقصد شمع پر جان دینا تھا ــــ آہ ــــ ایک شمع کے کتنے پروانے ــــ اور کیسا حسرت ناک انجام ــــ !!

ایک رات کی زندگی بھی کچھ زندگی ہے. جو اس کے لئے اتنی جد و جہد ــــ ایسی محدود زندگی اگر ہم کو ملتی تو شاید پڑے پڑے گذار دیتے ــــ کیا ہم "نام کے مسلمانوں میں" ایثار و قربانی کا یہ حوصلہ نہیں ــــ کہ شمع اسلام پر اپنی جانیں قربان کردیں ؟ قوم پر پروانہ وار فدا ہوجائیں ــــ جان تو کسی ایک دن جانیوالی ہے ــــ ورنہ کم از کم آب حیات ہی کی تلاش میں خضر کی پیروی کریں ــــ بہر صورت شمع کی جلن اور اس کا خاموش سلگ سلگ کر جان دینا ــــ صبح ہوتے ہوتے چراغ سحری کا بھڑک کر خاموش ہوجانا ــــ پروانوں کی دیوانہ وار تدبیریں ــــ سب تحصیل لاحاصل ــــ لیکن گوہر مقصود کیلئے سب کچھ گوارا کرلینا ــــ یہ ان بے زبانوں کے کارنامے ہیں ــــ"

بقول سوداؔ:-

آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال: جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
یاں فکر معیشت ہے وہاں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست، یہاں ہے نہ وہاں ہے!

"ابدی زندگی"

محترمہ سرور جہاں صاحبہ رعنا (از سیالکوٹ)

موسم بہار اپنا پرشکوہ زمانہ ختم کر چکا تھا...... ایک شام کو........ آفتاب نے دامن کوہسار میں پناہ لی سیمیں ماہتاب نے اپنی نورانی روشنی سے ایک خاموش اور سنسان میدان کی بقعۂ نور بنا دیا۔ میدان یکتا دیبوں، مہ جبینوں، ولا دیوں اور خوبصورت معصوم بچوں کی قبروں سے اٹا پڑا تھا۔ دور تک خاموشی طاری تھی۔

حیرت کا مقام تھا۔ دنیائے ناپائیدار کی خودغرض ہستیاں اپنی خودغرضی کا نمونہ پیش کر رہی تھیں......

ننھا معصوم رشید آغوش قبر میں پڑا اپنی پیاری ماں کو پکار رہا تھا...... حسین طلعت جو خوبصورتی میں بے مثل تھی۔ اپنے شوہر کو مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی........ حامد کا گلا "اپنی بیوی" آوازیں دیتے دیتے تھک گیا تھا........

لیکن جو ماں رشید کو آنکھوں سے اوجھل نہ کرتی تھی...... جو شوہر طلعت کی محبت کا دم بھرتا تھا...... جو بیوی حامد سے دعوئے الفت رکھتی تھی........ وہ سب ناپائیدار دنیا کے آرام و آسائش میں مبتلا ہو کر اپنے عزیزوں کو فراموش کر چکے ہے۔

ایک صاف و شفاف سنگ مرمر کی قبر جو سرسبز بیلوں اور خوبصورت پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جسکے ارد گرد قد آور درخت حلقہ کئے ہوئے تھے آدھی رات کے وقت ایک خوشنما گلاب کا پھول جو قبر کی زینت بن رہا تھا۔ اس مہ جبین کی یاد دلا رہا تھا۔ جو قبر میں "ابدی نیند" سو رہی تھی۔ ——————!!

گنبد آواز بلند کہہ رہا تھا۔ اور مہتاب کی سیمیں روشنی تائید کر رہی تھی کہ یہ نواب صفدر جنگ کی دو مہ پارہ بیگم ہے۔ جو اپنے وقت میں یکتا تھی۔ لیکن آہ . . . . . . آج اس کو جاننے والا کوئی نہ تھا۔ ——— ؟

حسن زندگی کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی قابل ستائش تصنیف ابھی زندہ ہے۔ اور ابد تک اس کا نام زندہ رکھے گی۔

(ماخوذ از انگریزی)

"کلی کی شادی"

از محترمہ مشتری بیگم صاحبہ (مسز سید عبداللطیف حسینی ایم۔ اے)

مدیرۂ محترمہ، سلام نیاز "سفینۂ نسواں" بابتہ ماہ مارچ ۱۹۳۲ء میں عزیزہ بہن مس عزیز بیگم صاحبہ کا مضمون "کلی کی موت" میری نظر سے گذرا جو اپنے لحاظ سے خاص مضمون تھا "اسی کلی" نے میری توجہ بھی اپنے طرف منعطف کرائی ——— اور میں نے بوا چنبیلی کی لڑکی (کلی) کی شادی" .. رچالی ——— جسکی مختصر کیفیت ناظرات سفینہ کی دلچسپی کے لئے بھیج رہی ہوں ——— (مشتری)

بہار کا مہینہ، شادیوں کا زمانہ، تیسرا پہر "چمبیلی" کی لڑکی "کلی" شادی کے قابل ہوگئی لڑکی کا باپ بڑا آدمی نہ تھا، چھوٹا سا درخت اور لڑکیاں بکثرت، کئی جگہ شادی کی بات چیت ہوئی مگر کھیں نسبت قرار نہ پائی "کنول" بہت اچھا لڑکا تہا، مگر بڑے گھر کا اس پر راضی نہوا کہ "چمبیلی" کی بیٹی سے شادی کرے "گڑہل کا پہول" راضی ہوگیا۔ مگر اس میں اتنا غصہ تہا کہ لڑکی ۔ ماں تا پھری ماں راضی نہیں ہوئی کہ جان بوجھ کر اپنی پیاری بیٹی کو کوئیں میں ڈھکیل دے "گل داودی" بوڑھا ہو چلا تھا، "گیند" اگر اپنے آپ کو پیش کرتا تو لڑکی والے راضی ہو جاتے مگر وہ اپنی فطری شرمندگی کیوجہ جرات نہ کرسکا، "گل شبو" لڑکا اچہا تہا مگر مارے غرور کے مزاج ہی نہ ملتا تہا، "گل عباس" سے منگنی ہوگئی تھی، مگر اس کے بھوری طبیعت نے بات کو زیادہ بڑہنے نہیں دیا اور پیغام ٹوٹ گیا۔

لڑکی کا باپ ابھی فکروں میں پریشان تہا کہ "بھونرا" آپہونچا۔ ———

بھونرا:۔ (گنگنا کر) لڑکی بیاہو گے؟

چمبیلی کے درخت نے پتیاں ہلا ہلا کر جواب دیا" ہاں یہ بچی تو اللہ رکھے اس قابل ہوگئی ہے کسی کے پلّے باندہ دوں"
بھونرا۔ لڑکی دکھلا دو۔
اُس درخت نے شاخ جھکا کر سمٹی سمٹائی منہ بند، کلی دکھلائی، بھونرے نے ایک مرتبہ سارے درخت کا چکر لگایا اور پھر آکر بولا، دیکھنا چاہتا ہوں منہ کھولو!!
شرمیلی لڑکی نے منہ نہ کھولا، درخت نے کہا کہ میری لڑکی بڑی حیا دار ہے، تم تھوڑی دیر میں پھر آجانا، میں کوئی صورت کرونگا کہ وہ منہ دکھلا دے، بھونرا" واپس چلا گیا۔
اُدھر لڑکی کی خالہ (شام) شام ہوا آپہونچی، اس نے کلی کو بہت کچھ سمجھایا بجھایا، کہنے لگی میری اچھی بیٹی منہ کھول دو نہیں تو شادی نہوگی، میری پیاری! میری دلاری! منہ کھول تو دے۔
"کلی" نے بار بار انکار کیا گردن ہلایا، کئی بار روٹھ کر منہ پھیر لیا، اور کئی دفعہ کہا کہ خالہ جان تم جاؤ، مگر شام کی ٹھنڈی ہوا میں مست ہوکر "کلی" کی بھی دل کی کلی کھل گئی۔ اور منہ کھول دیا۔
اُدھر بھونرا آپہونچا، کلی" کی بھینی بھینی خوشبو سے خوش ہوکر بولا" گن تو لڑکی میں اچھے ہیں گھر میں شہد کتنا ہے؟
درخت نے کہا تم حساب کی فرد لیتے آنا آنہ پائی سے بیباق کرونگا۔
بھونرا:۔ مجھے حق المحنت کیا ملے گا؟
درخت:۔ حق المحنت بھی ملجائیگا۔
بھونرا:۔ کچھ پیشگی ملجائے تو اچھا ہے۔
درخت:۔ پہلے یہ تو بتلاؤ کہ شادی کہاں ٹھرائی ہے۔
بھونرا:۔ تم خاطر جمع رہو، لڑکا بڑا خاندانی اور نیک بخت ہے۔
درخت:۔ آخر وہ ہے کون؟
بھونرا:۔ سنو گلاب لال خوشبودار" خاندان بھی بہت اچھا ہے، یوں تو بہت سے گھر اس فرقہ میں ہے، مگر اس گلاب کو خاصکر "باغ عامہ" کے بڑے مالی نے لگایا ہے، اور حالیہ فلاورشو پبلک گارڈن" (یا نمائش باغ عامہ حیدرآباد) میں اس کو "فرسٹ پرائز" بھی مل چکا ہے، بہرحال لڑکا گن ڈھنگ والا ہے۔ اگر یہ کہو کہ خار دار ہے تو کانٹا

کس گھرانے میں نہیں ہوتا ——————— ؟

غرضکہ بہت کچھ حجتوں کے بعد شادی منظور ہوگئی، "بھونرا" وہاں سے اُڑکر گلاب کے یہاں پہونچا اس وقت گلاب اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا میں بیٹھا، ہنس ہنسکر کھیل رہا تہا، شادی کا نام سنتے ہی، کھلکھلاتے ہوئے ہوا میں ناچنے لگا، اور ایک شوخ دوست نے بڑھکر گلاب سے کچھ کانا پھوسی بھی کی۔

بھونرے سے گلاب کے باپ نے پوچھا لڑکی کی عمر کیا ہے ؟

اس نے جواب دیا بس نام خدا کھیلنے ہی پر ہے۔

پھر پوچھا ملیگا کیا ؟

بھونرا بولا بہت کچھ ——————— خدا رکھے بڑا گھرانہ ہے ایسی جگہ لین دین کی کمی کیا ——————— ؟

چوتھی شام کو یہ مبارک رسم قرار پائی، گلاب نے برات کا انتظام کیا، کہ خوب دھڑلے سے دولہن کے گھر جائیں۔ "جہینگروں نے نوبت بجائی، شہد کی مکھیوں نے شہنائی بجانے کا بیعانہ لیا تہا مگر اس عذر پر کہ رتوندہی آتی ہے برات میں کام نہیں کیا، "مچھر" اپنے راگ سے برات کو محفوظ کر رہے تھے "جگنو نے ہنجشاخ روشن کئے" پروانے" پروان چڑہنے سے آگے ہی تصدق ہونے لگے، آسمان پر تاروں کی آتش بازی چھوٹتی تھی۔ "ابابیل" پنکھے جھیل رہا تہا، "کویل" برات کے آگے نقیب کی صدا لگاتی تھی، "کنول" بڑا آدمی اس بہانے سے شریک نہیں ہوا کہ سر میں درد ہے، اور ہر طرح کے چھوٹے بڑے پھول شریک ہوئے، جو سرخ، زرد، نیلے، سفید مختلف لباس میں ملبوس تھے، "گیندا کا پھول" سب سے زیادہ اونچی سواری پر تہا، "چمپا" ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ساتھ مگر شراب کے نشہ میں مست، "گل شبو" بہت سے مجمع کے ساتھ آیا، "گل نرگس" بھی شریک ہوا مگر برات کا رنگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تہا، اور دل ہی دل میں یہ ارادہ تہا کہ کوئی موقع دیکھے اور "گل سوسن" کے ذریعہ لڑائی جھگڑا کرادے۔

برات روانہ ہوتے وقت ایک مشکل آپڑی، باد شمیم نے کہاروں کا بیعانہ لیا تہا، بیعانہ لیتے وقت تو "ہوں" ہم کرکے بڑی مردانگی جتائی تھی، مگر عین وقت پر پتہ ہی ندارد، ساری برات رُکی ہوئی تھی، آخر بڑی مشکلوں سے کہار دستیاب ہوئے، اور برات چلی۔

ادہر لڑکی کے یہاں طرح طرح کے شاخوں سے منڈوا سجایا گیا تہا، "بام" اپنے کشادہ بازوں اور پیلوں نے

"محروم نیاز"

از جناب سید غلام حیدر صاحب (شملہ)

ڈسپنسری شفاخانہ کے جنرل وارڈ کے ایک ہوادار کمرے میں ایک مریضہ زندگی کی گھڑیاں گن رہی ہے ——
رنگ زرد ہے —— بال بکھرے ہوئے ہیں. پیشانی پر جو ابھی تک نورانی ہے، پسینے کے قطرے موتیوں کو شرما رہے ہیں. آنکھیں، وہ آنکھیں جو تندرستی میں چشم آہو کو شرماتی تھیں. اب پتھرائی ہوئی ہیں. ہونٹ جو کبھی شنگرفی تھے. اب پیازی سوکھے ہوئے ہیں. پیاس کی شدت ہے ......

سرہانے نرس بیٹھی ہوئی مریضہ کے حالِ زار پر غم کے آنسو بہا رہی ہے ——

دفعتہً مریضہ نے سنبھالا لیا. شمع گل ہونے سے پہلے یک لخت روشن ہو گیا. پتھرائی ہوئی آنکھوں میں روشنی چمکنے لگی. اُس نے نرس کی طرف دیکھا، اور کہا "سنتی ہو. وہ بیوفا تھے. بڑے بیوفا! آہ! ان کا دل شاید پتھر کا بنا تھا. جو کبھی نہیں پگھلا. میں اُن کی بیوی. اُن کے گھر کی ملکہ تھی —— اور وہ میرے دل کے مالک تھے. انہیں اولاد کا شوق تھا. میرے مقدر میں اولاد نہ تھی. لوگوں نے کہا. دوسری شادی کر لو. میں نے اجازت دیدی. میں چاہتی تھی. کہ وہ خوش رہیں. وہ آئی اور میرا حق چھین گیا. وہ اُس کے دام میں پھنس گئے. میرے کلیجہ میں کانٹا چبھنے لگا. دل خون ہو کر آنکھوں کے رستہ بہ گیا. وہ بالکل منحرف ہو گئے. طوطا چشم ہو گئے. میرے والدین نہ تھے. کہ ان کے ہاں جاتی. بھائی کا خون سفید ہو چکا تھا. بھاوج میری جان کی بیرن تھی. میں ذلیل و خوار ہو گئی. لونڈی بن گئی. گھر سے باہر کر دی گئی. جب انہوں نے نکال دیا تو دل کے ٹکڑوں کے سوا میرے پاس کچھ موجود نہ تھا. جان عجیب مشکل میں تھی. محنت مزدوری کی عادی نہ تھی. رفتہ رفتہ عادت ہو گئی. مگر صحت — وفا نہ کی. جنکے ہاں ملازم تھی. انہوں نے بخوف جدا کیا اور مجھے یہاں بھجوا دیا. ڈاکٹر نے کہا. کہ جسے سل ہو. اوس کو الگ کرنا چاہئے ......

کیا تم نے کسی کو اُن کی طرف روانہ کیا ہے؟ کیا ابتک وہ نہ آئے —— ؟

ع دیر قاصد کو لگی اے دلِ مشتاق مجال ہو دیکھئے مجھکو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

تم خاموش کیوں ہو؟ ٹھیک ٹھیک کہدو۔ نرس خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس کی آنکھوں سے اشک جاری ہیں۔ جو ہزار زبان سے ترجمان کر رہے ہیں مریضہ تاڑ گئی۔ اُس نے سرد آہ لی اور کہا سُنتی ہو۔ اُن کا دل پتھر کا ہے۔ خدا کے واسطے اُن کو کہہ دینا۔

ع۔ نزع میں بھی تیری صورت کو نہ دیکھا افسوس ؛ مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا۔

لیکن وہ نہیں آئینگے!!۔ تم ان سے کہاں ملوگی؟ سنتی ہو۔ چراغ کیوں گل ہوگئے ——— اندھیرا ہوگیا ——— شمع کو جلادو ——— آہ! مجھے سینے سے لگالو ——— نرس نے مریضہ کو چھاتی سے لگا یا۔ اور ٹمٹماتی ہوئی شمع حیات گل ہوگئی۔ مگر وہ نہ .... آئے۔

کام کی باتیں

حفظانِ صحت پر ایک اجمالی نظر (بسلسلہ گزشتہ)

از جناب ڈاکٹر محمد عثمان خاں صاحب رکن اعلیٰ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ
(شعبہ سائنس)

تحفظ صحت کے علم و عمل کی بے انتہا منفعت کا ثبوت مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے مل سکتا ہے۔

انگلستان (ENGLAND) کی سالانہ شرح اموات گزشتہ پچاس سالوں میں برابر گھٹتی رہی ہے چنانچہ جہاں وہ سنہ ۶۵ - ۱۸۶۱ء میں فی ہزار آبادی ۲۱ء ۲۱ تھی وہاں وہ سنہ ۱۹۱۹ء میں فی ہزار ۲۱ء ۱۲ سے زاید نہ تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اصول حفظانِ صحت کی تعلیم و ترویج نے ہزاروں جانیں بچائیں۔ مزید بر آں یہ ایک حقیقت روشن ہے کہ جب کہیں کسی شہر میں صفائی کا انتظام معقول ہو گیا اوس کے گندے پانی کا اخراج صحیح اور کامل طور پر کیا گیا، اس کی موریوں اور میلے پانی کی نالیوں کی حالت درست کی گئی گھروں میں ہوا اور روشنی کا کافی انتظام کیا گیا تو اس شہر میں تپ محرقہ (ٹائفائڈ Typhoid) اور تپ دق و سل اور دیگر امراض سے ہونے والی اموات کی تعداد نمایاں طور پر کم ہو گئیں۔ وہاں چیچک بہ نسبت پیشتر کے آجکل نہایت کمی کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے حملے پہلے کی طرح خوفناک اور مہلک نہیں ہوتے اور چونکہ اب انگلستان (England) میں پاک و صاف پانی کی بہم رسانی اور قرنطینوں کا معقول انتظام موجود ہے وہاں ہیضے کی وبائیں عملاً ناپید ہیں۔

حدوث کثرتِ امراض کو زمانہ قدیم کی طرح محض شومئی قسمت یا آسمانی بلاؤں کا نتیجہ سمجھ لینا درست نہیں بلکہ بیشتر بعدم پابندی قوانینِ صحت سے پیدا ہوتے اور پھیلتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو امراض دو قسموں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں یعنی (۱) انسداد پذیر امراض اور (۲) غیر انسداد پذیر امراض۔

انسداد پذیر امراض کی مثالیں چیچک خسرہ سل ودق وطیریا عوارض مثلاً آتشک وغیرہ ہیں جن کی روک تھام کے طریقوں کا ہمیں علم ہے۔ غیر انسداد پذیر امراض کی مثالیں سرطان اور بہت سے عصبی امراض وغیرہ ہیں جن کی ماہیت اور طریقہ انسداد سے ہم بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ غیر انسداد پذیر امراض کی تعداد میں اب روز بروز بہت کمی ہوتی جاتی ہے کیونکہ جدید تحقیقات سے اب ایسے بہت سے امراض کی ماہیت اور ان کے اسباب کا پتہ ملتا جا رہا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوگا کہ حفظان صحت یا اصول صحت وہ علم ہے جس کا تعلق دراصل انسداد پذیر امراض اور ان کی ماہیت اور ان کی روک تھام سے ہے۔

اسباب مرض: زندگی کی تمام ضروریات میں اور ہمارے تمام کاموں میں ہمیں ایسے بہت سے حالات اسباب سے واسطہ پڑتا ہے جو مرض پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ ہمارا فرض ہے کہ ان حالات واسباب سے محترز رہیں اور حتی الامکان ان کو پیدا نہ ہونے دیں۔ امراض ہماری سانس لینے کی ہوا میں پہننے کے کپڑوں میں پینے کے پانی میں ہمارے عادات وخصائل اور پیشوں اور مشاغل میں ہمارے گردوپیش اور سب سے زیادہ ہمارے گھروں میں ہم پر حملہ کرنے کیلئے مستعد اور مناسب موقع کے منتظر ہیں۔ اگر ہم خبرداری اور احتیاط سے کام لیں اور ان کے حملہ آور ہونے کے طریقوں سے پوری طور پر واقف ہو جائیں تو ہم ان سے محفوظ رہ سکتے بلکہ ان کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔

جدید تحقیقات سے اب اس کا ثبوت ہم پہنچتا جا رہا ہے کہ بیشتر انسداد پذیر امراض کا سبب بعض مخصوص قسم کے ننھے ننھے زندہ اجسام یا جراثیم (bacteria) ہیں جو ہمارے جسموں پر حملہ آور ہو کر مرض پیدا کر دیتے ہیں یہ خاص خاص حالات وماحول میں نشوونما پاتے ہیں۔ اگر ہم ان کے عادات وخصائل بقیہ اور خصائص حیات سے بخوبی واقف ہو جائیں تو بلاشبہ انہیں روکنے اور ان سے بچنے کا معقول انتظام کر سکتے ہیں۔

ختم شد

سوزن کاری

از محترمہ بدر النساء بیگم صاحبہ (مسلمہ) منشی فاضل (پنجاب)
مددگارہ گورنمنٹ زنانہ ٹریننگ کالج لاہور۔

ملاحظہ ہو سلسلہ گزشتہ ماہ اپریل صفحہ

"تُرپنا"

سامان:۔ رنگین تاگہ، انگشتانہ، سوئی، قینچی، فیتہ، سفید کپڑا

ہدایات:۔ جب طالبات کو ٹانکوں کے فاصلے اور رکنے کی مشق اچھی طرح ہو جائے۔ تو ترپنے کی مشق کرانے کیلئے۔ انہیں فیتہ کے پیمانہ سے واقف کرایا جائے اور کوئی ایک فاصلہ مقرر کر کے یعنی ۴ انچ کا فاصلہ فیتہ سے ناپ کرائیں کا نشان کپڑے پر لگوا دیں اور وہاں پنسل سے نشان کرا دیں اسی طرح چاروں طرف ناپ کر مربع ٹکڑا قینچی کے ذریعہ کٹوائیں۔ (مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قینچی کے استعمال سے طالبات کو واقف کرایا جائے۔)

۱ — مربع

۲ — مربع

اس کے بعد انچ کا ½ حصہ مربع کے ایک کنارے پر موڑ دیں اور پھر اس موڑے ہوئے کنارے کو دوبارہ اسی طرح موڑ دیں اور سابقہ واقفیت کی مناسبت سے کونے لگوائیں اس کے بعد سوئی کو پیچھے سے چھو کر اوپر نکلوائے اور ترچھی سوئی دوہرے کپڑے میں چھو کر نیچے نکلوائے اسی مناسبت سے ٹانکے لیے جائیں اور اسی کو ترپنا کہتے ہیں۔ یہ سیون عموماً دامن و چادر کے کناروں پر سیا جاتا ہے اسی طرح چاروں طرف سینے کی مشق کرائی جائے۔

نوٹ: چونکہ طالبات میں تقلید کا مادہ ہوا کرتا ہے اس لیے اصولاً ابتدی کے ساتھ سکھلانے والے کو چاہیے کہ خود بھی یہی کام کرتا جائے تاکہ ان کے ذہن نشین ہر چیز ہو سکے اور کام میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو۔

دستکاری
کروشیہ میں تیتری اور سفینہ
ہدایات:- ۱۲۸ چین سے شروع کریں
مرسلہ — محترمہ ثریا صاحبہ (مسز اجمل عرفانی ازورنگل)

مفید معلومات
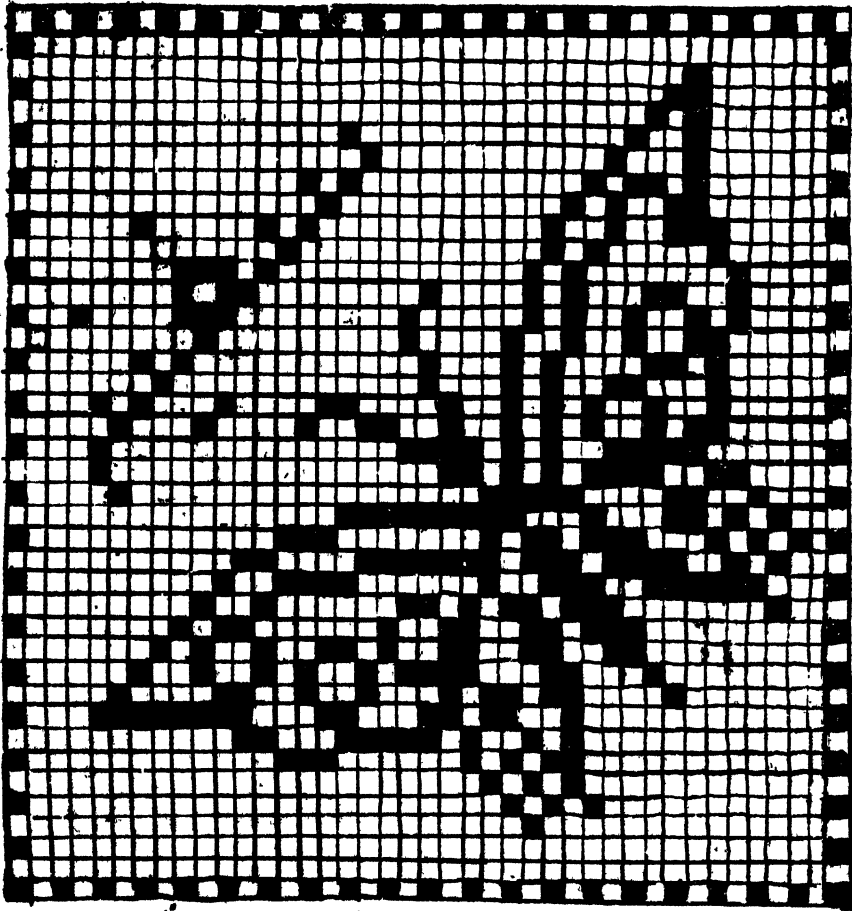
اونچی ایڑی کا جوتا، ایک ڈاکٹر کی نظر میں ۹

(ترجمہ از عزیزہ ک، ف بیگم صاحبہ)

امریکہ کے ایک مشہور سائنس دان اور تجربہ کار ڈاکٹر نے مقامی "انڈسٹریز ڈیپارٹمنٹ" کے صدر کے نام ایک طویل چٹھی لکھی ہے، جس میں اونچی ایڑی کے بوٹ و شوز" کی نسبت اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔

ہماری عورتیں اونچی ایڑی والے بوٹ پہن رہی ہیں جن سے سارے جسم کا بوجھ پاؤں کی نوک پر پڑ رہا ہے اور پاؤں کی ہڈی حد درجہ کمزور ہو رہی ہے۔ عورت کا موجودہ پاؤں (۵) لاکھ برس میں اب مکمل، موزوں، اور خوبصورت بنا ہے۔ لیکن اب عورتیں اسے خراب کر رہی ہیں، اگر کچھ زمانہ یہی روش رہی تو عورت کو اپنے پاؤں کی خوبصورتی سے محروم ہو جانا پڑے گا۔ نہ صرف یہی بلکہ وہ اس قدر بھدے، بدنما، اور کمزور ہو جائیں گے کہ ان کیلئے چلنا پھرنا تک دشوار ہو گا۔

چہرہ پر غازہ اور کریم ملنے کے نتائج

ڈاکٹر واٹسن امریکہ کے ایک مشہور محقق اور ماہر فن نے اس بارے میں اپنے تجربات پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

عورتیں کچھ دیر کی ظاہری بناوٹ اور آراستگی کی خاطر اپنے اصلی رنگ و رعنائیوں کو کھو رہی ہیں غازہ یا کریم کا استعمال بجائے اس کے کہ انہیں کچھ فائدہ پہنچائے الٹا نقصان دے رہا ہے"۔

ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں "یہ میرا تجربہ ہے کہ نوعمر لڑکیاں جن کے چہرے گلاب کے پھول کی مانند ہونے چاہیے تھے محض کاسمٹک "آئینز خوشبودار صابن غازہ" اور کریم وغیرہ کے استعمال سے بدنما ہوتے جا رہے ہیں گویا وہ اپنی اصلی رنگت آپ کھو رہی ہیں۔ اور کچھ عرصہ نہ گزرے گا کہ عورت کے چہرہ کی رنگت سیاہ اور سفید داغ دار رہ جائے گی۔ آئندہ زمانہ میں حسن کو جانچنے کا معیار

شاید یہی وہ جائے اور دلہن کے چہرہ پر سب سے زیادہ نازک اور موزوں داغ وہ ہوں جو ہی کو کمس آف بیوٹی یا کوئین آف روز"
کہلائے، مگر میں جب اس چیز کا خیال کرتا ہوں تو مجھے ایسا چہرہ ڈراونا اور بھیانک نظر آتا ہے۔ کیا آپ کو پسند ہے۔؟

خوان نعمت

ترکاری پلاؤ

ازمحترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایون مرزا بیرسٹرایٹ لا)

ضروری اشیاء:- بڑا مرغ ایک عدد (مصالحہ وغیرہ) حسب ضرورت (ترکاری) آلو ½ سیر۔ سیم گوبھی
ایک سیر۔ سویا حسب ضرورت۔ گاجر ½ پاؤ (چاول) ایک سیر۔

ہدایات:- سالم مرغ کو صاف کرنے کے بعد بلحاظ ضرورت ادرک، لہسن، پیاز، دہی، گرم مصالحہ
ملا کر بگھار دیں۔ جب قورمہ تیار ہو جائے تو اس کو دم دیدیں۔ آلو اور گاجر کے چکیاں بنالیں" اور سویا کو باریک
کتر کر ان سب کو تل لیں"، سیم کے بیج الگ کر رکھیں۔ چاول کو علٰحدہ اُبال کر پانی نتھار دیں، اور کسی صاف
دیگچی میں آدھے چاول لے کر اس کی تہہ بچھائیں، اس پر مرغ کا تیار شدہ قورمہ ڈال دیں، پھر ترکاری
بچھا دیں، اور اس پر بقیہ چاول بھی پھیلا دیں۔
اس کے بعد تھوڑے دودھ میں زعفران گھول کر اوپر چھڑک دیں اور دم ہونے کیلئے دھیمی آگ پر رکھ
چھوڑ دیں۔

دہی کے کنڈ کی ترکیب

ازمحترمہ بدر النساء بیگم صاحبہ (مسلمہ منشی فاضل (پنجاب)
(مددگارہ گورنمنٹ زنانہ کالج ہلدہ)

نوٹ۔ ہمارے یہاں عموماً تقاریب میں جو میٹھے استعمال کئے جاتے ہیں وہ چاول، ڈبل اور سیویوں کے میٹھے
ہوتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل ذائقہ کے لیے میٹھوں کی فہرست میں اضافہ کیا جائے۔

ضروری اشیاء:- چکا دہی میٹھا ایک سیر۔ بادام پاؤ سیر۔ پستہ چھٹانک۔ گلاب دو ماشہ۔ کیوڑا آدھا سیر۔
باریک چاول کی دلی ہوئی کلیاں چھٹانک۔ الائچی ۳ ماشہ۔ شکر تین سیر۔
مسور کا گھی آدھ پاؤ۔

ترکیب۔ چاول کو دل کر چھنا تک باریک کنکی نکال لی جائے۔ اور پانی سے اچھی طرح دھو کر گھی گرم کر کے کنکی تل لیں اور اندازاً اتنا پانی ڈالیں کہ اچھی طرح گل جائے اور بادام و پستہ چھیل کر باریک پیس لیں۔ یہ پیسے ہوئے مغزیات کھویا و فکر گلی ہوئی کنکیوں میں ڈالکر اس قدر پکائیں کہ وہ گاڑھی کھیر کے مانند ہو جائے۔ پھر اتار کر ٹھنڈا ہونیکے بعد اسمیں دہی و الائچی ملا دیں اور ایک کوری مٹی کی کڑھائی میں ڈال دیں اوپر سے گلاب کا عرق چھڑک دیں اور جب اس کی تری کو کڑہائی جذب کرلے تو یہ میٹھا بہت لذیذ ہوگا۔

نوٹ۔ دہی کی نسبت بطور خاص خیال رکھا جائے کہ عام معمولی دہی نہ ہو جس سے میٹھا بگڑنے کا اندیشہ ہو سکے بہتر یہی ہے کہ مکان میں ہی گاڑھے دودھ کا دہی جمایا جائے۔

بادام کا قورمہ

(اثر)

محترمہ صغرا صاحبہ مسز ہمایون مرزا بیرسٹر ایٹ لا

گوشت میں دہی ادرک، لہسن، پیاز ملا کر گھی میں بگھار دیں۔ بادام آدھ پاؤ یا پاؤ بھر جس قدر ضرورت ہو لے کر اس کو تھوڑے سے شورے میں بھگو دیں چند گھنٹے بھگو دینا چاہیے اس کے بعد بادام کو ابال لیں جب بادام نیم کی نبکی کی طرح گھل جائیں اس وقت اس کا پانی پھینک دیں۔ بعدہ بادام کو زعفران میں تھوڑی دیر رکھ کر اسی قورمہ میں ڈال کر تھوڑا پانی ڈال دیں جب پانی خشک ہو جائے تو گھی پہ دم پر رکھیں بعد ازاں گرم مصالحہ ڈال دیں۔ (باقی دارد)

وائی ٹو فوڈ

(مرد، عورت، اور بچوں کے لئے یکساں مفید)

---

(۱)
"وائی ٹو فوڈ" گوشت کی نسبت آٹھ گنا زیادہ مقوی ہے"

کمزور لوگوں کے وزن میں اس کے تین ہفتہ کے استعمال سے (۷) پونڈ کا اضافہ ہوا ہے اور نو دن کا استعمال ۴ پونڈ وزن بڑھاتا ہے۔ انسانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے رگ پٹھوں کی ساخت کی خاطر "سل سالٹ" کو مناسب غذاؤں کے ذریعہ مہیا نہیں کرسکتا تاکہ اس کے جسمانی ضروریات پوری ہوں اور دنیا میں انسانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنی مرغن اور مقوی غذا کو بخوبی ہضم نہیں کرسکتا۔ پس ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنی ضروری غذا کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کھاتے ہیں اس کو بخوبی ہضم نہ کرسکنے کی وجہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ اس لئے یہ لازمی ہوگیا کہ جسم انسانی کو ایسے ذرائع سے جو قدرتی کے بالکل قریب قریب ہوں یہ غیر نامیاتی نمک مہیا کئے جائیں۔ یہی "وائی ٹو فوڈ" کا عمل ہے۔ چنانچہ بچوں کیلئے ضعیف اور ناتوان کیواسطے وائی ٹو فوڈ ایک بہترین غذا ہے۔ اوپر کے دودھ پر پرورش پانے والے بچوں کے لئے بھی یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بیماروں کے لئے ایک بہترین غذا ہے۔ اس کا استعمال دق اور اس کے مماثل دیگر امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ مرض کی حالت میں اس کا استعمال مریض کے جسم میں سل خانہ کی عاملیت کو بڑھاتا ہے۔ جس کی بدولت مریض جلد صحت پاتا ہے۔

قیمت:۔ فی ڈبہ خورد ۸ر بذریعہ وی پی ۱۲ر ڈبہ کلاں ؎ بذریعہ وی پی ؎ ہر مشہور دوافروش کے پاس سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

جے اینڈ جے ڈی شین

رزیڈنسی روڈ متصل اسلیپر تھیٹر حیدرآباد دکن

صاحبزادہ میکش آغائی کا اظہار حقیقت

ہر چند روغن گلبہار کے متعلق توصیفی سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ان گنت محبان وطن نے اپنے تجرباتی فوائد سے پبلک کو مطلع کیا ہے تاہم حقیقت آشنا دل مانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور مجال آرائی کہاں چھوٹا منہ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو ید قدرت نے سحر قدرت نے سحر آفریں اعجاز ودیعت فرمایا ہے جہاں اس کی نکہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اسکی تاثیر بھی عدیم النظیر مشاہدہ شاہد ہے کہ اسکے استعمال نے بال گرنے موقوف کر دئے درد سر زائل کر دیا تکلیف دہ تکان دور کر دی اسکی عطر افشاں خوشبو مشام جان کو معطر کرتی دماغ کیلئے فرحت و سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ اس کے موجد ملکی ہاشم ہیں۔ یہ ایجاد بلا لحاظ موجد کے لئے باعث صد افتخار و ناز ہے تو ملک کیلئے سرمایہ ناز روغن گلبہار سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں اتنی زیادہ جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہو سکتی ہے جس قدر کہ مرد۔ اہل ملک اور محبان وطن کا فرض ہے کہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک ایسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے۔ یہ ایک عملی حقیقت ہے چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کر دیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہونگے۔

ان احباب مخلصین کا شاکر ہوں جنہوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام ہیر آئل [illegible] جنکی طغیانِ بے تمیزی حشرات الارض کی طرح دن دونی رات چوگنی زیادتی پر ہے۔

مشتہر

منیجر گلبہار کمپنی — افضل گنج حیدر آباد دکن

ماہنامہ سفینۂ نسواں

مدیرہ:۔ صادقہ قریشی

Safina-i-Niswan.

قیمت ۱۰/

قواعد و ضوابط

(۵)

۱۔ سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ ر تاریخ تک شائع کیا جائے گا۔

۲۔ اگر ۲۵ ر تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائیے تا کہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر ہر ماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہو کر پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوگا۔

۴۔ زرِ معاوضہ عوام سے سالانہ للعہ ششماہی عاہر اور فی پرچہ ۶ ر آنہ مقرر ہے نمونہ کے لیئے ۶ ر آنہ کے ٹکٹ بھجوائے۔

۵۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دے کر کارکنانِ دفتر کو مرہونِ منت فرمائیے۔

۶۔ جواب طلب امور کے لیئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

۷۔ ترسیل زرِ معاوضہ اور جملہ استفسارات بنام "منیجر سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے ناقابلِ اشاعت مضامین خرچۂ ڈاک وصول ہونے پر واپس کیئے جائیں گے۔

۸۔ چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی اصلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجالانے کے لیئے جاری ہوا ہے۔ لہٰذا ادارہ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شائع کرنے سے احتراز رہے گا۔

۹۔ اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائے گی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لئے جو تذکرہ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں۔ سفینہ معقول زرِ معاوضہ ادا کرے گا۔

۱۱۔ ادارہ سفینہ کو بر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہے گا۔

"منیجر"

(۵)

دولت آصفیہ اور بیرونجات میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے تصفیۂ طلب امور کے لیئے "منیجنگ ایڈیٹر" کو مخاطب فرمائیے۔

ماہنامہ "سفینہ نسواں"
حیدرآباد دکن

مکہ معظمہ

"Safina-i-Niswan" MILAD NUMBER. July 1932.

دار السلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد نسائی آرگن

(ماہنامہ) سفینۂ نسواں کا میلاد نمبر

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی و معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد ۱

نمبر ۵ و ۶

بابتہ ماہ جولائی و اگست ۱۹۳۲ء

مطابق ربیع اول و ثانی ۱۳۵۱ھ

فہرست مضامین

سلسلہ مضامین خاص

فہرستِ تصاویر

ماہنامہ "سفینہ نسواں"
حیدرآباد دکن

مدینہ منورہ

"Safina-i-Niswan"   MILAD NUMBER.   July 1932.

کلام الملک ملک الکلام

قطعہ

مصلحت تھی یہی حضرت کے یہاں آنے میں
تیرگی تا نہ رہے دہر کے کاشانے میں
جب ہوا مہر عرب جلوہ نما اے عثماں
سرنگوں بت ہوئے سجدہ ہوئے بتخانے میں
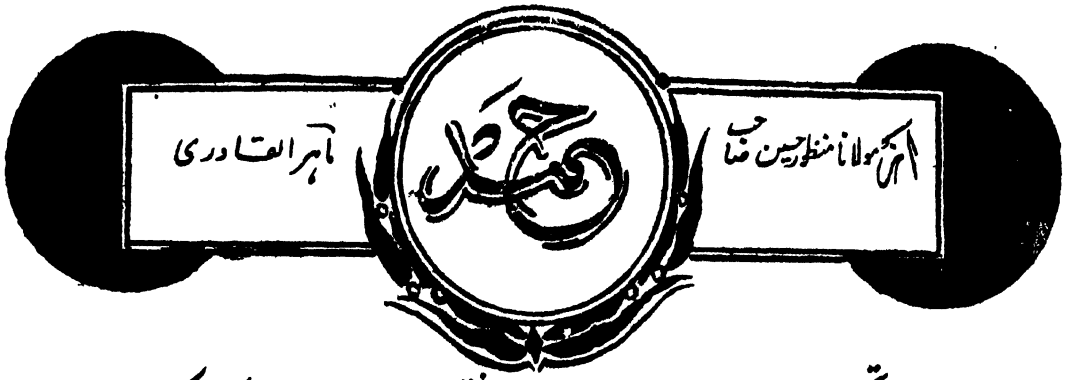
تری شانِ تجمل کا، وقارِ عرش ہے مظہر
ترا نقشِ جلالت، ثبت ہے کعبہ کی عظمت پر

ضیا افگن ہے تیرا حسن، بتخانہ کی دنیا میں
ترے انوار کی تابش ہے فانوسِ کلیسا میں

کہیں موجود ہے رنگ و بہارِ گلستاں بن کر
کہیں ظاہر ہے تو آتشکدہ کی گرمیاں بن کر

ترے حسنِ تحیّر زا کی کوئی انتہا بھی ہے
کہ تو شامل ہے سب میں اور پھر سب سے جدا بھی ہے

ترا سازِ محبت ہے ترنم عندلیبوں کا
چٹک غنچوں کی کیا ہے؟ اِک تری توحید کا نغمہ

ترے حسنِ جہاں افروز کے ہیں مختلف منظر
شگوفے، پھول۔ ذرّے، کہکشاں۔ قوسِ قزح۔ اختر

حدود ذات سے تیرے نہیں ہے کوئی شئے باہر
نشاط و کیف، نوع و جنس، رنگ و بو، عرض، جوہر

تری شانِ ربوبیت ہے ہر معلول کی علت
زمانہ، ظرف۔ مقدار و تجدّد۔ گردش و حرکت

نکلتے ہیں تری تحمید اور تہلیل کے نغمے
کڑک بجلی کی بادل کی گرج شورِ تلاطم سے

ترے ہی نور سے روشن ہیں تھرائی ہوئی آنکھیں
رواں ہوتی ہیں تیرے نام سے چھوٹی ہوئی نبضیں

بیاباں۔ کوہ۔ باغ و دشت و صحرا موج اور ساحل
تری تجرید کے تفرید کے توحید کے قائل

سمجھتے ہیں خدا تجھ کو ثنا کرتے ہیں سب تیری
برہمن۔ شیخ۔ اسقف۔ مُغ۔ پری جن حُور اور قدسی

سمجھ سکتے نہیں ہرگز حقیقت تیرے جلووں کی
بصیرت فہم۔ ادراک و تخیل ہوشِ انسانی

ہر اک اِن میں ہے تابع تیرے قاہر حکمِ محکم کا
ارادہ۔ آرزو خواہش۔ تمنا۔ ولولہ۔ جذبہ

غریبوں کی تڑپ میں اور یتیموں کی نگاہوں میں
تری رحمت کے جھونکے بند ہیں بیوہ کی آہوں میں

تری قدرت سے ہوتے ہیں چٹانوں سے رواں دھارے
تری رحمت سے گولا پھول بن جاتے ہیں انگارے

بہا لاتی ہے گزرے دور کو موجِ کرم تیری
قسم کھا کر میں کہتا ہوں زلیخا کی جوانی کی

سماجت سے تری چوکھٹ پہ کرتی ہیں جبیں سائی
پہاڑوں کی بلندی اور دریاؤں کی گہرائی

تری قدرت کی طاقت کا یہ اک ادنیٰ کرشمہ ہے
زمیں کے سخت پردے نرم دانہ چیر دیتا ہے

ترے حسنِ جلالت خیز کی گرمی اگر چاہے
ابھی سارا زمانہ برف کی صورت پگھل جائے

جو تو چاہے مرے سولا تو کانٹے خون ٹپکائیں
رگیں پھولوں کی پتھر سے زیادہ سخت ہو جائیں

ترے جلوے طلسم رنج و کلفت توڑ دیتے ہیں
ترے جود و کرم ٹوٹی امیدیں جوڑ دیتے ہیں

کلام فصاحت التیام حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

بنہ بر پائے احمد سر کہ یابی صد وقار اینجا
زر اینجا۔ گوہر اینجا۔ حشمت اینجا افتخار اینجا

بہ طیبہ چوں در آیم با ہزاراں شوق می خوانم
من اینجا۔ زندگی اینجا۔ اجل اینجا مزار اینجا

ز داغِ عشق سر در سینہ گلزارِ جناں و ارم
گل اینجا۔ لالہ اینجا۔ سنبل اینجا۔ نوبہار اینجا

زہے مستی کہ باشد در خیالِ ساقیِ کوثر
خُم اینجا۔ جام و مے اینجا۔ سرور اینجا خمار اینجا

نباشد جائے من جز آستانِ مصطفیٰ عثماںؔ
سر اینجا۔ سجدہ اینجا۔ بندگی اینجا۔ قرار اینجا

از استاذ السلطان حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

ہم ایسا آپ کا پاتے تو آتے اپنی آنکھوں سے
گہر اشکوں کے روضے پر چڑھاتے اپنی آنکھوں سے

زیارت کی تمنا میں خیالِ رنج و راحت کیا
کڑی جو راہ میں پڑتی اُٹھاتے اپنی آنکھوں سے

نظر آتا کوئی تنکا اگر یثرب کی گلیوں میں
اُٹھاتے اپنی پلکوں سے لگاتے اپنی آنکھوں سے

جلا کر شمع ساں دل کو مزہ لیتے محبت کا
کھڑے روضے پہ ہم آنسو بہاتے اپنی آنکھوں سے

در و دیوار کے انوار نظروں میں سما جاتے
وہ نقشہ اپنے دل پر کھینچ لاتے اپنی آنکھوں سے

خدا کرتا کبھی حضرت سے آنکھیں چار ہو جاتیں
ہم اپنا دردِ دل سب کہہ سناتے اپنی آنکھوں سے

یہ سنتے ہیں کہ آنسو موتیوں میں تولے جائیں گے
مزہ ہوتا جو ہم دریا بہاتے اپنی آنکھوں سے

تصور گر اُچٹتا بھی تو رو کر پھر جما لیتے
ہم اپنے پیارے روضے کو سناتے اپنی آنکھوں سے

بلا سے ہوش جاتے دیکھ تو لیتے نگہ اُن کی
ہمیں وہ کاش دیوانہ بناتے اپنی آنکھوں سے

نگاہِ لطف ہی کافی تھی بیمارِ محبت کو
نہ سنتے حال لیکن دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

جلیل اشکِ ندامت جوش پر آتے تو کیا کہنا
ہم اپنی بگڑی حالت کو بناتے اپنی آنکھوں سے

(۰)

نعت

از محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ قمر

جاگ او گنبدِ خضرا کے بسانے والے
سکۂ اسلام کا دنیا میں بٹھانے والے

ظلمتِ کفر و ضلالت کے مٹانے والے
رایتِ حق کے زمانے میں اڑانے والے

خوف و امید ہمیں حق سے دلانے والے!!

تھا ملائک کو جو سجدہ کا وہ حکم محکم
نور سے تیرے منور تھی جبینِ آدم

بخششیں کون و مکان بستۂ ایجاد کرم
حشمت و جاہِ دو عالم ہیں ترے زیرِ قدم

جاگ او ذرہ کو خورشید بنانے والے!!

بڑھ کے پہنچائی گئی سب سے مصیبت تجھ کو
اور کفار نے دی سخت اذیت تجھ کو

حق نے لیکن دئیے وہ پائے عزیمت تجھ کو
دے سکی قوت و سطوت نہ ہزیمت تجھ کو

مرحبا وہ فقط اللہ سے ڈرانے والے!!

جو شجر خون سے سینچا تھا ترے یاروں نے
اس کو برباد کیا اپنے ہی غمخواروں نے

چار جانب سے ہمیں گھیرا ہے کفاروں نے
شانِ اسلام مٹا دی ہے سیہ کاروں نے

المدد! خلق کو ظلمت سے بچانے والے!!

دیکھ اغیار کے ہاتھوں سے پسے جاتے ہیں
نام لیوا ترے دنیا سے مٹے جاتے ہیں

حوصلے پست ہیں جی اپنے چھٹے جاتے ہیں
موجِ طوفانِ حوادث میں بہے جاتے ہیں

المدد! کشتیٔ امت کے ترانے والے!!

قوم کا حال قمرؔ آہ بتائے کیونکر
جو گزرتی ہے غلاموں پہ سنائے کیونکر

تشنگیٔ شوقِ حضوری کی بجھائے کیونکر
درِ اقدس ترا آنکھوں سے لگائے کیونکر

اُدھر اک درد مصیبت کے مٹانے والے!!

اعانت

حقیر "سفینہ" کے لئے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ
وہ بہت ہی قلیل مدت میں دکن کی بعض ممتاز و علم پرور ہستیوں کی
توجہ خاص کو اپنی طرف مبذول کرا لیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں سرکار
ذی وقار نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ نے ازراہ عنایت اس کی سرپرستی
فرما کر ہمت افزائی فرمایا ہے یقین ہے کہ یہ حقیر ماہ نامہ
آئندہ بھی الطاف و کرم سے مستفیض ہوتا رہیگا۔

"ادارہ"

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بیسیوں دشواریوں اور صدہا مشکلات کے بعد آج میلاد نمبر پیش کر رہی ہوں۔ مشکلات اور دشواریوں کا مفصل اظہار طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لئے میں مختصراً عرض کرونگی۔ تاکہ جن بہنوں کو یہ شکایت ہے کہ رسالہ بروقت شائع نہیں ہوتا۔ وہ دور ہو جائے۔ اس خرابی کے دفیعہ کے لئے میں اپنی حد تک ہر امکانی کوشش صرف کر رہی ہوں۔ مگر مجبور ہوں ایک نہ ایک رکاوٹ ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ پناہ بخدا۔

زیر نظر نمبر کا میں نے ابتدا ہی سے اعلان کیا تھا اور خصوصاً گذشتہ "محرم نمبر" میں اسکی تفصیل بھی درج کر دی گئی تھی

اعانت

حقیر سفینہ کے لئے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ وہ بہت ہی قلیل مدت میں دکن کی بعض ممتاز و علم پرور ہستیوں کی توجہ خاص کو اپنی طرف مبذول کرا لیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں سرکار ذی وقار نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ نے ازراہ عنایت اس کی سرپرستی فرما کر ہمت افزائی فرمایا ہے یقین ہے کہ یہ حقیر ماہنامہ آئندہ بھی الطاف و کرم سے مستفیض ہوتا رہیگا۔

"ادارہ"

اور مضامین کے وصول ہونے کی آخری تاریخ ۵ جولائی مقرر کی گئی۔ اب آپ یہ سنکر یقیناً مجھے قابل معافی قرار دیں گی کہ مجھے میلاد نمبر کیلئے ۱۵ جولائی کے بعد سے مضامین ملنے شروع ہوئے۔ جس کا سلسلہ اگست تک بھی جاری رہا اور یقین ہے کہ اب جب کہ آپ کے ہاتھ میں "میلاد نمبر" موجود ہوگا میرے پاس مضامین برابر آتے رہیں گے۔ بھلا بتلائیے ایسی صورت میں میں کیا کر سکتی ہوں؟ سوائے اس کے کہ اپنی لاچاری کو سنوں اور صبر کر گزر رہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ "میلاد نمبر" کے لئے مضامین کا ملنا محض اس لئے دشوار ہے کہ "آج کل ہم مذہب سے بیگانہ ہیں" تو بے اختیار میری روح کانپ اٹھی کہ الٰہی ہمارا یہ بیگانہ پن کیا رنگ لائے گا۔ ادھر میں کہ جبھی احساس

پیدا ہوگا۔ بجائے "میلاد نمبر" کے اگر کسی "مغربی ریفارمر" کی حیات کو مرتب کرنے کا اگر میں اعلان کرتی تو توقع سے زیادہ عمدہ پاس مضامین پہنچ جاتے۔ جن کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک ایسی ضخیم کتاب ہوتی جو آج تک خود مغرب میں اس موضوع پر کوئی ایسی تصنیف موجود نہ ہوگی، غرض اسی انتشار اور افسوس کے عالم میں میں نے "میلاد نمبر" کا خیال ترک کر دیا تھا، اور "معمولی نمبر" کے لئے مضامین کو ترتیب دیکر کتابت کے لئے بھیج دیا۔ اور اس کی اطلاع میں نے اپنی اکثر کرم فرما بہنوں کو بھی دیدی کہ وہ بھی میرے ساتھ ہماری بے حسی اور بیگانگی پر آنسو بہائیں۔ اب سنئے! ٹھیک اسی دن جب کہ مذکورہ (معمولی) نمبر کی کتابت ختم ہوئی۔ میلاد نمبر کے سلسلے میں، بلدہ اور اضلاع سے اکثر مضامین ملے اور ادھر بیسیوں بہنوں کا اصرار رہا کہ "چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو مگر میلاد نمبر ضرور نکلے" ایک بہن نے یہاں تک لکھا ہے کہ:—

"........ اس خصوصیت کا سہرا صرف عزیز "سفینہ" ہی کے سر رہا کہ اس نے تمام ہندوستان کے نسوانی رسائل کی موجودگی میں، سب سے پہلے بعد شان "محرم نمبر" نکال کر "شہید اعظم" اور دیگر رفقاء کی بے بسی پر اپنے آنسوؤں کی حقیر چادر چڑھایا........ میں یہ ہرگز گوارا نہ کروں گی کہ آپ "میلاد نمبر" کا خیال چھوڑ دیں، دیر ہو تو پرواہ نہیں۔ مگر ضرور "عید الاعیاد" نمبر نکالئے، تاکہ اس دوسری خصوصیت کا فخر بھی صرف "سفینہ" کو حاصل رہے۔ آپ اگر "میلاد نمبر" نکال دیں گی تو دور حاضرہ کے سارے نسوانی جرائد میں پیارا "سفینہ" محض اس کے مذہبی لگاؤ کی وجہ ایک امتیازی شان حاصل کرلیگا......"

بہرحال اس اصرار اور خود میری دلی خواہش نے مجھے مجبور کیا کہ تیار شدہ کاپیوں کو رکھ چھوڑوں اور "میلاد نمبر" نکالوں جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ تو میں نہیں کہتی کہ یہ ہر طرح کامیاب رہا۔ جس پرچے کی تیاری کے لئے مجھے صرف پندرہ دن ملے ہوں بھلا وہ کیا کامیاب ہو سکتا ہے؟ ہاں! اپنی عزیز بہنوں کے حکم کی تعمیل تو ایک حد تک ہو گئی ———— خدا میری کوشش مشکور کرے۔ آمین۔

"محرم نمبر" میں جس مقابلہ کا ذکر تھا، کچھ اس کی بھی سن لیجئے! مقابلہ کی تاریخ ۵ جولائی اور مضامین ملتے رہے ۵ اگسٹ تک، اور وہ بھی اس اصرار کے ساتھ کہ انہیں "ضرور" میلاد نمبر" میں شریک کیجئے۔ آخر میں نے اپنی ان بہنوں سے مشورہ لیا جن کے نام اس سے پہلے لکھے گئے تھے، سب کی یہی رائے رہی کہ "جس قدر مضامین وصول ہوئے پہلا انہیں شائع کر دیجئے۔ اور میں نے بھی یہی کیا ہے۔ (باقی مضمون بر صفحہ ۱۰۲ ملاحظہ ہو)

پیغمبرِ عالم

(از محترمہ بشیر بیگم صاحبہ (مسز محمد عبدالسلام ایم اے ال ال بی علیگ)

رسول خدا کی مقدس آپ زندگی پر سینکڑوں قابل مصنفین نے اپنی بیش بہا اور غیر فانی تصانیف لکھ چھوڑی ہیں۔ جن کے مطالعے کے بعد مجھ جیسی ناخواندہ کا مضمون بھر ایسی عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی پر یقیناً ایک قسم کی جسارت ہے۔ لیکن خلوص اور وفورِ شوق نے مجھے ذیل کی چند سطور ہدیۂ ناظرین کرنے پر مجبور کیا۔ ممکن ہے کہ میرا مضمون معزز بہنوں کے لیے سبق آموز ہو اور وہ رسالت مآب کی نیک زندگی سے ایک قیمتی سبق حاصل کریں۔ جس کو وہ تقریباً بھولتی جا رہی ہیں!

آج میں ایک ایسی برگزیدہ ہستی کا ذکر کر رہی ہوں جس کے اظہار سے قلم میں لرزش پیدا ہو رہی ہے۔ سرکارِ دوعالم حضرت محمد صلعم دوشنبہ ۲۲ر اپریل سنہ ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں حضرت بی بی آمنہ کے بطنِ مبارک سے تولد ہوئے اور ۲۲ر فروری سنہ ۶۱۰ء کو منصبِ نبوت سے مشرف ہوئے۔ چالیس سال تک آپ ایک ہمدرد انسان۔ محبِ وطن اور راست گو تھے۔

زمانۂ نبوت تک گمراہی اور جہالت کی ہوائیں عرب کے باشندوں میں سرایت کر چکی تھیں۔ ان کا کوئی فعل ایسا نہ تھا جس کو گناہ سے نہ تعبیر کیا جاتا ہو۔ اونٹوں اور بھیڑوں کی گلہ بانی گرسنگی اور افلاس۔ رنج و مشقت۔ جاہل پن۔ وحشت۔ فسق و فجور۔ ان سب باتوں میں گرفتار تھے۔ شراب پیتے تھے۔ حرام کھاتے تھے۔ اپنے خون سے سینچی ہوئی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے۔ سفاکی اور رہزنی ان کا شیوہ تھا۔ ذرا سی بات پر تلوار سونت لینا ان کا کام تھا۔ غرض وہ درندوں سے بھی بدتر تھے اور حقیقت میں وہ گناہوں سے مرکب تھے۔ عین اُس حالت میں جب کہ اُن کی گمراہی کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے مقدس نبی کو اُس سرزمین میں پیدا کیا اور توحید جیسی سچی اور مقدس کتاب دے کر بھیجا۔

اپنے نبوت کے بعد توحید کی کھلی آیتوں کے ساتھ خدا اور اپنی رسالت کو پیش کیا۔ اُن کو خدا کی طرف اور دینِ مبین کی طرف دعوت دی۔ ایسے جاہل اور وحشیوں میں جن کا شیوہ بت پرستی تھا۔ دینِ اسلام کی تلقین ایک آسان کام نہ تھا۔

لیکن آپ اپنے کام میں کامیاب رہے۔ آپ کی کامیابی میں تین باتیں معاون رہیں۔ پہلی دینِ حق کی سچائی، دوسرے خدا کی اعانت، تیسرے آپ کی راست گوئی تھی۔

میں اپنی بہنوں کو بتلاؤں گی کہ دینِ اسلام پھیلانے میں راست گوئی نے کتنا کام کیا۔ یہ بات تو مانی ہوئی ہے کہ آنحضرت صلعم بچپن سے ہی عرب میں راست گو مشہور تھے۔ آپ کی امانت و دیانت کے قصے عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ چنانچہ آپ کا لقب مبارک "امین" ہو گیا تھا۔ ہر کوئی آپ سے محبت کرتا تھا اور آپ اس کے دل میں گھر کر لیتے تھے۔ چونکہ آپ ایک ہمدرد انسان تھے۔ لہٰذا ہر کس و ناکس کے ساتھ آپ کی ہمدردی سونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھی۔

خطۂ عرب کا ہر فرد آپ پر بھروسہ کرتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی معاملہ میں آپ کی گواہی سارے عرب کی گواہی پر فوقیت رکھتی تھی۔ نبوت کے بعد آپ نے سارے عرب کو اسلام کی دعوت دی۔ ابتداً آپ نے ایک تقریر کی جس میں آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "اے باشندگانِ عرب کیا تم سے کوئی میری باتوں کو جھوٹ تو نہیں سمجھتا؟" سبھوں نے یکبارہ چلا کر کہا "ہرگز نہیں" پھر آپ نے فرمایا۔ "جو کچھ کہ میں کہوں گا۔ کیا تم اس پر یقین کر لو گے؟" سبھوں نے کہا "بیشک" تب آپ نے دینِ اسلام کی تلقین شروع کی اور پھر آپ نے خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کے متعلق کہنا شروع کیا۔ سارے کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ آپ کی حق گوئی پر سخت برافروختہ ہوئے۔ انہوں نے آپ کی سخت مخالفت کی اور آپ کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینا شروع کیں۔ لیکن وہ دل میں ضرور قائل تھے کہ ایک راست گو کبھی راست گوئی سے ہٹ نہیں سکتا۔ انہیں یقین کامل تھا کہ حضرت محمد صلعم کے زبان سے ایک لفظ بھی کذب کا نہیں نکل سکتا۔ رفتہ رفتہ آپ کی تعلیم کی ضیا پاش کرنوں نے اُن کے سیاہ اور گناہ سے بھرے ہوئے دلوں میں اُجالا کر دیا۔ آپ کا ایک بڑا وصف حق گوئی تھا۔ جو آپ کی کامیابی میں معاون رہا۔

اب میں اختصار سے کام لوں گی۔ کیونکہ حضرت کے کارنامے آپ کی ثابت قدمی اولوالعزمی

آپ کے خصائل اور پھر آپ کو دین اسلام پھیلاتے ہوئے جن جن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر ان کی تشریح کی جائے تو بلا مبالغہ کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے و نیز کوئی نئی باتیں نہیں ہیں۔ جس کو تقریباً سبھی جانتے ہیں۔ اب میں صرف آپ کے خصائل حمیدہ لکھنے پہ اکتفا کرتی ہوں جو یقیناً بیش بہا جواہر سے بھی بڑھ کر ہیں۔

حضرت رسول خدا صلعم کا مقام رفعت بہت بلند ہے۔ اس ذات عظیم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان کنگھی کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز رہے۔ آپ نے کہہ دیا سب آدمی ہم رتبہ ہیں۔ سب آدم کی اولاد ہیں۔ آپ نے قبول نہیں کیا کہ انسان کی دو قسمیں ہوں ظلیم اور غیر عظیم آپ کی نظر میں خوش حال اور بد حال فقیر اور بادشاہ سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔ حضرت رسول اکرم صلعم نے انسانی ساخت کی یہ عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی۔ اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند فرمایا۔ حالانکہ یہ آپ کے اختیار میں تھا۔

یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ آپ کے قدموں پر لوٹی۔ مگر آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اور اس سے ذرا بھی رغبت ظاہر نہ کی۔ خدا نے اختیار دیا تھا کہ عبدیت کے ساتھ نبی ہوں یا بادشاہت کے ساتھ نبوت۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تاج و تخت کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر آپ نے عبدیت پسند کی۔ غربت اختیار کی۔ آپ کی روح مقدس و مطہر کی خوشی اس میں تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں۔ فقیری میں دنیا سے جائیں۔ فقیروں کے زمرے میں اٹھائے جائیں۔

جو لوگ بادشاہت اور اُس کی عظمت کے پجاری ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت رسول اکرم صلعم نہ تو بادشاہ تھے اور نہ بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر لامحالہ آپ کو بادشاہ قرار دیا جائے تو آپ کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگلاخ جزیرہ یعنی جزیرۃ العرب!

جو لوگ مال و جاہ دنیوی عظمت کے آگے سرنگوں ہیں وہ دیکھ نہ سکتے ہیں کہ حضرت مال و دولت سے تہیدست تھے۔ آپ کی دولتوں کا خزانہ فقر و فاقہ تھا!

حضرت فانی عظمتیں رکھنے والے نہیں تھے آپکی تاریخ لکھنے والوں کو آپ کی عظمت۔ ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہئیے۔ اگرچہ دنیا ان مظاہر پر مرمٹی ہے۔ حضرتؐ کی عظمت صرف ایک ہی کلمہ میں مِل سکتی ہے۔ آپ کی عظمت صرف دس بارہ حرفوں میں ہے۔ وہ کیا ہے۔ کلمۂ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ۔ مال و دولت کی عظمت، جاہ وعزت کی عظمت، حکومت و سلطنت کی عظمت، علوم وفنون کی عظمت۔ ان میں سے کوئی عظمت بھی اس عظمت کو نہیں پہونچ سکتی۔ بلکہ یہ تمام عظمتیں مل کربھی اس عظمت کو نہیں پہونچ سکتی۔ جو کلمۂ لا الٰہ الا اللہ میں ہے۔ اس عظمت کے آگے تمام عظمتیں اور شوکتیں ہیچ ہیں۔

حضرت محمد صلعم اس دنیا میں آئے اور اس کلمہ کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اس کی قدر نہ کر سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا۔ لیکن وہ ایک ہی کلمہ دنیا سے ٹکرایا۔ اس میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ اُس وقت کے انسانی آداب اس کے متحمل نہ ہوسکے۔ لہذا آداب وعادات کے پرستار اس سے لڑنے کھڑے ہوگئے۔ اوہام اور خرافات نے اُسے قبول نہ کیا۔ لہذا اوہام وخرافات کے پجاری اُس سے دست و گریباں ہوئے۔ ظلم واستبداد کی طبیعت نے اُس سے کراہت کی۔ لہذا ظلم واستبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اس پر دوڑ پڑے۔ صرف ہی ایک کلمہ تھا جس پر حضرت محمد صلعم نے جنگ کی تھی۔ اس کی قوت سے بادشاہوں کے، دولت مندوں کے، عوام وخواص کے اور تمام انسانوں کے جتھوں سے جنگ کی۔ حضرت محمد صلعم دنیا سے چلے گئے۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور ——— اپنی ناممکن التغیر قوتِ قاہرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا۔ وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی گامزن ہے اب بھی مستعد مقابلہ ہے۔ اب بھی جنگ سے منہ موڑنے والا نہیں۔ مگر کیسی جنگ؟ ایسی جنگ جس میں آج تک شکست نہیں ہوئی۔ جسم وآلات کی جنگ نہیں۔ حقیقت ومعنی کی جنگ۔ خون کی آرزومند جنگ نہیں۔ زندگی کی کارفرما جنگ۔

اب بحث یہ ہے کہ کلمۂ توحید یا توحق ہوگا یا باطل۔ اگر وہ باطل ہے۔ حالانکہ نہیں ہے۔)

تو وہ عالم وجود سے اس طرح باطل ہو جائے گا جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریئے محو ہو گئے علم حق اور عقلِ صادق کی روشنی میں اس طرح غائب ہو جائے گا۔ جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمتِ شب کافور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے۔ (حالانکہ وہ حق ہے) تو علم و عقل حق کے انوار اس کے لئے اس دنیا میں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کرلے۔ تمام دلوں میں اتر جائے۔ کالے، گورے، عرب، عجم، عالم، جاہل، امرا، فقرا سب اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں! حق و باطل کا فیصلہ نہ صلیبوں کی تلواریں کرسکیں نہ مجاہدین کی شمشیریں، حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کارخانے سے ہو سکتا ہے۔ نہ پیشوا ایانِ دین کے خود ساختہ دعووں اور مرعوب کن دلیلوں سے۔ نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں اور مقدس جمود و تقلید کی راسخ الاعتقادیاں۔ یہ تمام چیزیں گھر کے تودے سے زیادہ نہیں ہیں جو علم حق کے نور کے دیکھتے ہی فنا ہو جائے گا۔ علمِ حق کا ہیبت نعرہ بلند ہوتے ہی سکونِ موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس وقت عقل و صادق کا سلطانِ عظیم۔ نورانی تاج سر پہ رکھے حریت کے پرچم اڑاتا جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا اور جہل و ظلمت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ جب صرف علم حق ہی کی سلطنت ہوگی۔ جاہلوں کی جہالت متعصبوں کا تعصب۔ وہم پرستوں کے اوہام مدعیاں باطل کے دعوے نیست و نابود ہو جائیں گے اور یہ کلمہ گونجتا رہے گا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

فقیر شاہنشاہ

—(انہما)—

مولانا عبدالرزاق صاحب بسمل

جب کہ دنیا میں ہوا ذاتِ مقدس کا ظہور | ہو گئی زیر و زبر شاہوں کی شان آرائی
تھے غلاموں کے بھی دل ایسے غنی اور قانع | گنجِ کسریٰ پہ بھی نیت نہ کبھی للچائی
وقف کونین کی دولت تھی وہ حاصل تھا وقار | پانوں پر لوٹنے شاہی تھی عرب کی آئی
باوجود ایسے حشم اور خدم کے پھر بھی | زندگی آپ نے کس درجہ تھی سادہ پائی
حال یہ تھا کہ تمام عمر کبھی دونوں وقت | نہ غذا ہو کے شکم سیر کبھی تھی کھائی
حجرۂ فقر میں ایسے بھی کٹے دو دو دن | نہ خور و نوش کے تیاری کی نوبت آئی
یوں بھی ہوتا تھا کہ مہمان کے آجانے سے | مطبخِ سرد میں دی آگ کبھی دکھلائی
”عائشہؓ“ کہتی ہیں وہ دن تو مجھے یاد نہیں | کہ غذا صبح و مسا پوری میسر آئی

ایک ”ہم“ ہیں کہ نہیں حرص سے خالی کبھی دل
ایک ”وہ“ ذات تھی جو فقر میں لذت پائی

———(-)———

اسلام کی دنیوی برکتیں

(انشا)

محترمہ "ن" بیگم صاحبہ نفیس

آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں ہر طرف شرک و کفر کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ یونان کا چراغ حکمت گل ہو چکا تھا۔ افلاطون و ارسطو کی درسگاہیں جہاں الہامات کے سبق دئے جاتے تھے وہاں جہالت کا کامل دخل تھا۔ دنیا خدا شناسی سے بالکل معدوم تھی۔ تہذیب و شائستگی کا نام و نشان نہ تھا۔ مرد عموماً لہو لعب میں مشغول تھے۔ عورتوں کی کوئی ہستی نہ تھی۔ کثرت نسل کو برا سمجھتے تھے۔ اور عام طور پر یہ بات یونانیوں کے دلنشین تھی کہ ایک سے زیادہ اولاد کا ہونا بہتر نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک سے زیادہ لڑکے ہوتے تو قرعہ ڈال کر جس کا نام نکلتا اُسے کوہِ ایلبس کی چوٹی پر لے جا کر دھکیل دیتے تھے یونانی غیر ملکیوں کو وحشی کہتے تھے۔ لونڈیوں اور بے تعداد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا۔ عورتیں نیلام ہوتی تھیں اور یہ تو عام رواج تھا کہ کمزور لڑکے قتل کر دئے جاتے تھے۔ ایک انسان دوسرے انسان پر وہ جور و ستم ڈہاتا تھا کہ الامان۔ درندوں کی سی حالت تھی۔ جس طرح کہ ایک طاقتور جانور دوسرے کمزور جانور کو نہایت بیرحمی سے چیر پھاڑ کر پیٹ بھر لیتا ہے۔ وہی حالت اُس وقت انسان کی تھی۔ جس ملک پر نظر ڈالئے وہاں بہیمیت اور بربریت کا دور دورہ تھا۔ دنیا کی تاریخیں خود اس کی شاہد ہیں۔ روم کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہزاروں انسان ہیں کہ خود اپنے ہمجنس کے ہاتھ گراوٹ ہیں۔ کہیں اُن پر بیدردی سے زد و کوب کیا جا رہا ہے کہیں اُن کا گوشت تراشا لیا جاتا ہے کہیں اُن کو تماشا گاہ میں شیروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ایک انسان کو ایک شیر پھاڑ ڈالتا ہے دوسرے انسان کھیل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

عرب کا کیا پوچھنا ہے۔ یہاں تو بہیمیت کی انتہا ہو چکی تھی۔ اگر ساری دنیا اِن قبیح اوصاف میں کامل تھی تو عرب اس میں اکمل تھا۔ ہر طرح کی بد اخلاقیاں مثلاً قمار بازی۔ خونریزی۔ قزاقی۔ رہزنی۔ شراب خواری زناکاری اور دختر کُشی ارکانِ مذہب سے تھے۔ جنگ و جدال اُن کا شیوہ تھا۔ جہالت کی تاریک گھٹا ملک پر چھائی ہوئی تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر ہزاروں بندگانِ خدا کے خون سے دریا بہا دیا جاتا تھا۔ خاندانی شان و شوکت و قومی شرافت ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔ اس مطلب کے لئے خاص میلے ہوا کرتے تھے جہاں بڑے بڑے خاندانوں کی طرف سے قصیدے پڑھے جاتے تھے جس میں اپنی برتری کا نہایت تزک و احتشام سے تذکرہ کیا جاتا تھا۔ یہ حالت صرف عرب ہی کی نہ تھی بلکہ تمام دنیا پر بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جو ممالک کسی زمانے میں تہذیب و تمدن کا منبع اور مرکز تھے وہ برائیوں اور بد اخلاقیوں کا گھر بنے ہوئے تھے۔

ایران میں عام طور پر آتش پرستی کا رواج تھا۔ چاند۔ سورج اور ستاروں کی پرستش کی جاتی تھی۔ دو خدا اہرمن اور یزدآن معبود مانے جاتے تھے۔ قمار بازی۔ شراب خوری اور زناکاری عام تھی۔

رومی ہمیشہ بحرِ روم کے چاروں طرف کی قوموں سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ بت پرستی رائج تھی۔ یہ عیاش بدکردار عیش و عشرت کے دلدادہ اور فسق و فجور کے شیدا تھے۔ بتوں پر قربانی کی جاتی تھی۔ انسان بھینٹ چڑھتا تھا عورتیں اور مرد غلام بنائے جاتے۔ عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی۔ شوہر کی بے شمار بیویاں ہوتی تھیں۔

مصر میں جہل مرکب کا دور تھا۔ جب غیر ذی روح کو اہلِ ملک کے لئے مفید و نفع رساں سمجھتے اس کے لئے قربانی کرتے اور بھینٹ چڑھاتے تھے۔ دریائے نیل کو ہر سال ایک نوجوان اور حسین لڑکی نذر دیا کرتے۔ علم حکمت کے پڑھنے والوں کو سزائے موت دے جاتی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ رہبانیت اختیار کر کے در پردہ عورتوں کی عصمت دری کرنا بزرگی اور دانشمندی کی علامت تھی۔

ہندوستان میں آریوں کے ظلم و تشدد کے زمانے میں قدیم باشندے گونڈ۔ بھیل وغیرہ حلقہ بگوشی اختیار کر چکے تھے جن کو "شودر" کا خطاب عطا ہوا تھا ان کے (۲۳) کمزور دیوتا تھے۔

جن کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ بتوں پر حیوان تو حیوان انسان کی قربانی کی جاتی تھی۔ قمار بازی میں عورتیں تک ہاری جاتی تھیں۔ جب بہیمیت کا دور دورہ شروع ہوا تو اُس نے مذہب کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ بدھ مذہب خارج ہو رہا تھا۔ مورتی پوجا کو ذریعۂ نجات تصور کیا جاتا تھا۔ سندھ کے بعض راجا اپنی حقیقی بہنوں سے شادی کر لیتے تھے۔ غرض وہ تمدن و اخلاقِ علم اور شرمِ و حیا اپنی بربادی پر خون کے آنسو بہا رہی تھی۔

کسی کو کیا خبر تھی کہ سرزمینِ عرب کے وہ ذرّے جو حیوانیت کے پاؤں تلے روندے جا رہے تھے وہ ایک دن فلکِ عظمت کے روشن تارے بن کر چمکیں گے اور گمراہوں کی رہنمائی کا باعث ہوں گے۔

اگرچہ کہ سارے کا سارا عرب اور اُس کے کروڑوں باشندے دنیا کی نظروں میں بالکل حقیقت بے تھے لیکن جس وقت خاورِ اسلام کی صبح صادق کوہِ فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوئی اور اُس کا خوبصورت چہرہ اُفقِ یثرب سے طلوع ہوا۔ یعنے جب واحدِ مطلق نے ہمارے رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تو ایک نہایت مختصر سی میعاد میں ضوتاباں کرنوں سے عرب کا ذرّہ ذرّہ منوّر ہو گیا۔

آنحضرت صلعم نے صرف قبائلِ عرب ہی کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو یکسوئی اور اتحاد کی تعلیم دی۔ دس بارہ سال کے اندر تمام قبائلِ عرب کے سر علمِ نبوت کے آگے جھکے ہوئے تھے۔ اسلام نے اِس وحشی قوم کو قلیل عرصہ میں ایک پارسا قوم بنا دیا۔ دشمن بھائی بھائی تھے۔ چوری تھی نہ قزاقی بلکہ ایک دوسرے پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار تھا۔ تعلیمِ اسلام نے اس قوم کو قمار بازی۔ زناکاری اولاد کشی اور کثیر الازدواجی سے نجات دی۔

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے والے اصحاب اس بات سے ناواقف نہ ہوں گے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو اہلِ عرب میں منافرت و مخاصمت کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ اُس کا بڑا سبب نسبی فخر تھا۔ ایک معمولی شتربان بھی اپنی شرافت نسبی کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کی حکومت کو ذلیل و خوار سمجھتا تھا۔ اس زمانے میں صرف عرب ہی کی یہ حالت نہ تھی۔ بلکہ شرق سے غرب تک تمام ممالک

اس مہلک مرض میں مبتلا تھے اور ہر طرف قومی اور نسلی شرافت پر فخر و ناز کے نعرے بلند ہوتے تھے ۔ یہی چیزیں تھیں جنہوں نے انہیں کبھی اُبھرنے نہ دیا ۔ لیکن جب اسلام نے ان کو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ کا سبق پڑھا کر باہم شیر و شکر کر دیا تو انہوں نے واعتصموا بحبل اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑا اس تائید الٰہی شامل حال ہوئی ۔ جس کی برکت سے وہ سارے عالم پر چھا گئے اور ہر جگہ اُن کی حکومت کا پرچم لہرانے لگا ۔ عرب کی وادیوں میں جس دین نے توحید کے ڈنکے بلند کئے تھے وہ وہی تھا جس نے ادنیٰ اعلیٰ امیر و غریب شاہ و گدا غلام و آقا سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے انما المومنون اخوۃ کی تعلیم دی اور بتا دیا کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو ۔ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسلام نے قومی غرور اور نسبی فخر کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ " اے لوگو انسان ہونے میں تم سب یکساں ہو تم کو اپنی حقیقت پر غور کرنا چاہئیے ۔ ہم نے تم کو ایک ہی نر و مادہ یعنی آدم و حوا (علیہ السّلام) سے پیدا کیا ۔ اس لئے تم سب نسبت حقیقی میں یکساں ہو اور کسی کو کسی پر فخر و تفاخر کا حق حاصل نہیں " ۔ ؎

بنی آدم اعضائے یکدگرانذ ۔۔۔ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

یہی وہ دنیا کا تنہا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کی حمایت میں آواز بلند کی اور فتنہ اُن تمام مظالم کا خاتمہ کر دیا جو ابتدائے تمدن سے ان پر ہو رہے تھے ۔ دنیا کے اکثر مذاہب نے عورت کو صرف اس نگاہ سے دیکھا کہ وہ مرد کی غلام ہے اور اس کو انسانی تہذیب و معاشرت سے کسی قسم کا تعلق نہیں لیکن اسلام کے نزدیک مرد و عورت سب برابر ہیں ۔ اس بنا پر مرد و عورت کی تفریق جو ہر مذہب میں چلی آتی تھی اسلام نے یہ کہہ کر مٹا دیا ۔

لھن مثل الذی علیھن بالمعروف ۃ یعنی عورتوں کے مردوں پر جو حقوق ہیں اسی قسم کے حقوق اُن کے مردوں پر ہیں ۔ عرب میں اسلام سے قبل لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے اس شرمناک رسم کو اسلام نے یہ کہہ کر مٹا دیا ۔

واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت یعنی جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال ہوگا وہ

کس جرم میں قتل (دفن) کی گئی۔ عرب کی جاہلیت میں یہ عام دستور تھا کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اُس کے بھائی زبردستی اُس کی بیوہ سے عقد کر لیتے یا اُس کو نکاح سے باز رکھتے اور جب اُس سے کچھ حاصل کر لیتے تو نکاح کی اجازت دیتے اسلام نے اس کا بھی دفعتہً خاتمہ کر دیا چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا آتَیْتُمُوْهُنَّ

(یعنی) تم کو یہ جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کو وراثت میں لے لو اور نہ یہ کہ اُن کو روکے رہو تاکہ جو کچھ اُنکو مل چکا ہے اُس میں سے کچھ لے لو۔

روم میں عورتوں کو جائداد میں کچھ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ جو کچھ پیدا کرتیں شوہر کی ملکیت ہوتی۔ اسلام نے اس جابرانہ رسم کا بھی ان الفاظ میں خاتمہ کر دیا۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ (یعنی) مرد جو کمائے ان کا ہے۔ اور عورت جو کمائے اُن کا ہے۔ الغرض اسلام نے توحید الٰہی اور وحدت قومی کو اپنی عمارت کی بنیاد قرار دیا۔ اور عین اس تاریکی کے زمانہ تموّج میں صدائے اسلام عرب کے گوشہ گوشہ سے گونجنے لگی۔ داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے سیدھے سادھے دین کی تعلیم دی۔ جو دیگر مذاہب کی رہبانیت اور پیچیدگیوں سے بالکل پاک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ چشم زدن میں عقائد اور خیالات اور اصول تمدن میں ایسا حیرت انگیز تغیر پیدا کیا کہ سارے کا سارا عرب اپنی مذہبی فوجی اور ہر قسم کی دائمی رقابتوں کو بھول کر اسلام کے نورانی تاروں یعنی توحید الٰہی اور وحدت قومی میں منسلک کر دیا۔ ذات پات کی قید اور قبائل کے منافرانہ جذبات کو فنا کے گھاٹ اتارتے ہوئے اُن کو شیر و شکر کر دیا۔ اور اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ فرما کر سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے کسی شئے کو فخر و امتیاز نہیں بخشا۔ بہرحال اسلام نے مکمل تمدن کی بنیاد رکھی جس کو آج تک متمدن سے متمدن دنیا نہایت احترام سے "اسلامی تمدن" جیسے پُرمعنی اور ستائش خیز فقرے سے تعبیر کرتی ہے۔

فریادِ اُمّت

والیٔ اُمت کی بارگاہِ قدس میں

(از محترمہ نگینہ صاحبہ قاسمی (مومن آباد)

ستائی جا رہی ہے آپ کی اُمت ذرا دیکھو
رسولِ کبریا خیر الامم یا مصطفےٰ دیکھو

کہاں وہ دن کہ ہر سو پرچمِ اسلام اُڑتا تھا
پڑے ہیں ہائے کیسے آج ہم بے آسرا دیکھو

بجز ہم آپ کے حالِ زبوں کس کو سنائیں گے
پریشاں حال ہے اُمت محمد مصطفےٰ دیکھو

گلستانِ جہاں میں ہم کبھی گل ہائے خنداں تھے
پر اب مرجھا گئے اُدا غبارانِ دوسرا دیکھو

بپا ہے شورشِ ظلم و ستم ہر قلبِ مسلم میں
ہوئی جاتی ہے سب کی خرمنِ ہستی فنا دیکھو

اسیرِ پنجۂ حرص و ہوا سارے مسلماں ہیں
نہیں ہے اتحادِ باہمی خیر الورا دیکھو

صدائے الاماں ہر سینۂ سوزاں سے اٹھتی ہے
بسانِ شمع ہر دل رو رہا ہے مصطفےٰ دیکھو

نشانِ اُمتِ احمد مٹانا کچھ نہیں آساں
مٹیں گے خود مٹانے کی ہوس میں پُر دغا دیکھو

ملا سکتے نہ تھے نظریں جو خدّامِ محمد سے
وہ آج آنکھیں دکھاتے ہیں فریِ انسان خدا دیکھو

کمالِ اوج وجہ قعرِ پستی ہے یقیں جانو
ہلالِ نو بنا کامل مگر پھر کیا ہوا دیکھو

نگینہ کو عطا چشمِ بصیرت ہو مرے آقا
گناہوں سے پریشاں حال ہے یا مصطفےٰ دیکھو

———(۰)———

پیارے مدنی آقا!

——(۱)——

جناب سید کریم اللہ احمد صاحب (عثمانیہ)

دنیا کو اُجاگر کرنے والے دیوتا! اِس اندھیری دنیا کو وہ وقت یاد رہے گا۔ جب کہ تیری موہنی صورت نے آسماں کو روشن کردیا اور چندر کی روشنی کو شرما دیا تھا۔ پیارے آقا! دنیا بھاگوان تھی کہ تیری آمد نے اس کی فضا میں چاندنی سے بڑھ کر نور پیدا کر دیا۔

پرماتما نے اس سنسار میں چاند سورج۔ ستارے۔ گل۔ بوٹے پیدا کئے۔ مگر تیری موہنی صورت بنا کر اپنی قدرت کو چمکا دیا۔

پیارے! تیری صورت دیکھنے والے تو خوش نصیب تھے مگر تیرا تصور بھی پریم کی بانسری کی لَے کا کام دیتا ہے۔

پریم کے دیوتا! مکہ کی پہاڑیوں پر تو نے وہ راگ الاپا کہ سارا سنسار جو سوتا پڑا تھا جاگ اُٹھا اور آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

اُو وحدت کے پُجاری! دنیا ایشور کو بھول چکی تھی۔ مورتی پوجا عرب دیس کی جان تھی۔ مگر تیری ایک اُنگلی کے اشارے نے سب کے آنکھوں کو آسمانوں کی طرف اٹھا دیا تاکہ اس ذاتِ یکتا کو ڈھونڈیں جس نے زمینوں۔ آسمانوں کو پیدا کیا۔

اُدھر ایں شانتی کو ڈھونڈھنے والے مہاراج! شانتی تیرے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ تو نے دنیا کے گورکھ دھندوں میں پھنسے ہوئے انسانوں کو اللہ اکبر کے نعروں میں شانتی کا سبق پڑھایا۔

اور شانتی کا دور دورہ ہوگیا۔

یثرب میں چمکنے والے چاند! تیری روشنی نے نہ صرف یثرب کی زمین میں چاندنی پھیلائی بلکہ پردیس بھی چمک اُٹھے۔ وہ چاندنی ایسی مستقل ٹھیری کہ اب تک اندھیرا نہ ہونے پایا۔ تیرا وجود آسمانوں کے چاند سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ تیرے ہی لئے یثرب کی گوپیوں نے یہ پریم کا راگ گایا تھا کہ

طَلُوعُ الْبَدْرِ عَلَیْنَا

اے سبز گنبد میں آرام کرنے والے آقا! اب تیرے داس اور داسیاں تیرے پرچار کو بھولنے کو ہیں۔ توجہ کر۔ اُن کی ناؤ منجدھار میں ہے سنبھال۔ تیری ذرا سی توجہ ان کے ڈوبنے والے بیڑے کو ضرور پار کر دے گی۔

محمد نام کے سردار! تو ہی اسلام کی فوج کا سردار ہے۔ کامیابی اور سرخروئی تیرے ہی ذریعہ میسر آنے والی ہے۔

سچی عبادت

(از مولانا سید تمکین کاظمی صاحب)

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں   قسم اللہ کی وہ تو کیلئے بندوں تجارت ہے

جو زاہد کرتے ہیں سجدے ہزاروں خوف دوزخ سے   میں سچ کہتا ہوں وہ تو نارِ دوزخ ہی کی قیمت ہے

خدا کے شکر میں بندہ جھکاتا ہے جو سر اپنا

عبادت اس کو کہتے ہیں اسی کا نام طاعت ہے

کملی والے داتا!

(انتخاب)

(شریمتی کملا دیوی صاحبہ از بمبئی)

من موہن سندر روپ شری بھگوان! میں آپ کی داسی کملا آپ کی سیوا میں نویدن کرتی ہوں کہ میرے من کی چنتا کو اپنے پریم سے تسکین دیجئے۔

میں آپ کے پریم کی ابھلاشی اور آپ کے درشن کی متوالی ہوں۔ مہا سندر! میری آشا کو پورا کیجئے۔ میں آپ کے پوتر کاموں سے واقف اور آپ کی سچی داسی ہوں۔ میں نے آپ کی پریم سیوا کا حال کتابوں میں پڑھا ہے۔ میں بھول نہیں سکتی کہ آپ وہی ایشور روپ اوتار ہیں جنہوں نے جہرا کی گھاٹی میں۔ امن اور شانتی کے ساتھ تپسیا کی اور ایشور کا سندیس آنے کے بعد سنسار کی اصلاح کی۔

اے عرب کے مہا پرش! آپ وہ ہیں جن کی سکشا سے مورتی پوجا برٹ گئی اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا اور یہ آپ ہی کرپا تھی کہ عرب دیس کے ظالم ڈاکو اور رراکشش اعلیٰ درجے کے مہنت سوامی اور دہو بن گئے اور سدیدانت کو سمجھنے لگے۔ بیشک آپ نے دہرم کے سیوکوں میں وہ بات پیدا کر دی کہ ایک ہی سمے کے اندر وہ "جنرل کمانڈر" اور "چیف جسٹس" بھی تھے اور آتما کی سدہار کا کام بھی کرتے تھے۔

اے مہا سندر رشی! میں اس لئے آپ کے نام کی مالا جپتی ہوں کہ آپ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بچایا۔ اور اُس کے حقوق تسلیم کئے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو اے سندر اوتار آج ہماری آبرو خطرے میں ہوتی اور ہم سنسار میں ذلت کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔ آپ ہی نے ہماری لاج رکھ لی اور ہمارے کلیش کو دور کر دیا۔

اے کملی والے داتا! میرے من کو شانتی ہوتی ہے۔ جب میں اس بات پر غور کرتی ہوں کہ آپ نے اس دُکھ بھری دنیا میں شانتی اور امن کا پرچار کیا اور امیر و غریب کو ایک سبھا میں جمع کیا۔

میں اس پریم تکلتی کو دیکھکر خوش ہوتی ہوں کہ جب آپ کے ماننے والے پرماتما کو یاد کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں کوئی ذِشتا نہیں ہوتی۔ وہ سب آپس میں ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

اے پریم رشی! میں تمہارے درشن کے لئے بیتاب ہوں میری آتما بے چین ہے۔ میرے کلیش کو دور کرو اور ربیع الاول شریف کی بارہویں رات میں اپنے رس بھرے نین مجھے دکھاؤ۔ بولو شری محمدؐ کی جے۔

(تذکرۂ جمیل)

رباعی

(انعام)

(جناب محمد عبدالسلام صاحب ذکی عثمانیہ)

جو نعت میں کامیاب ہو جاتا ہے — وہ ذرّے سے آفتاب ہو جاتا ہے
دریا رسالت سے صلہ پاکے ذکیؔ — مداحِ فلک خطاب ہو جاتا ہے

رُباعی

اعجاز یہ اولیٰ سی کرامات ہوئی — اُمّی سے فصیحوں کو بڑی مات ہوئی
سر دُھنتے ہیں دشمن بھی تری باتوں پر — دل موہنے والی تری ہر بات ہوئی

رباعی

اخلاق کی توصیف میں قرآں آیا — تعظیم کو اللہ کا فرماں آیا
ہے طاعتِ کردگار اس کی طاعت — کس شان سے یہ اُمّی ذی شاں آیا

رباعی

اے سرورِ کائنات اے فخرِ بشر — اے صاحبِ سلسبیل و حوضِ کوثر
آیا ہے بُرا وقت تری اُمت پر — لے جلد خبر شافعِ روزِ محشر

سرورِ کونین

— ۱ھ —

(مولانا سید علی اختر صاحب اختر)

وہ دیکھ! فضائے ہستی میں، انوار کا اک طوفاں اٹھا — وہ حسن کی بارش ہونے لگی، وہ ابرِ ضیا افشاں اٹھا

ساقی نے سجائے جام و سبو، بادل اُمڈے کلیاں چٹکیں — اک شورِ صلائے عام سرِ صہبا کدۂ عرفاں اٹھا

شب ختم ہوئی، تارے ڈوبے، گردوں کے دریچے کھلنے لگے — پیغامِ طرب دینے کے لئے، پیکِ سحرِ خنداں اٹھا

تصویرِ حیاتِ فانی سے، باطل کی سیاہی دھونے کو — سامانِ طرازِ روح لئے، نقاشِ مہِ تاباں اٹھا

آئیں! وہ تلاشِ حسنِ ازل کا سوز ہے جن کے سینوں میں — اس بزم میں جو مضطر آیا، وہ تشنہ جگر شاداں اٹھا

بیدار ہے روحِ آسائش، اب بزمِ جہاں نورانی ہے — وہ دورِ شب آرا ختم ہوا، وہ صبر شکن ساماں اٹھا

ہر فتنہ گرِ محرومِ یقیں کا، خرمنِ ہستی جلنے لگا — اک برق سی چمکی پیشِ نظر، اک شعلۂ سر داماں اٹھا

بکھرے ہیں کنارِ دل بہرسو، ہے موجِ تحیر چرخِ بریں — پردہ تھا جو تیرے جلووں پر، اے انجمنِ امکاں اٹھا

مٹتی ہے دلوں کی بےچینی، پیغامِ طرب کے آتے ہیں!
چلتی ہے نسیمِ روح فزا، اب غنچے کھلتے جاتے ہیں!

اے دہر! مبارک ہو تجھ کو، فردوسِ طرب کی جلوہ گری — پھولوں کا تبسم، حسنِ فضا، نغموں کا تلاطم، رقصِ پری

چلتی ہے نسیمِ امن و اماں، آسودہ ہے رنگینیِ عرب — دم توڑ رہی ہے خود بینی، خاموش ہے نبضِ فتنہ گری

اقبالِ ظفر مندی نے اُلٹ دی تہ کر کے بساطِ ناکامی — احساسِ جہاں مالی میں ہوا تبدیل غمِ بے پرانہ سری

تکمیلِ حقیقت نے بخشا غفلت کو شعورِ بیداری — تعمیرِ صداقت نے پایا، خطرات میں درسِ بےخطری

تذلیلِ غلامی نے پائی - توفیقِ کمالِ آزادی — گم کردہ رہی نے روشن کی قندیلِ مقامِ راہبری

تعلیمِ کرم ختم ہوئی، افکارِ جفا کی خوں ریزی   تعلیمِ خرد میں صرف ہوئی، اربابِ جنوں کی جادوگری

اے کون و مکاں کے رازِ شرف! اے بادشہِ دین و دنیا   روشن ہے تری فیاضی سے، انجمنِ روحِ بشری
کافی ہے اِسے نسبت تجھ سے کچھ اور نہ ہو گر دنیا میں   اے کاش! زمانہ کر سکتا، احساس، حجابِ کم نظری

رخشاں ہے تجلی سے تیری تاریک زمیں کی پیشانی!
عنواں ہے تیری ہستی کا تکمیلِ حیاتِ انسانی!

غزلِ نعتیہ

(از)

(محترمہ نفاقون ناز صاحبہ)

مجھ پہ بھی لطف و کرم اے شہِ دوراں ہو جائے   یا محمدؐ مری بخشش کا بھی ساماں ہو جائے
میں رہوں دشت میں کہسار میں گلشن میں یا   ہر جگہ یاد تری درد کا درماں ہو جائے
خواب میں صورتِ احمدؐ جو مجھے آئے نظر   جاگ اٹھے بخت مرا عیش کا ساماں ہو جائے
یاد تیری دلِ مضطر سے نہ جائے اصلا   جسم سے روح نہ جب تک کہ گریزاں ہو جائے

نعت میں نازؔ غزل ایسی مرصع کہنا
سن کے محفل ترے اشعار کو حیراں ہو جائے

بتکدۂ ویراں

(از محترمہ ج نقوی صاحبہ)

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے

پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

قاصد —— "حضور سنیاسی نروتم آپ کے مندر میں آنے سے اِنکار کرتا ہے، وہ تو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا لب سڑک معروفِ عبادت ہے —— اس کو لوگوں نے گھیر لیا ہے جس طرح شمع کو پروانے —— یا شہد کے چھتہ کو مکھیاں —— اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے بھی مندر کو خیرباد کہدیا"!!

بادشاہ نروتم کے پاس گیا —— اس سے سوال کرنے لگا —— "کیوں تو نے ایسے مندر کو چھوڑ کر جس کا کلس آسمان سے باتیں کر رہا ہے، ایک درخت کے سایہ میں بیٹھکر عبادت میں معروف ہے؟ یہاں سڑک پر، جہاں سے خلقِ خدا گزرتی ہے! عبادت کے لئے تو گوشۂ تنہائی درکار اور تنہائی و عزلت کی ضرورت ہے۔ تیرا منشار تو اس کے برعکس ہے"!

"اُس مندر میں خدا نہیں ہے"! اس نے ایک مغرور و سرکش طریقہ سے جواب دیا!

"کیا کہا؟ اس مندر میں خدا نہیں ہے"؟ بادشاہ غیض و غضب سے کانپنے لگا —— "اے سنیاسی! کمبخت —— تو تو ایک منافق کی سی باتیں کر رہا ہے —— کیا تو نے اس مرصع مجسمہ کو نہیں دیکھا جو وہاں اس طلائی تخت پر نصب کر دیا گیا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ وہ تخت خالی؟ وہ مجسمہ بے جان ہے؟ کیا اس میں خدا نہیں ہے"؟

"نہیں ——— یہ تو میں نے نہیں کہا کہ وہ خالی ہے، بلکہ وہ تیرا مجسمہ ہے۔ وہ تو بعینہ تیری صورت ہے! اس سے تو یہ عیاں ہی نہیں ہوتا کہ اس میں وہ بے نیاز ہستی مضمر ہے! وہ بتکدہ تو صرف تجھ جیسے سرکش و خود پسند نفوس سے آباد معلوم ہوتا ہے!!"

بادشاہ غصہ سے لرزہ براندام ہو رہا تھا ——— اُف! غضب خدا کا ——— دو لاکھ کی گرانقدر رقم میں نے صرف کی صرف اس عمارت کی خاطر ——— اس کو اللہ اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے معنون کیا ——— تو کیا وہ سب بیکار رہا؟ ضائع گیا! کیا یہی اس کا صلہ ہے؟"

سنیاسی ——— لاپروائی کے انداز سے "جب اس شہر میں آگ لگی تھی ——— ہزاروں گھر بے خانماں ہو گئے تھے۔ ہزاروں جانیں جاں بلب تھیں، متعدد فاقہ کش ہستیاں تیری چوکھٹ جیسی ساتی کی غرض سے آئیں ——— لیکن آہ! ——— کیا بتاؤں؟ ——— کس بیدردی و کس بیرحمی سے انہیں دھتکار دیا گیا ——— نہ انہیں کہیں ٹھکانہ ملا ——— نہ اُن کے بھوک پیاس کا کوئی پرسان حال ہوا ——— اور پھر ——— تو نے لاکھوں روپیہ خرچ کر مندر بنایا ہے! ——— اینٹ، چونے، مٹی اور پتھر پر تیری رحمتوں کی بارشیں ہوں ——— اور خدا کی بنائی ہوئی جانیں یوں تلف کر دی جائیں ——— ان پر بجلیاں کوند کوند کر گرائی جائیں!! تیری رعایا فاقوں مرے، اور مندروں میں بے جان تودہ ہائے مرصع ہوں! خوب!! اللہ کے بندوں کے لئے تیری سرکار سے رحم و کرم مفقود ہو جائے ——— اور پرستانِ خدا ——— خدا تیرے مندر میں رونق افروز ہو ——— ارے خدا تو وہاں ہے جہاں وہ خانہ بدوش آباد ہیں، وہ وہاں ہے جہاں زیر سماں جلتی ریت پر تیری دھتکاری ہوئی مخلوق اپنی جھاؤنی ڈالی ہے ——— جا اے بادشاہ تیرے بتکدہ کو خدا نے چھوڑ دیا ——— ہاں میرا پروردگار "اُن ٹوٹے ہوئے دلوں میں" اپنا گھر بنا لیا ہے! اس کو عمارتوں کی پرواہ نہیں ——— اس کا مسکن تو ایک "شکستہ دل" ہے! تیرا بت کدہ تو ایک کف کی طرح بے بنیاد ہے! شیخی اور دولت کا ایک بلبلہ ہے جو ابھرنے نہیں پاتا کہ ختم!!"

بادشاہ کی حالت غصہ و غضب سے اور متغیر ہو گئی ——— ایک رنگ آنے لگا ایک جانے لگا ———

اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے! اس کا سینہ پھنکنے لگا ——! "اوہ —— تو سنیاسی نہیں ہے، تو تو یقینی ایک منافق انسان ہے، تیرے کاٹے کا منتر نہیں! تیرا ظاہر و باطن ناقابل عبور ہے! چل یہاں سے دور ہو —— میرے سامنے سے نکل جا —— میرا ملک چھوڑ دے، تیرے جیسی ناپکار ہستیاں میری سلطنت کی تباہی کا باعث ہیں، تیرا وجود سخت خوفناک ہے!!

سنیاسی نے کہا —— "بہت خوب —— تجھے تیرا ملک مبارک! تو مجھے اپنی مملکت سے نکال کر اسی پر نازاں ہے۔ آہ —— کیسے کہوں —— میری زبان جل جائے —— تو تو وہ ہے جس نے اپنے خدا کو جلا وطن کر دیا!! مگر ؎

دیر نہیں۔ حرم نہیں۔ در نہیں۔ آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟

(ٹیگور)

نعت

ازجناب

(مولانا سید تمکین کاظمی صاحب)

نہ حوروں کی تمنا ہے نہ شوقِ قصرِ جنت ہے ۔۔۔ مدینے میں رہوں تمکین فقط یہ دل میں حسرت ہے
مسلماں ہی نہیں وہ جس کو الفت ہو نہ حضرت سے ۔۔۔ وہ کیا محشر میں دکھلائیگا منہ کیا اس کی صورت ہے
بہشت اک وادیٔ وحشت ہے نظروں میں مگر زاہد ۔۔۔ مدینے کا ہوں میں شیدا مدینہ میری جنت ہے

خیالِ روئے انور میں رہو سرشار اے تمکیں
عبادت اس کو کہتے ہیں اسی کا نام طاعت ہے

عرب بعثت رحمۃ العالمین سے پہلے

(از محترمہ الفت النسا بیگم صاحبہ صدیقی)

عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ اس کے مغربی حصہ میں بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کا شور تلاطم سنائی دیتا ہے جنوب میں ایک بحیرۂ زخار لہریں مار رہا ہے جو اسی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے مشرقی آغوش میں خلیج فارس کھیل رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایران و فارس اور ماژندرانیوں کے علاقے موجود ہیں۔ شمالی حصے میں بحیرۂ اسود کا شور تموج ہے۔ سلسلۂ قاف اور ترکی و روسی علاقے بھی اسی سمت واقع ہیں۔ اگلے زمانے میں خاکنائے سوئز جس کو افریقہ سے پیوست کیا ہوا تھا۔ لیکن جہازوں کی آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنے کے خیال سے فی زمانہ انگریزوں نے اس کو خاکنائے سے آبنائے میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ ہیں اس ارض مقدس کے حدود اربعہ جس کو عہد قدیم میں مشرقی دنیا کا وسط تصور کیا جاتا تھا۔ ذیل میں ہم اس علاقے کی جغرافی نکتہ نظر سے جو اہمیت ہے اس کو واضح کریں گے۔

عرب کی طبعی حالت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں معدودے چند علاقوں کے سوائے اکثر زمین سنگلاخ ہے۔ ساحلی علاقوں میں کسی قدر زرخیزی پائی جاتی ہے۔ وسط میں نجف اشرف، طائف و یثرب طیبہ کا کچھ حصہ، یمن اور فرات و دجلہ کے قرب وجوار کے علاقوں کے علاوہ باقی جتنے علاقے موجود ہیں وہ سب پتھریلی زمینوں سطح مرتفع اور پہاڑیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اس خطہ کا ایک بڑا حصہ ریگستان سے گھرا ہوا ہے جو صحرائے اعظم عرب کے نام سے مشہور ہے۔ اس علاقے میں کہیں کہیں نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔ بجز اس کے ڈھونڈنے سے بھی کسی جگہ شاداب زمین نظر نہیں آتی۔ اسی وسطی حصہ عرب کا خاکہ مولانا حالی نے اپنی مشہور آفاق مسدس میں یوں کھینچا ہے۔

زمیں سنگلاخ ہوا آتش افشاں   ہو لُو کی لپٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں   کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی   عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

کسی ملک کے تاریخی واقعات پر نظر ڈالنے سے قبل وہاں کے جغرافی حالات پر بھی ایک نظر ڈالی جانی چاہیئے۔ کیونکہ انہیں اثرات کے تحت اس خطۂ ارض میں تاریخی واقعات وقوع پذیر اور مرتب ہوتے ہیں۔ مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کا اکثر و بیشتر حصہ ریگستانی اور سنگلاخ ہے اس قسم کے علاقوں میں جو بنی نوع انسان بود و باش اختیار کئے ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے بقائے حیات کے لئے قدرتی طور پر بہت کم خورد و نوش کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنی قوت بسری کے لئے انہیں انتھک جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔ رہزنی کرنا اطراف واکناف کے امن پسند باشندوں سے شمشیر زنی کر کے ان کے اندوختہ آزوقوں سے استفادہ حاصل کرنا اور ہر سفاکانہ حرکت کو اپنی ترقی کا واحد زینہ تصور کرنا جور و جفا کو جوہرِ مردانگی قرار دینا اس علاقے کے ساکنین کے حقیقی خصوصیات ہوتے ہیں۔ انہیں تاثرات کے تحت عرب کے بسنے والوں کے اقتصادی معاشرتی سیاسی اور مذہبی حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اس خطہ میں زیادہ تر حصہ ریگستانی ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندے مویشیوں کے چارے اور اپنی خوراک کی تلاش میں نقل مقام کیا کرتے تھے فن زراعت سے یہ بالکل بے بہرہ تھے۔ محنت و جفاکشی انکی صفت اولی تھی۔ اُن کی فطرت زیادہ تر جنگ و جدال کے جانب مائل رہتی تھی۔ غیروں پر حملہ کر کے ان سے مالِ غنیمت حاصل کرنا تو اور شئے ہے۔ جب اس قسم کی کوئی مہم درپیش نہ ہوتی تو بس آپس میں کشت و خون ہوا کرتا تھا۔ کسی کو تہِ تیغ کرنا ان کے پاس ایک معمولی بات تھی۔ لیکن ان میں سے بعضوں میں کچھ صلاحیت بھی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ مختلف پیداوار خام سے بہترین پائیدار مصنوعات بناتے تھے۔ ان کی دستکاری کو دیکھکر متمدن اقوام بھی دنگ رہ جاتے اور اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے تھے۔ اونٹ کے پشم سے بہترین اونی کپڑے اور شال دوشالے تیار کرتے تھے جنہیں ممالک غیر کے باشندے گراں قیمت دیکر حاصل کرتے تھے۔ کھجوروں اور تخموں سے بھی اپنی صناعی ظاہر کرتے تھے۔ ان چیزوں سے بنائے ہوئے اشیاء کا

آج کل کے مشینوں سے بنے ہوئے مصنوعات کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بعضوں نے عربوں کو وحشی بتلایا ہے لیکن معتبر تاریخی کتب سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عرب نہایت ذکی اور ہشیار قوم سے ہیں۔ بعثت سے قبل کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہو گا کہ اس زمانے میں وہ مشہور آفاق گوہر تھے جن کو صحرائے اعظم کی ریت نے اپنے آغوش میں چھپا رکھا ان کے خرمنی ہستی کو بنی نوع ان کے مفاد میں صرف کرنے سے انھیں باز رکھا۔ اس تیرہ و تار خطہ نے انہیں صفحۂ ہستی پر کارہائے نمایاں انجام دینے کے لئے مواقع مہیا نہیں کئے۔ ورنہ یہاں بھی بہت سے تیمور و چنگیز نکل آتے سیکڑوں کراموِل اور نپولین کے سے حکمران تمام عالم پر اپنے اقتدار کا سکہ بٹھاتے کئی ایک روسو اپنے سیاسی فلسفہ سے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیتے۔

نواحِ عرب کے اقوام کے اعترافات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اہلِ عرب نہ صرف جنگجوئی و بہادری میں یگانۂ زمانہ ہیں بلکہ اگر قدرتی موانعات انہیں مجبور نہ کئے ہوتے تو ضرور دیگر معاشرت ہائے عالم میں یہ اعلیٰ ثابت ہوتے۔ بنی ہاشم جو اس زمانے میں سب سے زیادہ باوقعت قبیلہ تصور کیا جاتا تھا۔ اور جس کے مقدار کو کلیدِ کعبۃ اللہ کے حامل ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس قبیلہ کے بعض اراکین سے متعلق قدیم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نہایت ذہین و دور اندیش سنجیدہ و عزم و با حزم والی ہستیاں تھیں۔ خود قبل اسلام کے تاریخوں میں ابوجہل و ابولہب کے متعلق جو مواد ملتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے کے بہترین سیاسی اور عالی خیال ڈپلومیٹس کی بھی ان کی باریک بینی و دقیقہ شناسی کی گرد تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ مکر و فریب میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ زمانہ حال کے بڑے بڑے چالباز ان سے برسوں سبق لینے پر بھی بہ مشکل ان کے ہم پایہ بن سکتے۔

تمام وسطی عرب پر نظر غائر ڈال کر وہاں کے اقتصادی حالات کا خاکہ کھینچنے کے لئے ایک ضخیم دفتر کی ضرورت ہے۔ ہم اپنے مقصد کے لئے صرف مکہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں کے اقتصادی حالات سپرد قلم کرتے ہیں تاکہ طلوعِ مہر تاباں اسلام سے قبل یہاں کی تاریکی کا نقشہ ناظرین کے ذہن نشین ہو جائے۔

مکۂ معظمہ نہایت سنگلاخ خطۂ عرب میں واقع ہے۔ اس لحاظ سے یہاں غلہ اور دیگر اجناس کی پیداوار

بہت کم ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ صنعت و حرفت اور تجارت کے ذریعے اپنی معاش پیدا کرتے ہیں چونکہ عرب شریف کرۂ ارض کا وسط قرار دیا گیا ہے۔ اسی لحاظ سے یہ سارے مشرق کا تجارتی مرکز مانا جاتا ہے۔ کیونکہ بری راستہ سے جو تجارت جاری تھی۔ سب کو لامحالہ اسی علاقہ سے گزرنا پڑتا تھا۔ علاقہ شام عراق میں بڑی بڑی منڈیاں تھیں۔ اہلِ مکہ میں سے بعض تو عراق کی منڈیوں میں بھی شامی منڈیوں میں اپنے مصنوعات فروخت کر کے اور وہاں سے ضروری پیداوار غلام اور خورد و نوش کے سامان اپنے وطن میں لاتے تھے دشوار گزار راہیں ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے سامان کو ان منڈیوں سے لانے اور لیجانے میں بہت دقت واقع ہوتی تھی اس زمانے میں ذرائع نقل و حمل زمانہ حال کی طرح تیز رفتار نہیں تھے۔ گھوڑے اونٹ و بیل ذرائع حمل و نقل تھے۔ علاقہ عرب میں اونٹوں سے زیادہ کام لیا جاتا تھا۔ غرض معاش کی حد تک جو نقص تھا ان اعلیٰ دماغوں نے اس کا انسداد تجارت و صنعت کے ذریعے کیا تھا۔ مہر درخشان رسالت اپنے تیز شعاع سے اس خطہ میں ضیا پاشی کرنے سے قبل بھی یہی طریقہ عام طور پر رائج تھا۔ اس کی بہت سی مثالیں دور قدیم کے مکتوب اور دیگر تحریرات سے ملتی ہیں خود اسلامی کتب میں اس کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس زمانے کے مشہور آفاق ملک التجار صدیق اکبرؓ عثمان غنیؓ اور خدیجۃ الکبریٰؓ جن کا نام نامی نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں مشہور تھا بلکہ انتہائے مشرق چین و ہند اور انتہائے مغرب اندلس اور انگلستان جیسے دور دراز مقاموں میں بھی ان کے نام کا نقارہ بج رہا تھا۔

عربوں کے سیاسی ادارات ۔ اگرچہ کہ عرب جنگجو قوم سے تھے اور اکثر ان میں خانہ جنگیاں ہوا کرتی تھی۔ پھر بھی ان میں سیاسی ادارات موجود تھے۔ جن کو اپنے علاقوں کے تحفظ کے لئے انھوں نے قائم کیا تھا۔ عرب آپس میں گو جانی دشمن ہوتے تھے۔ لیکن ایک عام حریف کے مقابلہ میں یہ تمام جتھے اپنی انفرادی رقابت کو نظرانداز کر کے متفق ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی اس علاقہ کے مشرق کے جلیل القدر حکمران کسریٰ اور مغرب کے ذی حشم قیصر اعظم کو ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ تو اعد حرب سے یہ بخوبی واقف تھے اور غنیم کی بڑی سے بڑی فوج کو یہ ناک چنے چبوا دیتے تھے۔

قدیم تاریخی کتب میں ان کے رسم و رواج سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ باوجود یہ قواعد منفوذہ

ضبطِ تحریر میں نہیں لائے گئے تھے۔ پھر بھی ہر ایک فرد بدرجۂ اتم ان کی پابندی کیا کرتا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ میں دشمن تو دشمن اگر کسی شکاری کا شکار مثل ہرنی وغیرہ گھس آتے تو اس کو بھی شکار نہیں کیا جاتا تھا۔ جن مہینوں میں جنگ وجدال موقوف رہنے کے قوانین جاری تھے ان دنوں میں اگر کسی کو ایسا دشمن مل جاتا جس کے خون کا وہ پیاسا تھا اس کے خلاف انگلی تک نہیں اُٹھائی جاتی تھی۔

ان تمام امور کے علاوہ ہر قبیلہ کا سردار اس قبیلہ کی حد تک حاکمِ مطلق ہوتا تھا۔ اس کا حکم فرمانِ شوکت شہنشاہ کے فرمان کا درجہ رکھتا تھا اور اس کے ہر امر پر ارکینِ قبیلہ سرِ تسلیم خم کرتے تھے اور اس کی اطاعت میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین میں کوئی دوسرا قبیلہ معترض نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے حدود اراضی میں آزاد حکومت کرتا تھا۔

ان قوانین کے علاوہ عرب میں چند مشترک قوانین بھی پائے جاتے ہیں جو زمانہ حال کے بین الاقوامی قوانین سے بالکل مشابہ تھے جب کبھی بیرونی غنیم سے مقابلہ کا وقت آتا تو یہ ایک دوسرے کی آتشِ رقابت اور انفرادی دشمنی کو یک لخت دل سے نکال دیتے اور اس خطرے سے اپنے ملک کو لے جانے کی ہر ممکنہ کوشش کرتے تھے۔ اس قسم کے قوانین کے زمرہ میں موجودہ زمانے کی کوئلیشن پالیسی بھی آسکتی ہے۔

عدنان اور اس کے قبل کے زمانہ کے حالات کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ قصیٰ جو عدنانِ ثانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے مکہ معظمہ میں مشترکہ حکومت کی بنا ۴۴۰ء میں رکھ کر مندرجۂ ذیل عہدے قائم کئے تھے۔

رفادہ[1] - سقایہ[2] - حجابہ[3] - قیادہ[4] -

اسی کے زمانے سے قومی نشان (جس کو 'سواد' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کا رواج شروع ہوا اور اسی کے زمانے میں ایک قومی مجلس قائم کی گئی جس کو ندوہ یا دارالندوہ کہتے تھے۔

اس مجلس میں تمام قبائل کے سردار جمع ہوتے تھے اور امورِ مملکت و سیاست پر بحث و تنقید ہوتی تھی۔ اسی کے ذریعے قبائلی فسادات کا انسداد کیا جاتا تھا اور اسی کے ذریعہ امورِ عامہ اور رفاہِ عام کے مسائل پر غور و فکر کیجاتی تھی۔

ان تمام حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ عرب بد تہذیبی کے بحرِ ذخار کی گہرائیوں میں پڑا ہوا تھا۔ اس حد تک تو وہ دیگر اقوام کے دوش بدوش شاہ راہ ترقی پر گامزن تھے باوجود ان خوبیوں کے عرب پر بھی ظلمت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس اندھیرے کو صدائے نیر درخشاں کی تنویر بھی دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اس تاریکی کا اندازہ اس وقت کی اخلاقی اور مذہبی حالات سے ہو سکتا ہے۔

عرب کے اخلاقی اور مذہبی حالات پر نظر ڈالنے سے قبل گرد و نواح کے متمدن اقوام کے اخلاق و مذہب کا تبصرہ کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ عربوں کے دل و دماغ پر انہیں اطراف واکناف کے بسنے والوں کا پرتو پڑتا تھا اور اُن کے عادات و اطوار میں جو تمدن نظر آتا ہے وہ سب انہیں کی صحبت کے کرشمے تھے۔

ملک عرب کی سیاسی تقسیم کے لحاظ سے جنوبی حصہ سلطنت حبش کے زیر حکومت تھا مشرق میں فارس و ایران کا سکہ تھا۔ شمالی انتلاع پر کی شرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا اور اندرون ملک بزعم خود آزاد تھا۔ چونکہ یہ خطہ ہر قوم وملت کا آماجگاہ تھا۔ اس لئے یہاں پر مختلف مذاہب کو جگہ ملی تھی ان میں سے بعض مشہور یہودی، عیسائی، صابی تھے۔ جو اپنے دین کی اشاعت میں بہت سرگرم نظر آتے تھے اور یہ ایسے مذاہب ہیں جن کے نام سن کر ناواقف شخص دہو کا کہا سکتا ہے کہ ان لوگوں میں ان مذاہب کی عمدگیوں کے نمونے بھی پائے جاتے ہونگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے خود کو مذہب سے درست کرنے کے بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تہا۔ اگر موسیٰ وعیسیٰ وشعیب و صالح علیہ السلام پیغمبروں کو ان کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے کہ یہ انہیں کے مذہب کی پیروی کرنے والے ہیں اور یہ انہیں کے اصولوں پر چلنے والے ہیں۔

عام عیسائی تو صرف مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ لیکن عرب کے عیسائی حضرت مریم کو نعوذ باللہ خدا کی بیوی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عام یہودی حضرت عزیز کو توریت از بر رکھنے کی وجہ سے ابن اللہ کہتے ہیں۔ لیکن عرب کے یہودی اپنی قوم کے تمام زن و مرد کو خدا کے

بیٹے ۔ بیٹی ۔ پیارے ۔ پیاری کہا کرتے تھے ۔ علیٰ ہذا صابی مذہب میں بھی اس قسم کے صدہا بیہودگیاں پائی جاتی تھے ۔ جن کو یہاں درج کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ۔

ان کے علاوہ بہت سے ملحد و دہریے بھی اپنے عقائد کی زہریلی گیاس عوام میں چھوڑتے تھے ۔ جس کی وجہ سے ان کے خیالات میں تزلزل ان کے حرکات سے ڈل لیقینی کا اظہار ہوتا تھا ۔ ان کی طرح اکثر عربوں کے نزدیک خدا کی ہستی کا اقرار اور جزاء و سزاء کا تصور نیک و بد افعال پر نیک و بد نتائج مرتب ہونا قابلِ تضحیک خیال تھا وہ حیات و موت کو اتفاقِ اور وقت سے موسوم کرکے دنیا کے ہر انقلاب کو دورِ زمانے سے منسوب کرتے تھے ۔

وسطِ عرب میں باستثناء بعض قبائل کے اکثر و بیشتر افراد کے لکھنے پڑھنے سے بے خبر ۔ علوم سے بے بہرہ فنون سے عاری ۔ معاملت و معانی سے نا آشنا تھے ۔ اس پر طرّہ یہ کہ برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے اُن کے دل و دماغ میں بھی نقش کندہ کیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن ہو نہیں سکتے ۔ ان کے اس اجمالی خیال کی تشریح درج ذیل ہے

خود مختاری نے ان پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا ان میں خود سری اپنے انتہائی درجہ پر پہنچ چکی تھی ۔ اس میں شک نہیں کہ شجاعت و جرأت میں یہ لاثانی تصور کئے جاتے تھے ۔ لیکن انہوں نے اس شجاعت و جرأت کا نشانہ خود اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا ۔ بیکاری اور کاہلی کے یہ مجسمہ تھے شراب اور جوئے کی کیا پوچھئے گا بقول مولانا حالی ۔ ؎

جوا اُن کے دن رات کی دل لگی تھی ۔ شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی

ممالک غیر سے بالکل الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے اُن کی زبان اور نسل مثبیک کھری تھی ۔ لیکن فصاحت کا استعمال زیادہ تر خود ستائی یا دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے ۔ فحش کارناموں کو تشہیر کرنے کے لئے زبان کی ساری طاقت خرچ کرتے تھے ۔ معایت کی برائی ان کے ذہن میں قائم ہو گئی تھی ۔ مدعیانِ شرافت بڑی دلیری اور فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے مولانا حالی نے اس ناجائز طریقہ کو خوب واضح کیا ہے ۔ ؎

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی — جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

ان کی اس جہالت نے بت پرستی و توہم پرستی رائج کر دیا تھا۔ ان کی اساسی قوتیں بالکل سلب ہو گئی تھیں۔ عالم کی ہر ایک چیز شجر، حجر، چاند، سورج، پہاڑ، دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگے تھے۔ اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت کو بھی ملیا میٹ کر چکے تھے۔ اس زمانے کی مذہبی حالت کا مولانا حالی نے خوب خاکہ کھینچا ہے۔

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا — کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا — بتوں کا عمل سو بسو جابجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی — طلسموں میں کاہن کے تھا اسیر کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا — جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا — کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور — اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

اس دور تاریک میں جب کہ لات مونث اللہ و منات اور اساف کے بڑے بڑے بتوں کی پوجا ہو رہی تھی، جینیوں اور ہندوؤں کی طرح پیدا کرنے والا۔ مارنے والا۔ بارش برسانے والا۔ اولاد دینے والا۔

پرورش کرنے والا۔ غرض ہر شعبۂ زندگی کا ایک ایک خدا تھا۔ جس کی پرستش بالکل انوکھے طریقہ پر ہوا کرتی تھی۔
اس عہد میں جب کہ بنی نوع انسان وحوش وبہائم کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس وقت بھی بنی ہاشم کے قبیلہ کا رتبہ عرب کے تمام قبائل میں بڑھا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ کے کسی نہ کسی کی پیشانی سے دکھا رہا۔ آخر یہی نور حضرت ہاشم عبد مناف اس کے بعد عبدالمطلب بالآخر ذبیح ثانی حضرت عبداللہ کے جبینِ مبارک میں اپنے ضوءِ لاثانی کی تنک تابی سے اہلِ عرب کو مسخر کر رکھا تھا۔
اسی نور کو حاصل کرنے کے لئے حضرت عبداللہ سے ایک مشہور کاہنہ نے شادی کا پیام دیا تھا لیکن انہوں نے اس کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور آپ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف سے ہوئی جن کے پہلوئے مبارک سے مولائے فلک اثاث رحمۃ للعالمین ہویدا ہوئے۔ اسی نور کی برکت سے ان بزرگوں کو کشف وکرامات حاصل تھے۔ حبقوق نبی کی کتاب میں مسطور ہے اور توریت میں اس کے ترجمے کے الفاظ یہ ہیں "خدا سینا سے نکلا ساعیر سے چمکا اور فاران سے ظاہر ہوا" اس مختصر جملہ میں سینا سے مراد کوہ سینا ہے۔ جہاں موسیٰ کے رب ارنی کے اصرار پر رب العالمین نے تجلی دکھائی تھی۔
کوہ ساعیر پر اسی نور کی جھلک کو ملاحظہ فرما کر حضرت عیسیٰ نے اپنی امت کو نوید دی تھی اور ہدایت کی تھی کہ جب یہ نور عام میں ظاہر ہو جائے تو بلا چون وچرا اسی کے جھنڈے تلے چلے جائیں۔ کلام مجید فرقان حمید میں سورۂ صف کے پہلے رکوع سے ونیز انجیل یوحنا کے پہلے باب میں یہ جملہ کہ تیرے بعد ایک نبی آوے گا جس کا نام فارقلیط ہوگا، فارقلیط کے صحیح معنے احمد کے ہیں۔ اس سے حضرت مسیح کے نوید کا ثبوت ملتا ہے۔ ان تمام مراحل کو طے فرمانے کے بعد بھی نور مکرم (جب تمام ربع مسکون میں جہالت وبدینی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا) فاراں کی چوٹیوں سے نمودار ہوا۔ اور ظلمت کا اندھیرا کافور ہو گیا۔ حضرت اقدس واعلیٰ سلطان العلوم خلداللہ ملکہ کی رباعی اس خصوص میں کس قدر جامع ہے۔ ؎

مصلحت تھی یہی حضرت کے یہاں آنے میں ‏ ‏ تیرگی تا نہ رہے دہر کے کاشانے میں
جب ہوا مہرِ عرب جلوہ نما اے عثماں ‏ ‏ سرنگوں بت ہوئے سجدہ کو تجانے میں

---مورخین کے بیان کے لحاظ سے سنہ ۳ء عربی مہینوں کے لحاظ سے غرہ ماہ ربیع المنور اور بعض کے قول کے مطابق سات اورگیارہ ربیع المنور تھی جب کہ آفتابِ رحمت سرزمینِ عرب سے طلوع ہوکر تمام دنیا کو روشن کیا اور غرقاب ہونے والی کشتیوں کو راہِ راست پر لاکر کفر و ظلمت کے خطرناک بھنور سے بچنے کا موقع عطا فرمایا۔

شمع رسالت کے پروانوں کی تعداد

(مترجمہ عزیزہ ک۔ف بیگم صاحبہ)

تازہ مردم شماری کے مطابق دنیا بھر کے مسلمانوں کی تعداد حسبِ ذیل ہے۔

شمالی افریقہ۔	۲۹۴۶۸۰۰۰
مغربی افریقہ۔	۲۰۱۱۱۰۰۰
وسط اور جنوبی افریقہ۔	۹۲۸۰۰۰۰
مشرقی افریقہ	۹۲۵۷۰۰۰
مشرقی یورپ	۷۱۰۲۰۰۰
سوویٹ روس	۱۲۳۳۵۰۰۰
مشرق قریب و ایشیائے کوچک	۳۱۷۲۰۰۰۰
ہندوستان	۸۹۱۱۸۵۰۴
ملایا۔	۲۰۳۴۰۹۲
چین	۲۹۸۰۰۰۰۰
انڈیا و جاپان و جاوا وغیرہ	۹۵۹۸۵۰۰۰
دیگر ممالک	۶۶۸۰۳۷
میزان کل۔	۲۹۶۰۴۰۶۳۳

(ترجمہ از تیراسیٹ)

آقائے مدینہ مرے مولائے مدینہ!

(نعت)

(حضرت مولانا تجلی مرحوم)

ہے لب پہ تجلی کے سدا ہائے مدینہ
والائے مدینہ ہے وہ شیدائے مدینہ

پھر مجھ کو نہ ہوگی کبھی پروائے مدینہ
مل جائیں اگر مالک و مولائے مدینہ

روضے پہ بلا لو مجھے روضے پہ بلا لو
آقائے مدینہ میرے مولائے مدینہ

اللہ رے یثرب کا تصور کہ یہ آنکھیں
جب بند ہوئیں کھل گئے در ہائے مدینہ

بطحا میں میری موت ہو طیبہ میں میری قبر
اس طرح الٰہی مجھے مل جائے مدینہ

تقدیر ہے اس کی جو مدینہ ہی کا ہو جائے
آئے نہ پلٹ کر جو کبھی جائے مدینہ

مہکی ہوئی خوشبو سے ہے ہر محفل میلاد
پھیلی ہوئی ہے نکہت گلہائے مدینہ

تاریکی مرقد کا مجھے خوف نہیں ہے
چمکیگا میرا داغ تمنائے مدینہ

سینے سے مرے دل سے کلیجے سے نہ جانا
اے حسرت دیدار تمنائے مدینہ

رضواں تیری فردوس کو کیا لے کے میں جاؤں
گلزار جناں ہے مجھے صحرائے مدینہ

دامن میں ذرا ڈھانپ لو کملی میں چھپا لو
محشر میں مجھے بھی مرے مولائے مدینہ

وہ چاند مدینے کا مدینے سے جو نکلا
حوریں بھی ہوئیں محو تماشائے مدینہ

پُرنور ہیں ہر وقت تصور میں تجلی
آنکھوں میں ہماری ہے تجلائے مدینہ

(غیر مطبوعہ)

AL-HAJ KHAN BAHADUR AHMAD ALLADIN

The Managing Board of this humble magazine presents their heartfelt regards, for the generous works done by him in the Deccan and Abroad. But still hope and earnestly ask a "helping hand" for the poor muslim girls, here, in the shape of an Industrial Institute for them.

Photo by Raja Deen Dayal & Sons
Secunderabad

By Courtesy "Indian States & Zamindaries"
Hyderabad

مختصر سوانح حیات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(از محترمہ مسز صغرا ہمایوں مرزا)

تاریخ میلاد مبارک حضرت رسول مقبول صلعم ہی کیا مبارک تاریخ ہے۔ وہ نبی برحق جس کی شان میں
لولاک لما خلقت الافلاک آیا جس کے وجود نے دنیا کو موجود کیا حضرت ہی نے انوار توحید سے
دنیا میں وحدت کی روشنی پھیلائی۔ تاریکیٔ شرک کو دور کیا۔ وحدت کی روشنی سے ہمارے قلوب منور کیئے۔
اور توحید کی تعلیم سے ہمارے قلوب معمور کیئے توحید کی روشنی پھیلانے کے لیئے دنیا بھر کے مصائب
برداشت کیئے اس لیئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس تاریخ اور دن کی جس قدر ممکن ہو خوشیاں منائے
جشنِ میلاد نبی شان و شوکت سے کرے۔ اس روز عید کو سب عیدوں پر مقدم سمجھے جشنوں میں
حضرت کی پاک زندگی کے حالات اس طریقہ پر بیان کیئے جائیں کہ غیر مسلم بھی متاثر و مستفید ہوں۔ میں
بھی سعادت دارین حاصل کرنے کے لیئے تھوڑے سے حالات ضبطِ قلم کرتی ہوں۔ رسول اکرم صلعم نے
مبعوث ہونے کے بعد جب پیغامِ حق سنانا شروع کیا تو خود حضرت کے عزیزوں نے جو صدیوں سے
بت پرستی کے عادی اور شرک میں مبتلا تھے۔ طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں کیونکہ عمائد قریش و دار
براقروختہ ہوگئے تھے۔ حضرت کو خانۂ کعبہ سے جس کی تولیت حضرت کو تھی نکال باہر کیا۔ اس کے
بعد حضرت کے چچا ابوطالب سے کہا۔ "ہم سب اب زیادہ صبر و تحمل سے کام نہیں لے سکتے۔
یا تو اپنے بھتیجے سے کہہ کر اس کی زبان بند کرواؤ یا تم لڑنے مرنے کے لیئے تیار ہو جاؤ تاکہ ہمارا تمہارا
فیصلہ ہو جائے"۔ اس پر حضرت ابوطالب نے اپنے پیارے بھتیجے کو جنھیں مثل اپنے فرزند
حضرت علی کے عزیز رکھتے تھے طلب کیا اور ان کو قبیلہ قریش کی دھمکیوں اور ارادے سے
مطلع فرمایا اور فرمایا "اے میرے پیارے بھتیجے تو مجھ کو اور اپنے تئیں خطرہ سے بچالے اور ایسا بار

مجھ پر نہ ڈال جس کی متحمل میری ضعیف ہڈیاں نہ ہوسکیں۔ اللہ اللہ کیا امتحان استقامت کا وقت تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم نے جواب صاف ان لفظوں میں دیا۔ "اے چچا اگر سورج کو میری داہنی طرف اور چاند کو بائیں جانب رکھدے اور مجھ کو میرے کام سے روکنا چاہے تو میں ہرگز رُکنے کا نہیں۔ حتیٰ کہ خدا نے برحق میرے صدق کو ان پر ظاہر نہ کردے یا میں اس کوشش میں فنا ہوجاؤں"۔ اس باشوکت جواب نے خدا کی عظمت و جلال کو قائم رکھنے کے مقابل نہ صرف چچا کی رہی سہی حمایت کو ہی چھوڑنا گوارا کیا بلکہ ان تمام چیزوں کو خدا کے نام پر قربان کرنا پسند فرمایا جو چاند اور سورج کے طفیل دنیا میں پیدا ہو رہی ہیں۔ کیونکہ سائنس سے یہ ثابت ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی تخلیق و بقا میں چاند اور سورج کو دخل نہ ہو۔ گو حضرت ابوطالب یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اپنے بھتیجے کی حمایت میں کل خاندان کی تکلیف و ذلت اور سب سے دشمنی مول لینی ہے مگر ایسے ثابت قدم بہادر بھتیجے کی حمایت نہ کرنی حمیت و شجاعت ہاشمی کے خلاف ہے۔ اس لئے اپنے قبیلہ بنی ہاشم سے طالب استمداد حضرت ابوطالب ہوئے۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب نے آنحضرت کی حمایت پر کمر ہمت باندھی۔ بنی ہاشم کے اس ارادے نے دیگر قبائل مکہ کو آمادہ فساد کردیا۔ چنانچہ کل اہل مکہ متفق ہوئے اور آپس میں معاہدہ کرلیا کہ بنی ہاشم سے میل جول ترک۔ شادی غمی میں شرکت موقوف۔ بنی ہاشم کو بجز محصور ہونے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ ذرائع رسد رسانی قریش نے بند کردئے۔ ان لوگوں نے ایک پہاڑ کے درّے میں سکونت اختیار کی۔ تین سال مسلسل اس مقام پر محصور و مقید رہے۔ کچھ زمانہ یعنے محرم کا مہینہ ایسا آتا تھا کہ کسی پر حملہ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں بنی ہاشم باہر نکل کر کھانے پینے کی چیزیں خرید کر رکھ لیتے تھے اور حضرت رسولؐ کو جب کبھی موقع ملتا باہر تشریف فرما ہو کر تبلیغ حق کا کام شروع کردیتے۔ ایکدفعہ رسولِ اکرمؐ نے کوہ صفا پر تشریف فرما ہو کر اپنی قوم کے لوگوں کو بآواز بلند نام بنام پکارا۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے سوال کیا۔ "اے آلِ غالب اگر میں تم کو اس بات کی خبر دوں کہ اس پہاڑ کے نیچے ایک غنیم کی فوج اُتری ہوئی ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے کیا تم اس خبر کو باور کرو گے"۔ سب نے جواب دیا کہ ہم ضرور یقین کریں گے۔ کیونکہ تم جھوٹ نہیں بولتے ہو اور آج تک تمہارا کوئی فعل غلط نہیں ثابت ہوا۔

حضرت نے فرمایا تم کو اگر میرے کہنے کا یقین ہے تو میں تم کو اُس عذاب شدید سے جو پیش آنے والا ہے بچانا چاہتا ہوں۔ اگر خدائے واحد پر ایمان لاؤ گے تو نجات پاؤ گے ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ یہ سُن کر ابولہب نے غصہ سے حضرت کو بددعا دی اور ایک پتھر زور سے پھینک مارا جس کی وجہ سے پیشانی مُبارک سخت زخمی ہوئی اور خون بہنے لگا۔ ابولہب کے ساتھ اور لوگوں نے بھی پتھر برسانا شروع کر دیا۔ جس سے حضرت کا تمام جسم مبارک زخمی اور خون آلود ہو گیا۔ حضرت کوہ بوقبیس کو روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو اس واقعہ کی خبر دی اور دونوں مِل کر کوہ بوقبیس پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کے تمام جسم مبارک سے خون جاری ہے اور غشی کی حالت طاری ہے۔ اسی حالت میں حضرتؐ کو گھر لائے اس وقت ملائکہ نے عرض کی کہ ان سب کو جنہوں نے آپ کو ایذا دی ہے بددعا دیجئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "میں نبی رحمت ہوں اور یہ قوم جاہل ہے۔ میں ان کو بددعا نہیں دوں گا۔ بلکہ اُن کے لئے دعا کروں گا کہ خدا اُن کو راہ راست پر لائے"۔ سبحان اللہ کیا صبر و تحمل کیا دور اندیشی کیا بندگانِ خدا کی بھلائی خدا کی ذات سے رحمت کی توقع حضرت میں تھی۔ کہ ایسی حالت میں بھی اظہارِ مایوسی نہیں فرمایا۔ حضرت نے جب یہ دیکھا کہ قریش کسی طرح بھی راہِ راست پر نہیں آتے تو یہ تدبیر سوچی کہ بغرضِ حج و تجارت جو لوگ باہر سے آتے ہیں ان میں وعظ فرمانے لگے۔ اور دینِ حق کی تعلیم و تلقین فرماتے۔ اس وقت اہلِ مکہ نے چاروں طرف سے جو لوگ آتے ان کی ناکہ بندی کی اور پہرے مقرر کئے اور لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ معاذ اللہ محمد جادوگر ہے اُن کی بات ہرگز نہ ماننا۔ لیکن اس کا نتیجہ برعکس نکلا کہ جب یہ لوگ گھر واپس جاتے تو یہ کہتے کہ ایک فصیح و بلیغ مکہ میں پیدا ہوا ہے اچھی جان جوکھوں میں ڈال کر اہلِ عرب کو اپنا آبائی دین ترک کرنے کہتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابوطالبؓ و حضرت حمزہؓ آنحضرتؐ کی حفاظت تا حدِ امکان کرتے۔ مگر کفار قریش جب کبھی موقع پاتے حضرت کو تکلیف دیتے۔ جہاں کہیں حضرت جاتے اُن کا تعاقب کرتے تھے کے آوارہ لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے۔ راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ جس سے آپ کے پائے مبارک میں کانٹے چبھ جاتے۔ ابولہب حضرت کا چچا تھا۔ مگر اُس نے حضرت کی جان لینے کی کئی دفعہ کوشش کی۔

ایک دفعہ حضرت حمزہؓ شکار کو گئے ہوئے تھے اور حضرت ابوطالب کہیں بکریاں چرانے گئے تھے۔ ابولہب اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت کی تلاش میں باہر نکلا۔ دیکھا کہ آپ مسجد الحرام میں نماز میں مشغول ہیں۔ ابولہب اور اس کے ساتھیوں نے پہلے پتھر مار کر حضرت کا جسم مبارک زخموں سے چور چور کر دیا۔ اور پھر ایک پھندا گلے میں ڈال کر اس زور سے کھینچا قریب تھا کہ روح مفارقت کرے۔ حضرت بالکل بیہوش ہو گئے۔ ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت کا کام تمام ہو چکا۔ حضرت کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلا گئے۔ حضرت حمزہؓ شکار سے جب واپس آئے تو اپنی بیوی صفیہ سے کھانا مانگا۔ حضرت صفیہ نے رو کر کہا کہ تم نے اپنے بھتیجے کی اچھی حفاظت کی۔ تمہارے بھتیجے کو ابولہب نے مسجد الحرام میں زخمی کر ڈالا اور وہ قریب المرگ ہیں۔ حمزہؓ یہ سنتے ہی فوراً مسجد کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت تک حضرتؐ کو کچھ ہوش آ گیا تھا۔ تمام جسم سے خون جاری تھا۔ حمزہؓ مزاج پرسی کرنے پر آپ نے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو غریب و مظلوم بیکس تنہا ہزاروں دشمنوں میں گھرا ہو۔ حمزہؓ ابولہب کے گھر گئے اور لعنت ملامت کی اور جو کمان ہاتھ میں تھی کھینچ ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ سورۃ تبت یدا ابی لہب سے اسی ابولہب اور اس کی زوجہ کی طرف اشارہ ہے اور اس کے انجام بد کی پیشین گوئی ہے۔

باوجود ان ایذا رسانیوں کے وہ مظہر اکمل تبلیغ اسلام فرماتے گئے اور اسلام روز افزوں ترقی کرتا تھا۔ جس کو کفار قریش دیکھ کر آتش غضب میں جلتے تھے اور ان کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اب ان کا آبائی مذہب مٹ جائیگا اور عزت و اقتدار کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔ اس لئے اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ مسلمان سخت آفت میں گرفتار تھے۔ غریب مسلمانوں پر آئے دن نت نئے مظالم ہوتے اور طرح طرح کی مصیبتیں ڈھائی جاتیں۔ حضرت بلالؓ ایک شخص عنبر نامی کے غلام تھے۔ ان کا آقا ان کو ہر روز جب کہ شدت کی گرمی ہوتی پتھریلی زمین پر لے جاتا اور ان کی کمر برہنہ کر کے تپتی ہوئی زمین پر لٹاتا اور سینہ پر ایک وزنی پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ اسلام سے دست بردار ہو جا۔ ورنہ اسی طرح تیرا کام تمام کر دونگا۔ مگر کیا استقلال کہ شدت تکلیف و گرمی سے دم گھٹنے لگتا اس وقت ان کی زبان سے احد احد کے سوا کوئی اور لفظ نہیں نکلتا۔ کئی روز تک ان کو

اسی قسم کی تکلیف پہنچائی گئی۔ جب حضرت بلالؓ کی حالت قریب المرگ ہو گئی تو اُن کے آقا کو روپیہ دے کر آزاد کرایا گیا۔ جب رسولِ خدا کفار کی ایذا رسانیوں سے بہت ملول ہوتے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ ان کی بہت بڑہاتیں۔ اور تسلی و تشفی کی گفتگو فرمائیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے مدت العمر کبھی کوئی بات ایسی نہ کی جس سے آنحضرتؐ کو رنج ہو۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ عربستان میں سخت قحط پڑا جس کی وجہ سے خلقِ خدا بھوکوں مرنے لگی۔ آنحضرتؐ سے بندگانِ خدا کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی اور بہت مشوش و پریشان رہنے لگے۔ حضرت کو پریشان دیکھکر حضرت خدیجہؓ نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا "اے خدیجہ اس وقت دنیا میں سخت قحط پڑا ہے اور میرے پاس پیسے نہیں کہ بھوکوں کو غذا پہنچاؤں اور تم سے روپیہ مانگتے شرم آتی ہے"۔ حضرت خدیجہؓ نہایت کشادہ دلی سے فرمایا میرا مال سب۔ آپ کا ہے۔ اسمیں پس و پیش کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہکر تمام زر و نقد حضرت کے حوالے کر دیا۔ حضرت نے وہ سب مال غربا کو تقسیم کر دیا۔ خدیجہؓ جو مالدار تھیں مفلس ہو گئیں۔ حضرت کا ایثار و استقامت بے نظیر تھا۔ آخر الامر آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اسلام کا جھنڈا آج تک دنیا میں بلند ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔

میں نے جو مختصر طور پر حضرتؐ کے اسوۂ حسنہ بیان کئے اور حضرت خدیجہؓ کا ذکر کیا اس کی غرض یہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور مرد اپنے رہبر و آقا کے قدم بقدم پیروی کریں۔ مستورات مثل حضرت خدیجہؓ کے ہر بات اور ہر کام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتیں۔ جو اپنے شوہر کے لئے باعث تشفی ہو۔ آخر میں میں اپنے لئے بھی دعا کرتی ہوں۔

خدا کرے کہ میں دیکھوں کبھی دیارِ حبیب ۔۔۔ نگاہِ شوق کو رہتا ہے انتظارِ حبیب

نہیں ہے دل میں بجز اس کے آرزو باقی ۔۔۔ سرِ نیاز ہو اپنا سرِ فرازِ حبیب

الٰہی کتنے ہیں دنیا میں جس کو چشمۂ فیض ۔۔۔ دکھا ہمیں بھی وہ دربارِ فیض بارِ حبیب

اجل خدا کے لئے اس قدر تو مہلت دے ۔۔۔ کہ تشنہ کام کو مل جائے چشمہ سارِ حبیب

تمہاری گلشنِ جنت کو کیا کریں رضواں ۔۔۔ نگاہِ شوق کا منظر ہے خارزارِ حبیب

الٰہی آتشِ عشقِ نبی بھڑک اُٹھے ۔۔۔ کہ جل کے خاک میں مل جائے خاکسارِ حبیب

ہوائے شوق میں اُڑ جاؤں بھی مدینہ کو ۔۔۔ جنوں فضا ہے مرے حق میں نو بہارِ حبیب

صغرا

نوائے بسمل

(انتہا)

(مولانا سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل)

پھیلا کچھ اِس طرح یقین کا نوُر ظلمتِ کفر ہو گئی کافور

اے زہے بخت سرزمینِ حجاز رشک کرتا ہے جس پہ کوہِ طور

وہ زمیں آسماں نہ کیوں ہو جائے حق کے محبوب کا جہاں ہو ظہور

آسماں کو زمیں پہ رشک آیا رونق افروز ہو گئے جو حضور

صدقہ میلاد کا مجھے بسمل

میرا پروردگار دیگا ضرور

عرب کی ایک صبح

ـــــ (۱نہاں) ـــــ

(جناب خواجہ سراج الدین حسن صاحب فاروقی)

آئیے ہم آپ کو اس قطعۂ زمین کی سیر کرائیں جو دنیا کے ہر حصہ پر افضلیت رکھتا ہے۔ جس نے کہ دنیا کی افضل ترین ہستی کو مصیبت کے وقت پناہ دی۔ اور جس میں وہ پاک ہستی تمام زیست منور رہی اور بعد وفات بھی اپنے جسد مقدس سے اسی کو سرفراز فرمایا۔

صبح کا وقت ہے۔ نسیم سحر کے جھونکے خراماں خراماں چلتے ہیں۔ خورشید فلک اپنی مخمور آنکھیں لئے ہوئے نمودار ہو رہا ہے کہ اپنی ضیا سے عالم کو روشن کرے۔ کچھ عرب اپنے جھولداریوں سے باہر بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں۔ کچھ چہل قدمی کر رہے کچھ ابھی تک یاد الٰہی میں مشغول ہیں۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اصحاب کرام ہم صحبت ہیں۔ آپ تلقین فرما رہے ہیں کہ یکایک ایک سائل آتا ہے اور دست سوال دراز کرتا ہے۔ رسول برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ "کچھ ہو تو اسے خدا کے نام پر دیدو"۔ حضرت عمرؓ نے ایک درہم اس کے ہاتھ میں رکھدیا۔ لیکن سائل کو تشفی نہ ہوئی اور مانگتا گیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "میرے ہی لئے اسے کچھ دیدو"۔ حضرت عمرؓ نے چار درہم نکال کر سائل کو دیئے۔ آنحضرتؐ کو تعجب ہوا۔ دریافت فرمایا کہ "اے عمرؓ تم نے خدا کے نام پر ایک درہم گزرانا اور میرے نام پر چار درہم دئے یہ کیوں"؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

خدا کو کس نے دیکھا؟ الغرض شہادت کس نے دی اس کی
نظر آیا رخ انور یہ تھا کلمہ شہادت کا

ماضی کی یاد

(آخر)

(جناب راز قاسمی کھار دوی صاحب)

یہاں کا بچہ بچہ غیرتِ سام و نریماں تھا ۔۔۔ ہمارا دامنِ صحرائے ہمت زابلستاں تھا

ہمارے دستِ حکمت میں کبھی عشرت کا ساماں تھا ۔۔۔ مزین نقشِ پائے عیش سے بھی گلستاں تھا

اسی پہ تھے فدا پروانہائے اتفاق اکدن ۔۔۔ یہی دل روشنی افزائے شمعِ بزمِ امکاں تھا

ہمیں تو صورتِ مرغِ نظر تھے محوِ پروازی ۔۔۔ غبارِ راہ اپنا غیرتِ پائے گریزاں تھا

نظر ہی باعثِ سرسبزیٔ کشتِ تمنا تھی ۔۔۔ ہمارا ہاتھ سر پر ظلِ ابرِ گوہر افشاں تھا

فقیری میں بھی پوشیدہ عجب شانِ امارت تھی ۔۔۔ ہمارا بوریائے بے ریا تختِ سلیماں تھا

ترقی کی ہمارے دل میں وہ تھی شعلہ زن آتش ۔۔۔ نہ کچھ جس سے خیالِ پوششِ فصلِ زمستاں تھا

ہماری ضو سے خیرہ چشمِ مہتاب منور تھی ۔۔۔ ہماری ہی چمک سے دیدۂ خورشید حیراں تھا

نشاں پابوسیٔ دولت کے ہیں بالائے پابانی ۔۔۔ ہمارا ذرۂ خاکِ اَمل گنجِ فراواں تھا

وہ تحصیل ہم تھے سوا پر اشترِ ہمت ۔۔۔ دہانِ سرِ تکوینِ معیشت خود حدی خواں تھا

کبھی سکہ ہمارا تھا عمیم الامتناں بیشک ۔۔۔ غرض ہر قوم کے سر پر ہمارا ہی تو احساں تھا

نقوشِ پائے نفس فتنہ اب تک ہیں گلستاں میں ۔۔۔ جو اپنا ہر قدم مکن خوشی میں ہر چند جولاں تھا

عجب پریشان تھی وحشت حصولِ فخر کی گردش ۔۔۔ ابھر اک آبلہ تاجِ سرِ خارِ مغیلاں تھا

———(۲)———

Safina-i-Niswan.

خدا کی محبت

LOVE OF GOD

(i. e. ISHK-I-ALLAH)

(از ترجمہ فردوسی اسلام مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری)

(Translated in Urdu by Moulana Mahir.)

انگریزی نظموں کے منظوم تراجم کی طرف میں نے کبھی توجہ نہیں کی۔ البتہ بعض مغربی شعراء کے گراں قدر خیالات کی ترجمانی نثر میں کبھی کبھی کی ہے۔ کیونکہ اسلامی ادب اور مشرقی لٹریچر کے آفتاب نے میری بصیرت کو نوازا۔ آسمان مغرب کے جھلملاتے تاروں اور بزم یورپ کے ٹمٹماتے چراغوں کی میری نظر میں مطلق وقعت نہیں رہی لیکن قدرت انسان کو کبھی اس کے رجحان و مذاق کے خلاف بھی مجبور کر دیتی ہے۔ قدرت کے اس جبر نے عزیز محترم مسٹر اختر قریشی ایڈیٹر "سفینۂ نسواں" کے اصرار کی شکل اختیار کی اور میں انگریزی نظم کا ترجمہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مجبوری کہیے یا کمزوری سے تعبیر کیجیے۔ ترجمہ میں لفظی اور معنوی تصرف بہت کچھ کیا گیا ہے۔ (ماہر)

WHAT is this stream, this wondrous stream
That poureth ever forth,
Is it a fact, or merely dream,
This flood of Love Divine?

یہ کس جادو اثر حیرت فزا الفت کا چشمہ ہے
جو صبح و شام اپنی پوری طاقت سے ابلتا ہے
کوئی مجھ کو بتائے یہ خدا کے عشق کا طوفاں
کوئی خواب پریشاں ہے کہ اصلیت سراپا ہے

What is this fire that melts my heart,
The fire of Ishk Allah
That sootheth every burning smart
Caused by the want of love?

The flame of Ishk Allah breaks down all bars
And captive souls sets free,
All hurt and seared with mundane scars
And starved for want of love.

No longer dost Thou seem after
Now Thou by love art known,
We drink so deep of Ishk Allah
That we in Thee are lost.

I walk about like one astray,
Quite drunk with heavenly wine,
How can I tear myself away
From Him who is within.

"Thou art myself," the lover cries
To that soul he adores,
"I never did exist," he sighs,
"But only Thou, Beloved."

Miss MUSHTARI,
(M. R. WOKING, LONDON.)

تعالیٰ اللہ گرمی آتشِ عشقِ الٰہی کی
اثر سے موم ہو جاتا ہے جس کے قلب انسانی
محبت درحقیقت باعثِ تخلیق ہے اس کی
نہ کیوں ممنون ہو اس آگ کی ہر شعلہ افشانی

اثر انگیز ہے حبِ خداوندی کا ہر شعلہ
گلا کر چھوڑتا ہے دنیوی خواہش کی زنجیریں
سکون باقی ہی رہیں۔ دردِ دل باقی نہیں رہتا
پلٹ جاتی ہیں اُلفت کے پرستاروں کی تقدیریں

عبادت تیرے جلووں سے مرے احساس کی دنیا
حقیقت تو یہ ہے سب اُٹھ گئے پردے جدائی کے
زہے قسمت میں تیری ذات میں خود ہو گیا ہوں گم
مرے ایمان و دیں قرباں تری اُلفت کی ہستی کے

شرابِ خلد پی کر ہو گیا ہوں مست دیوانہ
میں گم گشتہ مسافر کی طرح پھرتا ہوں دنیا میں
اگر چاہوں بھی تو تجھ سے جدائی ہو نہیں سکتی
کہ تو موجود ہے مجھ میں مرے دل کی تمنا میں

پرستش نے کیا ہے مجھ کو واصل تیرے جلووں سے
یہی شانِ عبودیت مری فطرت کا ایماں ہے
تری اُلفت عدم سے لائی مجھ کو بزمِ ہستی میں
مری ہستی [illegible] عشق کا [illegible] احساں ہے

سردارِ کونین کے مختصر حالاتِ زندگی

(از محترمہ حضرت نشاط۔ ایف اے کلاس)

خالقِ اکبر نے تمام موجوداتِ عالم سے قبل آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور پیدا کیا۔ حضرت آدمؑ سے آنحضرتؐ کے زمانے تک جتنے پیغمبر مبعوث ہوئے وہ سب اپنی اپنی امت سے آنحضرتؐ کے اوصاف بیان کرتے رہے۔ اور اللہ نے جو صحیفے اُن رسولوں پر نازل فرمائے اُن میں حضورؐ کی نشانیاں اور تفصیلات سے انبیا کو واقف کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کو حضرت ایوبؑ کا سا صبر، حضرت یوسفؑ کا سا حسن، حضرت ابراہیمؑ کی سی مہمان نوازی اور حضرت یونسؑ کی سی عبادت عطا فرمائی۔ بقول ؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش تھی کہ اے میرے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا۔ مگر جواب ملا کہ لَن تَرَانِی (کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) آنحضرتؐ تو شبِ معراج رب العالمین سے ہم کلام ہوئے۔ یہ وہ درجہ تھا جو آج تک کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ تمام پیغمبروں کے سردار اور آخر الزماں ہیں۔ بعض جگہ آنحضرتؐ کو سید المرسلین و خاتم النبیین اور خیر البشر کے پاک اور مقدس ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

جب ہم آنحضرتؐ کا نام سنیں تو آپ کی ذات والا صفات پر درود شریف پڑھیں۔ آنحضرتؐ نے ہمیں تعلیم دی کہ اے لوگو! خدا کی اطاعت کرو اور اُسے واحد جانو اور اپنے جھوٹے معبودوں سے باز آؤ۔ حضورؐ کا کلام شیریں سن کر بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

معراج | نبوت کے بارہویں سال ایک رات جب حضرتؐ آرام فرما رہے تھے حضرت جبرئیلؑ نے آکر آنحضرتؐ کو جگایا۔ براق پر حضرت کو بیت المقدس کی طرف لے گئے۔ وہاں نماز ادا کی۔ اُس کے بعد آسمان پر لے گئے۔ دوزخ و بہشت کو ملاحظہ کرایا۔ وہاں سے جب آپ آگے بڑھے تو جبرئیلؑ ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ حضورؐ کی وجہ سے یہاں تک آیا ہوں آگے جانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ اگر یک سرِ موئے برتر پرم ؛ فروغِ تجلی بسوزد پرم۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ نے جمالِ الٰہی کو اچھی طرح دیکھا اور پھر بیت المقدس میں واپس تشریف لائے۔

ہجرت | جب آپ کو مکے والوں نے ستانا شروع کیا تو آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اس وقت سالِ ہجری کا آغاز ہوا۔ آنحضرتؐ پہلے پہل ابو ایوب انصاری کے مکان پر رہے اور وہاں اپنا گھر اور مسجد بنائی۔ جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں پھر آپ نے اپنے اہل و عیال کو بھی وہیں طلب فرما لیا۔

وصال | آخر ماہِ صفر سنہ ۱۱ھ میں رسولِ خدا بیمار ہوئے۔ بیماری کی حالت میں بھی اپنی امت کو اپنے شیریں کلام سے ... سناتے رہے۔ اور دمِ آخر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ذمے کسی کا کچھ قرض ہو یا میں نے کسی کو ناحق ستایا ہے تو مجھ سے انتقام لے سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کا وصال سنہ ۱۱ھ میں ہوا جب کہ آپ کا سن شریف ۶۳ سال کا تھا۔ آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔

ف: سالِ وفات کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ (نصرت)

قصیدۂ میلاد

سرور کائنات مفخر موجودات اشرف الانبیاء حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱)

(جناب سید عباس حسین صاحب)

افتخار اولیاء و انبیاء آمد پدید — رحمة للعالمین خیر الوریٰ آمد پدید

سرور کونین شاہ انبیاء آمد پدید — رونق ہر دو جہاں نور خدا آمد پدید

حامد و نائب شکور و عادل و نون و قلم — حافظ و ناصر مبین و مرتضیٰ آمد پدید

منذر و شاہد شہید و سرور و مالا یری — طیب و طاہر امین کبریا آمد پدید

علت غائی عالم باعث ایجاد خلق — مظہر و فتاح یعنی مصطفےٰ آمد پدید

حجت حق شاہ یثرب مالک و مختار کل — اشرف و شمس و سراج اصفیا آمد پدید

شاہ بطحا نائب و امی و معصوم و کریم — عالم و حافظ عزیز و مجتبیٰ آمد پدید

قاسم تسنیم و کوثر مالک نار و جناں — صاحب معراج شاہ دوسرا آمد پدید

سید و سرور شفیع و رحمة للعالمین — حامی کل مستفیض روز جزا آمد پدید

ذات پاکش مظہر آیات رب العالمین — نور رویش یعنی شمس الضحیٰ آمد پدید

مالک کون و مکاں قرآں در ذات حق جمال — خواجۂ ہر دو جہاں صل علیٰ آمد پدید

الحمد للہ زد آید صدائے ہاتفے

مرحبا صد مرحبا شاہ انبیاء آمد پدید

Safina-i-Niswan.

عورت کی زندگی کے تین دور

(انتخاب)

(محترمہ ج "تقوی" صاحبہ)

سہ چیز است آں کہ پایانی ندارد　　　شب من ، درد من ، افسانۂ من

حضرت آدم کو بہشت سے نکالنے والی جو ناقص العقل کہلائے ، زن اور زمین کے ساتھ جس کا شمار ہو ۔ آج اسی کی نسبت مجھے کچھ لکھنا ہے ۔ اس کے نام کے تو صرف تین دور ہیں ۔ لیکن ان میں جو تین ہزار اس کی قسمت کے چکر ہیں انہیں کا یہ مختصر خاکہ ہے ۔

عورت کی زندگی کی ابتدا ، بالعموم کیسی منحوس کن ہوتی ہے ۔ شاذ ہی ایسے گھرانے ہیں جہاں لڑکی کی پیدائش پر اظہار مسرت کیا جاتا ہے ۔ یا تین چار لڑکوں کے بعد جب لڑکی تولد ہوتی ہے تو اس کی زیادہ قدر ہوتی ہے ۔ اس کو البتہ نعمت غیر مترقبہ سمجھا جاتا ہے ورنہ یوں تو ایام جاہلیت میں یہ اتنی وبال جان تھی کہ اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا ۔ اس کی ولادت پر خوشیاں مبتدل بہ غم و الم ہو جاتی تھیں ، غیر ولادت ہوئی ۔ قہر درویش بجان درویش ۔ یوں تو وں پل جاتی ہے ۔ مگر اس کی زندگی کا طفلانہ معصوم دور بہت سرعت سے گزر جاتا ہے ۔ اس کی بھولی بھولی پیاری پیاری باتیں جن پر بنگالے کی مینا کا دھوکا ہوتا ہے ۔ جن سے سب کا دل بہلتا ہے ۔ اس عمر تک کے تار بہت جلد ٹوٹ جاتے ہیں ۔ لڑکپن کی اٹکھیلیاں ایک ماں کی بچی پیدا ہونے کی طرح غائب ہو جاتی ہیں ۔ ایک بلبل کی طرح ان کا خون ہو جاتا ہے اور وہ دور بھی منقرض ہو جاتا ہے جب کہ کسی شاعر کا قول اس پر چسپاں ہو ۔

سہ　نہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے
　　اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

بلحاظ ایک لڑکی ہونے کے اس پر فرائض کی ذمہ داریاں روزِ ازل سے عائد ہو جاتی ہیں۔
اس کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جب سب ہو رہے ہوں یہ جاگ اٹھے۔ فریضۂ حق سے فارغ ہو کر انتظام
خانہ داری کو سلیقہ وار انجام دے۔ ہر ایک کا خیال رکھے۔ والدین کی خدمت کرے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی
نگرانی کرے۔ نوکروں کی دلجوئی کرے۔ کیونکہ گھر کے نوکر بہ نسبت گھر کی بیگم صاحبہ کے لڑکیوں سے
زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ رات جب سب آرام سے اپنے اپنے بستر پر آرام کریں اس وقت یہ بھی اپنی
خوابگاہ میں چلی جائے۔ اگر کسی کو نصیبہ کی گردش نے اس زمانے میں "سوتیلی ماں" بھی دیدے تو
پھر اس کے ساتھ ہی ماں جیسا برتاؤ کرے۔ ناقابلِ برداشت بھی ہو تو اس کو برداشت کرے۔
سوہانِ روح بھی ہو تو اس کو جھیل لے۔ اگر سوتیلی ماں بھی قسمت سے نیک۔ تعلیمیافتہ۔ خوش
مزاج و محبت شعار مل گئی تو زندگی اچھی ہی کٹی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر زندگی کی
ناؤ ڈگمگانے لگی۔ رسن عمر گلے میں پھانسی بن گئی۔ ایک ایک دن ایک ایک برس بن گیا۔ کیونکہ
وہاں تو جتنا کچھ کرو ؎ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا

ابھی ابن المنیلا نہ کوچہ نکلے تیرے سے دل سیر بھی نہ ہوا تھا کہ ع پر باندھنے صیاد آیا——
ذرا ہوش سنبھالا تھا کہ چو طرف سے پیاموں کی بوچھاڑ شروع ہو گئے۔ جیسے بیری کے درخت پر پتھر لگتے
ہیں۔ کسی نے کہا کب تک بٹھاؤ گی؟ تمھیں نیند کیسے آتی ہے؟ حیات ممات کا کیا بھروسہ جلد اس کے
فرض سے کبھی چھوٹو۔ کوئی کہنے لگیں "ارے اللہ اتنی عمر ہوئی اب تک بَر نہ نصیب ہوا۔ کوئی
یہ کہہ کر کلیجہ چھلنی کر دیں۔ اس کو دیکھتی ہوں تو سینہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ نہ معلوم کب اس کے
فرض سے سبکدوش ہوتے سنوں گی"۔ غرض جب اپنے پرائے یہ کہنے لگ جاتے ہیں تو ماں باپ پر
بھی یہ چودہ پندرہ برس کے سن سے وبالِ جان ہو جاتی ہے۔ اُن کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔
اپنی اولاد اپنی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگتی ہے۔ اپنے بیگانے بن جاتے ہیں۔ جس
محفل میں جا نکلی اسی کو دیکھ کر نہ ہرا لگا جاتا ہے: "تاڑ خالی ہوا دیکھی گیرند۔ کیا کریں گے۔
جب بات کرنے کو کچھ نہیں ملتا تو یہی سہی۔ یہ دیکھ دیکھ کر کوئی حساس ہوئی تو گوشہ نشین ہو گئی۔

ورنہ جو دل پہ نہ لے۔ اس طرف خیال نہ کرے اس کی غضب ہی گت بنی۔ کیونکہ اس کے پیش نظر تو ـ

موجِ خون سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے　　آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

اب خیال کرنے کی جگہ ہے۔ زندگی کا وہ خوشگوار و پرلطف دور جس میں جسمانی و روحانی نشوونما ہوتی ہے۔ اس زمانے میں اعضاء رئیسہ پر کیونکر بجلیاں گرائی جاتی ہیں۔ امنگوں کی لہریں سنگ منجمد بن کر رہ جاتی ہیں۔ احساس سلب ہو جاتے ہیں۔ دل مردہ ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی عورت کی زندگی کا پہلا دور تو آپ نے دیکھ لیا۔ کیسا خوشگوار تھا۔ اب اسی سے حال اور مستقبل کا بھی اندازہ لگا لیجئے۔ ع

جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ!!

ہاں البتہ معدودے چند گھرانے ہیں ایسے بھی جہاں پر لڑکی کی شادی کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ اس کی تعلیم و تربیت کو مستقبل خوشگوار کے لئے اہم گردانا جاتا ہے۔ اس کو دیکھ دیکھ کر کڑھا نہیں جاتا۔ بلکہ قومی بہبودیوں بھلائیوں اور قومی خدمات کا احساس ہوتا ہے جن کے لئے یہ ودیعت کی گئی ہے۔ یہ خوش آیند جذبات جو ایک روشن خیال کے دل میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی کو دیکھنے سے اُمنڈ آتے ہیں۔ اس سے اس کی زندگی اتنی دوبھر نہیں ہوتی۔ ایک دو تین اس کو "سکول لائف" اور کالج کی زندگی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جن سے واقعی بہت کچھ دلبستگی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اب بھی چند دقیانوسی کہنہ خیالات کے لوگ باقی ہیں جو وقتاً فوقتاً یہ غرّے دیتے رہتے ہیں۔ "توبہ لڑکی کو مدرسہ بھیجنا۔ کیا نوکری کرنی ہے؟ اس واسطے دنیا میں قحط پڑے گا تباہی آنے لگی۔ بارش نہیں ہوتی۔ فصل خراب ہو گئی" غرض ساری خرابی جو دنیا میں ظہور پذیر ہوئی۔ اس کی جڑ بنیاد اصل لڑکی کی تعلیم ہے۔ ایک حد تک مان بھی لیا جائے کہ یہ سب کچھ ہوا تو ای تو اس خانہ خرابی کا سبب بھی آپ خود۔ تعلیم کا مقصد جہاں اخلاقی معیار کو گرا دے۔ شرم و حیا کو ملیامیٹ کر دے "مذہبی تعلیم" ذرا ے شستہ قرار پائے یا قریب قریب غائب ہو جائے تو پھر تعلیم کی بھی نہ ہو کم ہے۔ رسول اللہ کے زمانے میں عورتیں بذات خود مذہبی و قومی کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔

علماء و فضلاء کا بازار گرم رہتا تھا۔ مذہب و شریعت سے اسی طرح واقف تھیں جس طرح آج نابلد ہیں۔ تاریخ و احادیث اس کو ثابت کر سکتے ہیں۔ رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی کے جنگی کارنامے تو تاریخ کی جان بنے ہوئے ہیں۔ خیر۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ مقصد یہ کہ تعلیم ذہبی بھی "جزو قومی" سمجھی جائے۔ ورنہ قوم تو ہم پرستی کے قعر مذلت سے ابھر نہیں سکتی اور قوم کا دارومدار عورت سے وابستہ ہے — اس "جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہے۔ وہی حکومت کرتا ہے" ——!!

حصول علم سے لڑکی کی کتنی ساری کلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل کتابوں میں لگ جاتا ہے واہی تباہی باتوں کی طرف اس کا سمند خیال گامزن نہیں ہوتا۔ اس کی کتابیں اس کی دلچسپیوں کا مرکز بن جاتی ہیں۔ کتاب سے بڑھ کر مونس تنہائی اور کون ہو سکتا ہے۔ کس میں اتنی قابلیت ہے۔ دوستوں کی صحبت بھی بسا اوقات ہیجان انگیز ثابت ہوتی ہے۔ ان سے رنج بھی پہنچتا ہے۔ کبھی ان کی بے مہری کا خیال کاہش روح ہوتا ہے۔ کبھی ان کی طوطا چشمی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ لیکن کتاب سے ایسی امید نہیں ہوتی۔ کارلائل کہتا ہے "مروں تو کتب خانے میں مروں۔ جان بھی جائے مگر کتاب ہاتھ سے نہ چھوٹے" ——

(۲)

اب زندگی کا دوسرا دور نہایت تزک و احتشام سے شروع ہوتا ہے۔ یوں تو اس کی زندگی خود انقلاب کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے۔ لیکن اس دور نے اس کی واقعی کایا پلٹ دی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ وہ ایک بھولی بھالی لڑکی سے گذر کر "عقل والی عورت" کہلاتی ہے۔ خواہ اس کا سن چودہ پندرہ برس ہی کا کیوں نہ ہو۔ شادی ہوئی اور وہ عورت کہلائے جانے کی "مستحق" ہو گئی۔ وہ اب ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتی ہے۔ جہاں کا چپہ چپہ اس کے لئے بیگانہ ہے۔ جہاں کی دنیا اس کو خواب و خیال میں بھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ جہاں بیگانہ بن کر بیگانہ رہتی ہے۔ جہاں اس کی ہر ہر بات کو خود و غرض سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا اٹھنا' بیٹھنا' سونا' جاگنا' کھانا' پینا' اس کی سب کی سب کھوج رہتی ہے۔ جہاں سرا پا اس کے خیالات اس پر جبر ہو جاتے ہیں ——

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے!

اس کے رخصت کا سماں عجب دردانگیز ہوتا ہے۔ اپنے تو اپنے غیر تک رو دیتے ہیں۔ پہلے تو آنکھوں میں خار تھی۔ اب ان خاروں کو آنسوؤں کے سیلاب میں اس طرح بہایا جاتا ہے کہ لوگ رونا سمجھیں۔ شادی کے وقت ایک کہرام بپا ہوتا ہے "نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی" کا مصرعہ صادق آتا ہے۔ گویا ایک زندہ جنازہ نکل رہا ہے۔ جس کی رخصت کے وقت یہ رونا ہو۔ رخصت..... یعنے "زندگی کی تمہید"...... پھر اس کا انجام معلوم!!! اور رونا کوئی اختیاری فعل نہیں۔ دل کو ایسے وقت قابو میں رکھنا بہت اہم امر ہے۔ اتنے دنوں کا ساتھ چھوٹتا ہے۔ اس کی ایک ایک بات یاد آتی ہے اور آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے۔ جوں جوں دل کو سنبھالو آنسو امنڈے چلے آتے ہیں۔ گریۂ گلوگیر سے گلو خلاصی ناممکن ہو جاتی ہے۔ خصوصاً ایسے مواقع پر "ماں" کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔ اور سچ پوچھو تو اسی کے رونے سے ساری محفل روتی ہے۔ پھر اس کے وداع کے بعد گھر ایسا سونا ہو جاتا ہے۔ کہ کونہ کونہ کاٹنے آتا ہے۔ اس رات بمشکل نیند آتی ہے۔ بعض تھکے ماندے تو ایسے بے خبر سو جاتے ہیں جیسے وہ مسافر تھے۔ جن کے گھوڑے بک گئے۔

اب یہاں کی سنیئے۔ خواہش و آرزو کی شادی ہوئی تو خیر جا پر روز ستارہ چمک گیا۔ کچھ بعد واقعی زندگی زندہ دلی معلوم ہوئی۔ — جہاں نارضامندی کی شادی ہو۔ یا جبری سنجوگ۔ وہاں کیسے کیسے واقعات ناقابل بیان۔ زبانی جرأتیں ہیں۔ تیکھی چتونیں ہیں۔ اور ایک مظلوم دل۔ بچایا جائے تو بہا بھی کہلاتے۔ مگر جہاں "بیری بن گئے نین" تو پھر کہاں گزارہ۔ جس کے کارن ماں باپ جیسی عزیز از جان ہستیوں کو چھوڑا۔ بہن بھائی جیسی نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ انہوں سے جدا ہوئی۔ گھر۔ جہاں پیدا ہوئی۔ جہاں کا چپہ چپہ ڈھونڈ ڈالا۔ جن کے درخت کی ڈالیاں گواہ ہیں کہ ان پر کتنے جھولے ڈالے۔ پتہ پتہ بتاتا ہے کہ ان کے سایہ میں کتنے ساون ایسے آئے جن میں کڑاہی چڑھی۔ جہاں آتو بول جاتا ہے۔ اگر ان کے قدموں کی برکت سے وہاں چمچیچھوں کا بسیرا ہوتا۔ مکان کا کونہ کونہ

جس کو دور رہا تھا۔ جس وقت یہ رخصت ہوئی۔ درخت سوز و گداز سے معمور تھے۔ چمن کا ایک ایک پھول اشکبار بن گیا تھا۔ صحن کا حوض چشم پُرآب کی طرح لبریز تھا۔ فوارہ کھڑے قد سے آنسو ڈال رہا تھا۔ آسمان کے ستارے سکتہ کے عالم میں چاند کے گرد ہالہ بناتے کھڑے اس کے رخصت کے منظر کو گھور رہے تھے۔ ہوا اپنی۔ قادر کو محض اس لئے سبک کرلی تھی کہ اس کی پُر درد چیخوں کو "میکہ" میں پھر اکیلا پن بے غرض جس سے وابستہ ہونے کے لئے یہ سب کچھ ہوا وہی لاپرواہ۔ بیزار۔ تو پھر زندگی کس کیلئے!

شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو ایک سرے سے سب بدل گئے۔ وہ بھی جنہوں نے بڑے چاؤ اور ارمان سے نسبت کی تھی۔ بڑے بڑے دھوموں سے بیاہ کر لائے تھے۔ ان سے اب ذرا ہمدردی نہ ہوتی تھی۔ غیبت کا بازار گرم تھا۔ سامنے بھی طعن و تشنیع سے نشانِ ملامت بنایا جاتا تھا۔ پیٹھ پیچھے تو بھی کہتے تھے غرض بقول شخصے ؎

ہوا ڈھونڈ ڈھونڈ کے سب مجھ پہ مشق اے احباب رہے نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے
ہوتے جو طعنۂ اعدا کبھی ذرا کو بند زباں سے کام اعزا نے خودہاں کیلئے

شوہر صاحب کبھی منہ لگا کر بات نہیں کرتے۔ گھر آئے مہمان داخل۔ جیسے کوئی گلہ ٹالتا ہے۔ یا فرض اتارتا ہے۔ دفتر سے آئے چار پل۔ پھر "احباب نوازی" کے بہانے چلدئے۔ تو کبھی پہر رات گئے گھر میں قدم رکھا۔ کبھی مرغ سحر کے ساتھ دروازہ پر دستک دی۔ یہاں ع جو شمع تھی دلیل سحر سو خموش تھی۔

محبت کی شادیوں کو بھی دیکھ لیا۔ بڑے بڑے ناک والوں کی ناکیں نیچی ہوگئیں۔ جہاں جتنی وافر محبت کی لن ترانیاں تھیں وہیں زیادہ نفرت دیکھی۔ لیکن بحیثیت ایک "بیوی" کے اس کو سب کچھ جھیلنا پڑتا ہے اندر ہی اندر خون خشک ہو جائے۔ خون دل آنکھوں کی راہ تنہائی میں بہانا بدرجہا بہتر بہ نسبت اس کے ہرزہ ابن سے دل کیفیات کا ہر شخص پر اظہار کرے۔ اس سے خود بھی ذلیل ہو۔ جو وابستہ ہیں ان کو بھی ذلیل ہوتا ہوا دیکھے۔ اس سے تو پہلے ہر قسم کی اصلاح کرے۔ سب ہتھیار جب کند ہو جائیں تو خوشی کو اپنا شعار بنانے اور "شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن" پر عمل کرے۔ کیونکہ جو لوگ زیادہ گوئی کرتے ہیں ان کی قدر و منزلت کا پایہ گر جاتا ہے۔ طعن و تشنیع۔ گلہ شکوہ۔ شکایت ملامت۔ ان کا بھی تحمل دو قسم ہوتا ہے۔

ہر قدم ہر موقع پر پیا ناد کُٹرا لیے بیٹھا اس سے امدکی بچی کچی جوبن خاک میں مل جاتی ہے۔ عورت کی زندگی اسی طور اس کو سنجیدگی کا ایسا سبق کہلاتا ہے۔ جو مدت العمر اس کو یاد رہتا ہے۔ قسمت اور ایسی بدنصیب ہستیوں کو بہت کم نصیب ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے قبل ہی ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے دنیا میں مسرت و سکون کا منہ نہ دیکھا قبر کا گوشۂ عافیت ان کے لئے طمانیت ابدی ثابت ہوتا ہے۔ میرے خیال میں جن کی قسمت میں ایسے لوہے کے چنے چبانے ہوں اُن کی زندگی کا خاتمہ دورِ اول ہی میں ہو جائے تو یا غنیمت — کیونکہ — "ماں باپ جنم کے ساتھی ہیں۔ کرم کے ساتھی نہیں" ——

اکثر ایسے اتفاقات وہیں ہوتے ہیں جہاں شادی سے قبل کافی طور پر چھان بین نہیں ہوتی۔ برابری کا جوڑ بہت دشوار ہے۔ قبل از وقت کی تکالیف بعد کے پچھتاوے سے بہتر ثابت ہو چکی ہیں —— مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد —— وقت کا ایک ٹانکہ نو ٹانکوں کی زحمت سے محفوظ رکھتا ہے۔ کبیر داس جی کا ایک دوہا اس وقت حسب حال معلوم ہوتا ہے —— "اوتم سے اوتم ملے۔ نیچ سے نیچ۔ پانی سے پانی ملے۔ کیچ سے کیچ" —— !!

جہاں شادیوں کے انجام ناگوار و غم انگیز ہوں وہاں پہلی چیز طبیعتوں کا اختلاف ہے۔ شادی میں بڑی چیزیں حسب و نسب ہیں۔ ورنہ سراب سے کوئی سیراب ہو سکتا ہے؟ کیا آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے زبانِ حال سے خود گویا نہیں کہ ہم جلانے کے لئے ہیں؟ کیا آفتاب کا نکلنا خود آپ اس کی دلیل نہیں کہ آفتاب نکلا؟

جہاں اصلیت کی جانچ نہیں ہوتی، وہاں لڑکی کی جان ضیق میں نہ ہو تو کیا ہو۔ گزارہ کرنا تو اس کو ہے شادی بیاہ کی تیاریوں میں جو حصہ لیتے تھے ان کو اپنے طور ماننے سے کام۔ اب اس کی نئی زندگی خواہ جنت ہو یا گہوارۂ جہنم —— جہاں حسب نسب کو اہمیت نہیں دی جاتی وہاں اس کے لین دین پر نکتہ چینی ہے۔ اس کے بیاہ کے اہتمام پر اعتراض ہے۔ اس کے والدین کی کمزوریوں پر ہنسا ہنسایا جاتا ہے۔ حالانکہ خود ہم پر یہ قول صادق آتا ہے ؎

تجھے کیوں فکر ہے اے گل دلِ صد چاک بلبل کی   تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے !!

غرض ایک ہو تو کوئی سنے۔ وہ ہو تو نا خوش رہ سکے۔ جب اس طرح زندگی کی ہر صبح ہنسی ہوتی کہ شام ہو جاتی ہے۔ وہاں "وقت وصل" ہی اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور یہی دوست بنجاتے ہیں۔ بلکہ اس کا ان امراض کا شکار ہو جانا اس زندہ درگور رہنے سے بدرجہا بہتر ہے ؎

آہ ——— مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے ؟

دنیا دکھاوے کو جو لوگ اہمیت دیتے ہیں وہ بیٹی کی شادی کر کے عمر بھر کے لئے قرض کا انبار بنجاتے ہیں جن کا نصب العین یہ ہو ——— بقول میر انیس ؎

پروا نہیں پیوند ہوں گر رخت بدن میں
مرتے ہیں بس اس پر کہ تکلف ہو کفن میں !

ایسی شادیاں دونوں خاندانوں کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں خصوصاً لڑکی والوں کے لئے تو دنیا جہنم کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ قرضخواہوں سے نجات نہیں ملتی۔ ڈگریاں، نالشیں، مکانات و املاک کی ضبطی کی دھمکیاں۔ ان سب پر جن کے لئے تپکے وہ بھی ناخوش ——— دنیا کا پیسہ کر سسرال جاؤ تو بھی وہاں نام جو دھرا جاتا ہے وہ کہیں گیا نہیں ——— ایک ایک ٹانکہ پر سو سو ملواتیں۔ سلیقہ نہیں تھا ——— اماں ایسی پھوہڑ تھیں تو بیٹی کیا کرتی ہی تھیں ——— وغیرہ وغیرہ، گر دل ہی جانتا ہوگا کہ کیسی بنی آئی۔ اماں باوا نے سارا کیا دھرا بیٹی کے نذر چڑھا دیا۔ پھر قرضدار بھی ہو گئے۔ خیر سے پھر کچھ نام بھی نہیں ———

ارے دنیا ——— پیسے پر جان دینے والی بے حقیقت گندگاہ ! تیرے مد نظر اگر یہ ہو جائے کہ اُن پر سے جان و مال صدقہ ہیں تو پھر آج تجھ میں کوئی عیب نظر نہ آئے۔ لیکن کہاں تجھ میں ادھ پیچی ——— تجھ کو جونک لگی ! تیری حرص روز افزوں ہے۔ طمع تو تیری گھٹی میں ہو گئی ——— لالچ تو تیرے ہر اونی کرشمہ سے عیاں ہے۔ تو ذاتی حسن و قابلیت کی قدردان نہیں تو طلائی۔ نقرئی۔ دھاتوں پر جان دیتی ہے۔ جہاں کوئی سونے کی چڑیا نظر آئی تو اس کی جبر کاب ہو گئی ——— "دوسری زندگی" میں بھی کہیں "سوکن کا جلاپا" جھیلا ——— کہیں "بہو کی" کمائی ... جو ایک سے

ایک بڑھ کر ثابت ہوئے۔ جس میں وار دہوتے ہی ع جل گیا باغِ زندگی آگ لگی بہار میں!!

———(۳)———

تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں پرورش اولاد کی اہم ذمہ داری پڑتی ہے۔ ایک ماں کی حیثیت سے ان کی غور و پرداخت اس کا فرض ہے۔ جو اس کو قدرت نے ودیعت کئے ہیں۔ جن کا پروان چڑھنا قوم کا نشو و نما پاتا ہے۔ ملک و قوم کی ترقی کا راز جن کے رگ و ریشہ میں مضمر ہے۔ جن کے "رجحان طبیعت" کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ جن کا "میلان طبع" فوری التفات کا محتاج ہے اور اسی پر زندگی کا سنگِ بنیاد رکھا جاتا ہے۔ اس کی آئندہ زندگی کا راز پہلے قدرت "ماں" کے آنکھوں کے سامنے کھولدیتی ہے۔ ماں اسی کے ——— جس کے قدموں کے نیچے جنت ہے!! ——— ع شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد!!

غرض ——— یہ ہے عورت کی زندگی اور تینوں دور کی مختصر تفسیر۔

اردو شعر کہنے والی خواتین کا تذکرہ

صنف نازک کی ادبی خدمات افسوس ہے کہ بہت کم نمایاں کی گئیں اس طبقے کے ادبی مذاق اور اس کے ارتقار کی کوئی تاریخ ہی لکھی گئی اور نہ کوئی سنجیدہ تذکرہ ہی ترتیب دیا گیا۔ ہم نے اسی خیال کے مدنظر فی الحال "اردو شعر کہنے والی خواتین" کا تذکرہ ترتیب دینا شروع کیا ہے۔ ابتدا سے آج تک جس قدر اردو شعر کہنے والی خواتین گزری ہیں۔ ان کے حالات اور کلام کے نمونے ایک حد تک فراہم کر لئے گئے ہیں۔ براہ کرم آپ اپنے حلقۂ اثر میں اس تذکرے کا تذکرہ فرمائیں اور اپنی جانی ہوئی خواتین کے حالات اور کلام کے نمونے روانہ کریں تو نہ صرف مجھ پر بلکہ ادب اردو پر احسان ہوگا۔

نیازمند

سید تمکین کاظمی حیدرآباد دکن

Safina-i-Niswan.

مسلم خواتین کا ماضی حال اور مستقبل

— از —

محترمہ نگینہ قاسمی صاحبہ (مومن آباد)

محترمہ بہن صادقہ ۔ تسلیم نیاز ۔

محرم "نمبر" میری نظر سے گزرا۔ "احوال" میں میلاد نمبر کا اعلان میرے لئے پنبہ کاری داغِ جگر ہوا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں طلائی تمغہ کا ذکر ہے اور نہ اس لئے کہ اس سے قلم آزمایانِ ادب کی جانچ منظور ہے۔ بلکہ جس چیز نے میرے دل کی کریدنی مدد کی اور جس نے میری قسمتِ خفتہ کو مژدۂ بادہ گساری سے بیدار کیا وہ عنوان نمبر (۲) یعنی "مسلم خواتین کا ماضی حال اور مستقبل" ہے۔ جس کے تحت میں اپنے اُن خیالات کو نہایت آزادانہ پیش کرنے کی جسارت کر رہی ہوں جو مدت سے خلشِ دل کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے۔ مگر افسوس کہ جس قدر لکھنا چاہتی تھی۔ اتنا نہ لکھ سکی کیونکہ وقت بہت کم ملا گیا ہے اور اتفاق سے مجھے محرم نمبر بعد از وقت ملا۔ ہاں اگر میں مضمون نگار رہتی تو شاید ذرا ہی فکر کر کے مضمون کے صفحے لکھ ڈالتی۔ بہرکیف مجھ سے جس قدر ممکن تھا اور جو میرے دلی خیالات تھے۔ انہیں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کر رہی ہوں۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

(نگینہ قاسمی)

پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ عورت کیا ہے؟

عورت ایک مظہرِ جمالِ ربانی ہے اور ماؤں کی روحی خوبیاں جمالی صبر، محبت، بے غرضی، اعتماد، شرم وحیا ہے۔ پس اصلی عورت وہی ہے جس میں یہ سب خوبیاں یا ان میں سے زیادہ پائی جائیں۔ عورت کے ایک معنی پردے کے بھی ہیں۔

مسلم خواتین کا ماضی مسلم عورت اُس زمانہ کی جب کہ ساری دنیا اُس کے اسلاف کے آگے سرنگوں تھی اور اس وقت کی جبکہ ادب، فلسفہ، حکمت مسلمانوں کی سرپرستی میں اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکے تھے۔ ہاں اُسوقت عورت نام تھا نسائیت کا اعلےٰ ترین نمونہ تھی عصمت ولداری کا مرقع تھی شرم وفاداری کی دیوی ملکہ تھی۔ تربیت اولاد اُس کا فرض عین اطاعت شوہر اُس کے لئے عبادت سے بڑھ کر تھی۔ یہ تھی اگلی عورت اور اُس کی مختصر تعریف۔

یہ بات مشہور ہے کہ اگلے زمانے میں عورت کا درجہ ایک جاہل ان پڑھ محکوم اور خادمہ کا تھا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آج سے تیرہ سو برس پہلے عہد نبوت میں بھی اکثر عورتیں تعلیم یافتہ تھیں۔ پڑھنا لکھنا جانتی تھیں۔ البتہ بی۔ اے کی ڈگری سے محروم تھیں۔ انگریزی تعلیم کے دُم چھلے اُنکے پیچھے نہیں لگے تھے۔ احادیث وفقہ قرآن وتفسیر اُنکے پسندیدہ کتابیں تھیں۔ گلستان بوستان، مثنوی شریف اُنکے ناول تھے اور ان ہی سے اُنکی دلچسپی ہوتی تھی۔ علامہ بلاذری مصنف فتوح البلدان کی تاریخ میں جہاں سترہ پڑھے لکھے اشخاص کا ذکر ہے وہاں یہ بھی درج ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں پانچ چھ تعلیم یافتہ خواتین بھی تھیں۔ اُس کتاب میں یہ بھی لکھا کہ آنحضرتؐ نے اُم المومنین حضرت حفصہؓ کو تعلیم دینے کیلئے شفا بنت عبداللہؓ کو طلب فرمایا تھا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت اُم کلثوم بھی فنِ کتابت جانتی تھیں۔ شفا، حفصہؓ، اُم کلثومؓ، عائشہ کریمہؓ اور اُم سلمہؓ ساتویں صدی عیسوی میں عرب کی تعلیم یافتہ خواتین گزری ہیں۔

تہذیب النساء مصنفہ علامہ نووی میں بھی عرب کے تعلیم یافتہ خواتین کا ذکر ہے۔ عصر اول میں عورتیں مدارس میں بھی جایا کرتی تھیں اور بچوں کے ساتھ علوم حاصل کرتی تھیں۔ ان کے معلم عموماً مرد ہوا کرتے تھے۔ نویں صدی کی تاریخ میں کوفہ کے ایک مدرسہ کا ذکر موجود ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بعض عورتیں بلکہ ایک کنیز بھی فقہ وشرح تفسیر احادیث طب وحکمت فلسفہ منطق ادب پر کافی عبور رکھتی تھی۔

تعلیم کے علاوہ عرب وایران کے اکثر خواتین سیاسیات اور ملکی کاروبار میں بھی مشہور ہیں۔ اکثر جنگ کے وقت

عربی خواتین کے ذمہ انتظام طعام اور نگرانی اشیاء ہوتا تھا اور بعض وقت تو وہ خود گھاس لے کر میدان جنگ میں کود پڑتی تھیں اور بوقت ضرورت مردوں کے ساتھ وہ بوجھ بھی اٹھاتی تھیں۔ بہرکیف وہ سب کچھ کرتی تھیں مگر دائرہ نسائیت کے اندر رہ کر تہذیب اخلاق کے تابع ہو کر انکی ساری حریت و آزادی اپنی شریعت کے مطابق تھی۔ شرم وحیا اور رواج کے خوبصورت زنجیروں سے ان کے قدم گراں بار تھے۔ انکی آغوش بچوں کے لئے بہترین تربیت گاہ تھے۔ بڑے بڑے اولیاء و علماء ایسے گزرے ہیں جو صرف ماں کی تربیت کی وجہ سے آج چار دانگ عالم میں مشہور ہیں۔

یہ تو گزشتہ زمانے کی مسلمان عورتوں کے مختصر حالات ہوئے۔

مسلم خواتین زمانۂ حال میں اب عورت نام ہے تختہ بازاری کا۔ عکسی تصویر کا۔ عریانی کا۔ بے حیائی کا۔ نمود ونمائش اور سنگھار اس کا دلچسپ شغل ہے۔ تقلید فرنگ نسائیت کا زیور۔ تعلیم کا مقصد صرف چند حیا سوز انگریزی کتابوں کے مطالعے پر موقوف گو یوں تو تعلیم نسواں عام ہوتی جا رہی ہے۔ روز بروز مدرسوں اور کالجوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ طالبہ کی بھی بہت کثرت ہو رہی ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ ترقی دراصل زوال کا پیش خیمہ ہے۔ سوائے چند کورس کی کتابوں کے وہ بھی انگریزی ہماری بہنیں اور کچھ نہیں جانتیں۔ لکھنا تو بڑی بات اچھی طرح پڑھنا بھی نہیں آتا۔ انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ سرکار دو عالم کی کتنی بیویاں تھیں اور انکے کیا کیا نام تھے۔ کربلا کے وجوہات کیا ہیں۔ نماز میں کتنے ارکان ہیں۔ خیر یہ تو بڑی بات ہے کلام مجید بھی شاید ہی شکر ہے ہماری دو ایک فیشن ایبل بہنوں نے ختم کیا ہو۔ بھلا جن کے مذہبی معلومات کا یہ حال ہو تو آپ ہی بتلائیے کہ انکے عقائد کا کیا حال ہوگا۔ میں بخدا آپ لوگوں سے سچ عرض کرتی ہوں کہ میں نے ہمارے ملک کی اکثر مدرسہ جانے والی لڑکیوں کو دیکھا ہے کہ وہ مسلمان ہیں مگر طریقہ عبادت عیسائیوں کا سا ہے۔ میری بہنو بخدا کہیں جس وقت ان مسلم خواتین کو اپنے ماتھے اور سینے پر صلیبی نشان بناتے دیکھتی ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ دوسروں کے لڑکیوں پر میرا کیا بس چل سکتا ہے۔ جب والدین خود دیکھ کر چپ ہو رہتے ہیں تو کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے۔ ایک وہ نہیں انکی عبرت کیسی عاقل و بالغ نئی تہذیب کے پیدا ہونے کا نام گناہ گنا کیا بلکہ گمراہ کیا جرم ہے۔ اس لئے چپ ہوں۔

آہ جب کسی مسلم عورت کو جماہی لینے کے بعد اپنی مذہبی آیت کو چھوڑ کر گاڈ GOD کہتے سنتی ہوں تو دل ہوتا ہے کہ اسی کا نام مسلمانی ہے؟

سنتے تھے کہ مذہبی عقیدتمندی اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مگر آج کل تو عورتوں سے بڑھ کر مرد ہی اپنے مذہب اور ملت پر ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ مجھے بتلائیے کہ کتنی عورتیں ایسی ہیں جو کم از کم مہینہ میں چار دن پنجوقتہ نماز پڑھتی ہیں۔ چراغ لے کر ڈھونڈئیے تو شاید ہی کوئی ایسی بدقسمت ہوگی جس میں یہ خوبیاں موجود ہوں۔ مال پہننے اوڑھنے پر جان نثار کرنے والیاں سینکڑوں ملیں گی اور اُن سے یہ پوچھئے کہ بہن نماز کیوں نہیں پڑھتیں تو جواب ملیگا کہ "خدا کو دل سے یاد کرنا نماز سے بڑھ کر ہے"۔ اب بتلائیے کہ ایسا عابد دل رکھنے والیوں کو نماز کی کیا ضرورت جن کے پاس لنڈن نام و رشتگی کا مسئلہ نہیں معدہ کی برکت سے کون واقف کر سکیگا۔

اے یورپ کی مقلدو! مغرب کی پرستارو! وہاں کی عورتوں سے پوچھو کہ اون کی زندگی کس قدر عذاب میں ہے کشاکشِ غمزہ کی داستان اُن سے سنو وہ بتلائیں گی کہ اُن پر کیا کیا ستم نازل ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس عورت نام ہے جسم کا اور ہمارے پاس اصلی نسائیت صرف روح پر موقوف ہے۔ بے حیائی عصمت و عفت فروشی اُن کیلئے ادنیٰ سی بات ہے ہمارے پاس تو زیور ہیں۔ عورت میں یہ نہیں تو اُس کا وجود بیکار۔ میری ہمنو بہنیں مانو کہ آج کل ہمارے ملک کے انگریزی مدرسوں میں تعلیم سے زیادہ فن آرائش جسمانی کے مغربی قاعدے سکھلائے جاتے ہیں۔ عارض و لبوں پر پینٹ رنگ (PAINT) کس طرح کرنا چاہیئے جسم کو چلتے وقت کیوں کر لچکانا چاہیئے۔ بات کرتے وقت آواز میں ترنم پیدا کرنا اور آنکھوں کو کیسا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

بہرکیف کسی طرح بھی ہو اپنے آپ کو ایک رنگین و بولتی تصویر بنائے رکھنا آج کل کی تعلیم کا حاصل ہے۔ پھر کنا ناچنا جو کسی زمانے میں صرف طوائفوں کے لئے مخصوص تھا وہ آج داخل فیشن ہی نہیں۔ بلکہ اس کی باقاعدہ مدرسوں میں تعلیم دی جاتی ہے اور اُسے آرٹ کا بہترین کمال قرار دیا گیا ہے۔ محبت جسکو زمانہ حاضرہ کی تعلیم یافتہ خواتین (LOVE) کہتی ہیں ان کے نزدیک بغیر اس کے مکمل عورت نہیں کہلا سکتی۔

خوبصورت خوبصورت انگریز مرد اور امریکن ایکٹروں کے تصاویر سے اُنکے کمرے آراستہ ہیں اور یہ اُنہیں ہر روز گھنٹوں کھڑی ہو کر محبت بھری نظروں سے دیکھتی رہتی ہیں۔ کبھی اُنہیں آنکھوں سے لگاتی ہیں کبھی سینے سے چمٹاتی ہیں اور کبھی چومتی ہیں! ہارمونیم اور پیانو نوازی اُن کا روزمرہ کا کام انگریزی تفریحی اُن کے فرصتی اوقات کا مشغلہ۔ نیم عریاں جامہ تو بہت دنوں سے ان کا مرغوب لباس ہے۔ مگر آئندہ عریانی بھی منظور نظر ہو جائے گی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا اسی کا نام تعلیم ہے! کیا یہی نسائیت ہے! جس پر مشرق کسی زمانے میں نازاں تھا۔

کیا ہمارا مذہب اس کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ بھلا آپ ہی بتلائیے کہ جس عورت کے کچھ گھنٹے بننے سنورنے میں صرف ہو جایا کریں۔ اور کچھ تو بجانے اور گانے میں، کچھ تو برِیک فاسٹ، لنچ اور ڈنر کے بعد سگریٹ کشی میں اور کچھ تو غیر مرد FRIENDS کی آؤبھگت میں تو پھر شوہر کی اطاعت کرنے کو وقت کہاں سے لائیں گی اور خانہ داری کی کیونکر دیکھ بھال کر سکیں گی؟ اور پرورشِ اطفال اُن سے کیسے ممکن ہے؟

موجودہ دور کی عورت کا مستقبل خیر یہ تو سب کے آنکھوں دیکھی باتیں ہیں اس کے ذکر کو کسی طرح جلد ختم کیونکہ اصلی پرلطف حصہ تو اس کے بعد آتا ہے جب کہ عورت نام ہوگا۔ ایک رنگین پری جس کا کسی زمانے میں راجہ اندر کے اکھاڑے میں گزر ہوتا تھا۔ مے نوشی اور قماربازی میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش بلکہ بہت کچھ آگے ہوں گی۔ نائٹ کلب قائم ہو سکیں گے پارک میں چہل قدمی کرنا ضروری ہوگا۔ باغوں کی روشوں میں مصروف گل گشت ہوں گی اور کوچوں میں ہنسی فلسفہ محبت و جمالیات ادبی مضامین کہا کریں گی۔ موٹر خود چلاتی ہوں گی اور شوہر آپکے بازو بیٹھے ہوں گے۔ مذہب حرفِ غلط کی طرح اُن کے دلوں سے مٹ چکا ہوگا۔ عفت و عصمت کی حفاظت اصول سوسائٹی کے خلاف ہوگی بجائے پہر کے صبح ہوگی اور پھر بادہ خواری و مجسم سرمستی کا ہجوم ہوگا اب کیا کہوں کہ کیا کہنا چاہتی ہوں؟!! ————

مجھے افسوس ہوتا ہے اور تعجب بھی کہ وہ اوصاف جو نسائیت کی جان تھے۔ عصرِ حاضرہ کی خواتین صرف ذوقِ نظر کی تکمیل اور جلوہ گری کے عوض میں ترک کر دینے پر آمادہ ہیں۔ مانے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اصول کی تکمیل میں نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ آدھی ملی نہ ساری۔ اُن کا یہ خیال کہ ملکی کاروبار میں مردوں کا ہاتھ بٹائیں گی محض بے بنیاد ہے بلکہ وہ غریب مردوں کو بھی بیکار کر دیں گی۔ البتہ اُن کی حیثیت شمعِ محفل یعنی زینتِ محفل کی ہوگی اور مرد پروانوں کی طرح نثار ہوتے رہیں گے۔ مگر یہ کب تک؟ صرف اُس وقت تک جب تک شباب ہے اور اس میں کشش و دلآویزی۔ پھر اس کے بعد زہر کا پیالہ ہوگا۔ جو عورت کو پنجۂ غم سے نجات دلائے گا۔ یہی حال آج یورپ کی خواتین کا ہے۔ اپنی تہذیب کو چھوڑ کر دوسروں کی تہذیب و تمدن اختیار کرنے والوں کا انجام مایوسی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کورانہ تقلید کسی کام کی بھونڈی نقل سے کیا فائدہ۔ وہ کرو جو درحقیقت کرنا ہے جس کی ضرورت ہے۔ وہ حاصل کرو سیکھو۔ مگر وہ نہیں جو تمہارے کام نہ آئے۔ اچھی چیز کہیں سے بھی لی جا سکتی ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے۔ [illegible] سے یوں ہی چلتا رہے گا۔ عرب نے عجم سے سیکھا اور عرب سے یورپ اور تمام دنیا نے اچھی اچھی چیزیں حاصل کیں۔

مجھے یہ تحریر کرتے ہوئے بیحد صدمہ ہوتا ہے کہ دکن جو مخزن ہے علوم کا جہاں اردو زبان کی سرپرستی ہو رہی ہے۔ جامعہ عثمانیہ جس کا قیام محض ترقی زبان مادری کے لئے ہے۔ جہاں کا سارا نصاب زبانِ اردو میں ہے۔ اگر وہاں تعلیم نسواں زبانِ انگریزی میں دی جائے تو کس قدر ظلم ہے۔ محبوبیہ گرلز اسکول کا سارا نصاب انگریزی میں ہے۔ وہاں معاشرت مغربی وہاں کے بیشتر معلمین یورپ والیاں۔ اردو تو محض نام کو رہ گئی ہے۔ آخر ایسا کیوں رکھا گیا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ ہمارے مرد تو اردو زبان میں تعلیم پائیں اور عورتیں انگریزی میں۔ کیوں نہیں وہاں بھی عثمانیہ کی طرح سارا نصاب اردو میں کر دیا جاتا۔ آئے دن تمام نسوانی فضا عموماً مغربی بادِ سموم سے مسموم ہوتی جا رہی ہے۔ قبل اس کے ہم مدعی زید کو الزام دیں ہم اراکین محکمہ تعلیمات ہی کو منصف بناتے ہیں کہ بھلا اس توبہ شکن اور ولولہ انگیز صحبت میں اگر ہماری مسلم بہنوں کی توبہ نے لغزش کھائی اور اُس جام عہد فراموش کو منہ سے لگاتے ہی بنی جو مغربی معلمہ کے دست طلائی نے پیش کیا ہو تو انصاف کیجئے اس آخری حلوے میں دل کس کے نہیں چاہے عورت ہو یا مرد اور پھر یہ تو وہ مقام ہے۔ جہاں اردو شاعرات کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ یاد رکھیئے کہ صحبت صالح ترا صالح کند، صحبت طالح ترا طالح کند۔ اگر ہم شیر کے منہ میں ہاتھ دیکر یہ توقع رکھیں کہ وہ ہاتھ نہیں چبائے گا۔ تو ایسے انسان کو کیا کہیں گے، مغربی خواتین سے مشرقی تعلیم کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے۔ ان کی اور ہماری تہذیب میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا کہ زمین و آسمان میں۔

چونکہ اس مسئلہ پر بحث کرنا بالکل بے محل ہے اس لئے میں اس آخری التجا پر ختم کرتی ہوں کہ میری سمجھدار بہنیں جہانتک ممکن ہو سکے محکمہ تعلیمات کو توجہ دلائیں کہ طبقہ نسواں کے تعلیمی نصاب کو اردو میں کر کے علوم خانہ داری و حفظانِ صحت کی جانب اپنی توجہ خاص مبذول رکھے۔ تاکہ لڑکیاں جن پر قوم کے بننے و بگڑنے کا انحصار ہے صحیح طور پر گھر کی ملکہ کہلائے جانے کی مستحق ہوں۔

(از جناب محمد عبد السلام صاحب بیگ خوشنویس)

شمعِ رخِ مصطفٰے کا پروانہ ہوں — میں حسنِ حبیبِ حق کا دیوانہ ہوں

کوثر پہ جو ہمعصروں کو بھی مل نہ سکے — اس مے کا چھلکتا ہوا پیمانہ ہوں

ہمارے نبیؐ

(از جناب سید غلام حیدر صاحب رائیٹ لاج شملہ)

؎ ہمیں کیا پرسشِ اعمال کا ڈر ہو قیامت میں ۔ رسولِ پاک جب شافعِ روزِ جزا پایا

آفتابِ رسالت ۲۰ اپریل سنہ ۵۷۱ء کو افقِ عرب سے طلوع ہوا جسکی ضیا پاش کرنیں کائنات کو منور کر رہی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دنیا ضلالت کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔ اس وقت ملکِ عرب میں بت پرستی خونریزی۔ دختر کشی وغیرہ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ ان حالات کی اصلاح کے لئے رب العالمین نے ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ کو ایسے ملک میں پیدا کیا تا کہ انکو راہِ راست پر لائیں اور آقائے نامدار کی پیدائش بھی اس گروہ اس قبیلہ میں ہوئی جو بت پرستوں کی صف میں سب سے اول تھا۔ آنحضرت ابھی دو ماہ ہی کے نونہال تھے کہ سایۂ پدری سرِ اقدس سے اٹھ گیا اس واقعہ کے چند ہی سال بعد والدہ معظمہ نے بھی داغِ مفارقت دے گئیں حضور یتیم ہو گئے۔ آپکے چچا کے اور کوئی وسیلہ نہ تھا حضرت ابو طالب نے حضور کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ گو ابو طالب کچھ زیادہ امیر نہ تھے مگر سوداگری کا شوق تھا جسکی وجہ سے وہ اکثر شام کیطرف تجارت کیلئے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب فلسطین جانے لگے تو آنحضرت کو بچہ سمجھکر ساتھ لیجانے سے انکار کیا۔ اب اس یتیم کو پیارے چچا کی جدائی سوہانِ روح ثابت ہونے لگی۔ کیونکہ ان کے چلے جانیکے بعد آنحضرت کا کوئی ایسا ہمدرد نہ تھا جو آپکی خبر گیری کرتا۔ لیکن آنحضرت کی محبت کے جوش نے حضرت ابو طالب کو رضامند ہی کر لیا اسکے متعلق عیسائی مورخ یوں تحریر کرتے ہیں کہ "جب آنحضرت اپنے چچا کے ہمراہ شام کے ملک میں گئے تو وہاں سوداگری کے متعلق یہ تجربہ ہوا۔ جو اس بچے کیلئے سود مند کیا تھا کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس موقع پر حضور کو عیسائی اور یہودی راہبوں کے تبادلۂ خیالات کا ایک اچھا موقع مل گیا۔ اسی موقع پر آنحضرت نے مذہب اسلام کی بنیاد رکھی۔" والدین کی مفارقت نے آپکو تقوی اور طہارت کا عادی بنا دیا تھا۔ شروع ہی سے دنیا کے مال کی طرف بہت کم راغب تھے۔ اس درِ یتیم نے جو کارہائے نمایاں کئے اس کی نظیر آج دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ جس نے کعبے کے بتوں کو توڑ کر خاک میں ملا دیا جنکی ذاتِ والا صفات نے مجوسیوں اور ایرانی آتشکدوں کو ہمیشہ کیلئے گل کر دیا جس نے کلیسا کو تختۂ نبوی اور عطائے دینی سے محروم کر دیا۔

حضور کی زندگی کے حالات ہمیں اپنی اپنی سبق سکھاتے ہیں کہ آنحضرت کریم النفس و سخی تھے۔ یتیموں پر رحم کرتے تھے۔ حضرت نے خضرِ رہبر بنکر گم گشتہ راہ لوگوں کو راہِ راست پر لگایا۔ ختم کرنے سے پہلے میں اس ذاتِ اقدس کے حضور میں دست بدعا ہوں کہ اپنی گنہگار امت کی طرف نگاہِ رحمت فرمائی جائے۔ کیونکہ ہمارے گناہوں سے پروردگار کی رحمت زیادہ ہے۔

تہیدستِ عمل ہوں لاج تو ہی رکھنے والا ہے ۔ بھرے مجمع میں محشر کے نہ کھل جائے بھرم اپنا
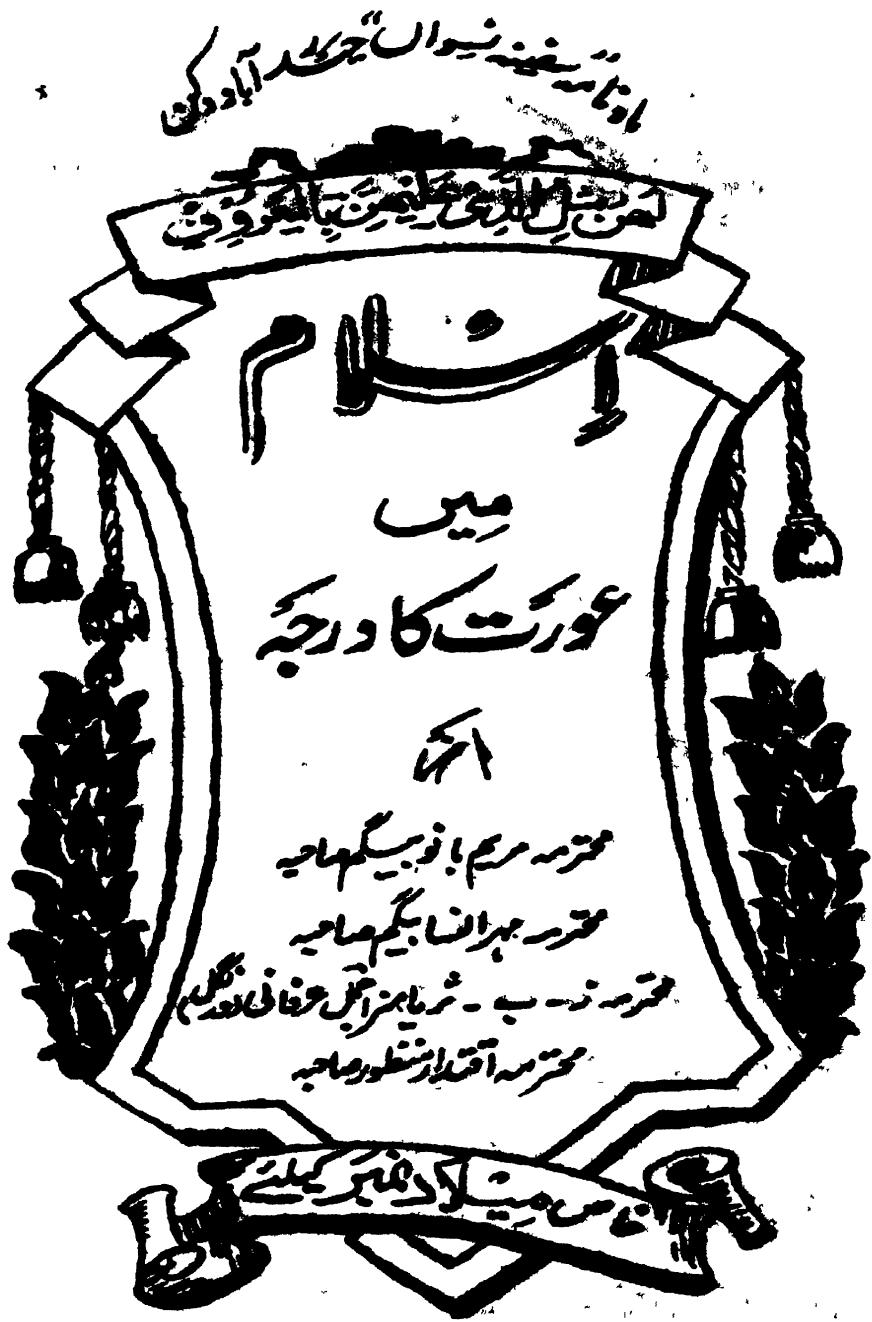
Safina-i-Niswan.

اسلام میں عورت کا درجہ

(۱)

محترمہ مریم بانو بیگم صاحبہ

اسلام سے قبل "عورت" کی حالت نہایت تباہ تھی۔ وہ بیحد ذلیل و خوار تھی اور جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ اس کی ذات ہر قسم کے ظلم و تعدی کی آماجگاہ تھی۔ اس کا وجود ہر تضحیک و تذلیل کا سزاوار تھا۔ ذلت و رسوائی گویا اُس کا پیدائشی حق متصور ہوتا وہ ایک نہایت ہی ناپاک اور گنہگار ہستی سمجھی جاتی تھی۔ بعض مذاہب اپنے معبدوں میں "عورت" کے داخل ہونے کے روادار نہ تھے۔ بعض مقدس دیوتاؤں کی پرستش "عورت" کے لئے ناجائز تھی۔ "صاحبانِ گوش و ہوش" نے اس کو "ناقص العقل" کا لقب تو دے ہی رکھا تھا۔ بعض "مدعیانِ علم و دانش" کے نزدیک وہ روح جیسی لطیف شئے سے بھی یکسر محروم تھی۔ باپ بھائی کی کمائی میں وہ حصہ دار نہ تھی۔ شوہر کی دولت و ثروت سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا۔ بلکہ بعض مذہبوں میں خود عورت مثل دیگر بے جان اشیائے میراث کے تقسیم ہوتی تھی۔ کوئی اُسے "شیطان کا آلۂ کار" بتاتا۔ کوئی "گناہوں کا دروازہ" کہتا۔ کوئی "مکر و فریب کا مجسمہ" قرار دیتا۔ کسی نے برائی کی جڑ اور کسی نے شر و فساد کی اصل کا خطاب دیا۔ بعض نے حضرتِ انسان کے جدِ اعلیٰ کو انہیں گمراہ کرنے اور گنہگار بنانے کا الزام لگایا۔ اور تمام اولادِ آدم کی مصیبت اور تباہی کا موجب یہی "ننگ ہستی" قرار پائی اور بنا بریں "دائمی لعنت کی مستحق ٹھیری"۔ غرض کلیسا اور خانقاہ دونوں نے اس پھول کو کانٹا سمجھا۔ اور ان کانٹوں میں دامن الجھانا راست روی کے خلاف قرار دیا گیا۔" دنیا میں ہر طرف سے اُس پر قہر و غضب طعن و تشنیع کے تیر برس رہے تھے۔ اور وہ بیچاری تنہا ہدفِ ملامت بنی ہوئی تھی۔ چین، جاپان، مصر و یونان، فارس اور ترکستان ہر خطۂ زمین اس کے لئے

دوزخ ہی بنا رہا۔ ہر جگہ وہ ملعون و مطعون ہی رہی کہیں زندہ درگور کی گئی کہیں دیوی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھی۔ کہیں شوہر
کے ساتھ ستی ہوئی۔ الغرض ابن آدم نے خوب دل کھول کر اس سے انتقام لیا لیکن ہنوز اس کی آتشِ انتقام فرو نہیں ہوچکی
ہر جگہ اس کے کان عزت و حرمت کے الفاظ سے ناآشنا۔ اس کی آنکھیں شفقت و محبت کی نگاہوں سے بیگانہ رہیں۔
ہر مقام پر اس کا مقصدِ حیات مردِ ظالم و خود غرض مرد کی آتشِ نفسانیت کو ٹھنڈا کرنا۔ اس کے ظلم کی پیاس کو اپنے خونِ
دل سے بجھاتا ہی رہا۔ آہ! اس وسیع دنیا میں اس کا کوئی یار و مددگار نہ تھا! مغرب تمدن کا گہوارہ تہذیب کا
سرچشمہ مغرب! اس کو خدا کے برابر سمجھتا ہے۔ اس کا قول ہے۔ "جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی" اس لئے
"عورت" کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ کس حد تک اپنے مقولہ پر عمل پیرا ہے؟ ذیل کے واقعات سے آپ پر
روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اس میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں۔ وہاں شوہر اپنی بیوی کے گلے میں
مثل جانوروں کے رسی باندھ کر بازار میں فروخت کر ڈالنے کا مجاز تھا۔ یورپ میں آج سے سو سال پیشتر تک شوہر
بالعموم اپنی بیویوں سے نہایت ہی برا سلوک کرتے۔ انہیں انتہائی بے دردی سے زدوکوب کرتے۔ کئی کئی
دن گھروں میں بند رکھتے۔ اور اکثر اوقات منڈی میں لے جا کر بیچ ڈالتے۔ عورتوں کی خرید و فروخت کے متعلق
باقاعدہ قواعد و ضوابط مقرر تھے جو منڈی کی قواعد کی پرانی کتابوں میں تاحال دستیاب ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی
شخص اپنی بیوی کو نصف شلنگ سے کم قیمت میں فروخت نہ کر سکتا تھا۔ اور جب "عورت" فروخت کی جائے تو اس کے
گلے میں نئی زنجیر کا ہونا لازمی ہے۔ کیا "بانیانِ تہذیبِ انسانی" اس سے بڑھ کر انسانیت سوز نظارے دکھا سکتے
ہیں؟ اور "آزادی کے مدعی" اس سے بہتر حریت کامل کے نمونے کہیں پیش کر سکتے ہیں؟

جب ظلم و ستم کی حد۔ بربریت کی انتہا ہو چکی۔ بے گناہوں کا خون رنگ لایا۔ مظلوموں کی آہ پُر تاثیر نکلی۔
دفعتاً رحمتِ باری جوش میں آئی۔ ذلیلوں کو عزت، کمزوروں کو طاقت، بے چینوں کو راحت، محروموں کو نعمت
عطا کرنے والے نے اپنے لاانتہا فضل و کرم نہایت لطف و عنایات سے ایک "درِ کامل انسان" پیدا کیا۔ جس نے دامنِ
انسانیت کے تمام بدنما داغ دھبے دور کر دئے۔ یعنے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا — مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی۔ غلاموں کا مولیٰ

نے بصد جاہ و جلال ظہور اجلال فرمایا اور اسی نے ایسے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی جو افراط و تفریط کی لعنت سے پاک و صاف ہے۔ اس نے بیکس و مظلوم "عورت" کو قعرِ ذلت سے نکال کر کارزارِ حیات میں مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ یہی وہ شان یہی وہ درجۂ مساوات ہے جس نے ہمارے پاک و مقدس مذہب کو تمام دیگر مذاہب پر فوقیت دے رکھی ہے۔ اسلام نہ "عورت" کو خدا مانتا ہے نہ اس کو حیوان سے بدتر جانتا۔ نہ اس کو ابدی لعنت کا مستحق گردانتا۔ بلکہ اس نے "عورت" کی بہترین تعریف یہ کی ہے کہ "وہ کشمکش حیات میں ایک سکون ایک راحت ہے۔" چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اُن کے پاس پہنچکر تسلی پاؤ اور اسی نے تمہارے درمیان لطف و محبت پیدا کیا۔" اس نے ان تمام لغو اور بے بنیاد الزامات کا جو حوّا پر عائد کیے گئے قلع قمع کر دیا۔ پڑھیے "ہم نے آدم اور اس کی بیوی کو باغ میں رکھا اور کہا کہ کھاؤ پیو اور پھرو۔ جس جگہ چاہو۔ لیکن اس شجر کے پاس بھی نہ پھٹکنا ورنہ تم ظالموں میں سے ہوگے۔ پھر شیطان نے انکو بہکایا۔ اور نکالا ان کو جس آرام میں وہ تھے۔" "فازلہما الشیطٰن" سے صاف ظاہر ہے کہ فعل شیطان کا تھا نہ کہ نعوذ باللہ حوّا کا۔ اسیطرح "اُن کو بہکایا" اور "نکالا ان کو" سے آدم و حوّا دونوں کا مجرم اور گنہگار رہنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر خدا معلوم صرف حوّا پر کیوں فردِ جرم لگائی گئی؟ قرآنِ پاک [illegible] جہاں کہیں بھی نیک کاموں کی ترغیب دی۔ بُرے کاموں کی ممانعت کی۔ وہاں بیک وقت مرد و عورت دونوں سے مخاطبت فرمائی۔ جن آیتوں میں جنت کی بشارت دی۔ دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ محض مرد اور عورتوں سے یکساں خطاب کیا ہے۔ "جو کماتے ہو خود کماتے ہو جو گنواتے ہو خود گنواتے ہو۔" فرما کر عذاب قلب جو [illegible] کو ہر شخص کے ذاتی اعمال پر موقوف رکھا۔ نہ کہ مرد یا عورت ہونے پر "تم ان کا لباس ہو وہ تمہارا لباس ہیں" فرما کر مردوں کی نام نہاد برتری کا خاتمہ کر دیا۔ "عورت" کی اس سے بڑھ کر اور کیا قدر افزائی ہوگی۔ کہ قرآنِ کریم کی ایک پوری سورۃ والنسا، ہی ان کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ ایک جگہ "عورتوں سے عمدہ برتاؤ کرو" ارشاد کر کے ان کے ساتھ رحم و ملاطفت کا سبق دیا ہے تو ایک مقام پر "مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں"

فرماکر انکی حفاظت کا حکم دیتا ہے تو کہیں انکے مال و دولت کا خبر گیر عورتوں کو مقرر کیا ہے۔ اگر مرد کو چار نکاح جائز کئے ہیں تو ساتھ ہی عدل کی ایسی کڑی شرط لگائی ہے کہ عہدہ برآ ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ عدت، بیوگی، طلاق، خلع، مہر ترکہ پدری غرض ہر عمر اور ہر وقت کے مناسب حال حقوق (جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے) عطا فرمائے۔ اور ان کے ہر موضوع پر نہایت مفصل اور تشریح آیتیں قرآن پاک میں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ اسلام نے مرد و عورت دونوں کی تشفی کر دی ہے۔ دونوں کے حقوق علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیئے ہیں۔ جو ان پر عامل ہے۔ اسی کا بیڑا پار ہے!!

اب ذرا اس بیکس کے والی، عورتوں کے زبردست حامی، محمد مصطفٰے روحی فداہ! کے ارشادات عالیہ بھی "عورت" کے متعلق سن لیجئے۔ ماں، بیوی، بیٹی ہر رنگ میں اس نے عورت کی توصیف کی ہر زمانے اور ہر وقت میں اس کی قدر دانی کی۔ سنئے سنئے! "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"۔ ارشاد کر کے ماں کی توقیر و تعظیم سکھائی۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا سبق پڑھایا۔ "تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہے"۔ فرماکر متاہلانہ زندگی میں لطف و محبت کی بنا ڈالی۔ "حلال چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے"۔ کہکر اس مکروہ فعل سے جو مردوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا باز رکھا۔ "جس کی تین بیٹیاں ہوں گی وہ جنتی ہے"۔ ارشاد فرماکر دختر کشوں کو دختر پسندی کی تعلیم دی "شیشوں کو ٹھیس نہ لگاؤ" کہہ کر ہمارے نازک احساسات لطیف جذبات کا احترام سکھلایا۔ خوشبو اور نماز جیسی چیزوں کے ساتھ ہمارا ذکر کر کے ہمیں اور ارفع و اعلٰی بنا دیا۔ "دین بوڑھیوں سے حاصل کرو"۔ ارشاد کر کے ان بڑی بوڑھیوں کو مردوں پر زہد و تقویٰ میں فوقیت عطا کی۔ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے"۔ کہہ کر اس نے مرد و عورت دونوں کو یکساں حصول علم کی ترغیب دلائی۔

یہی شعار اسلامی تھا جسے اختیار کر کے عائشہ صدیقہؓ۔ رابعہ بصریؒ جیسی ذی علم و مقتدر ہستیاں عالم وجود میں آئیں۔ یہی اسلامی روح تھی جو خولہ کے قالب میں کارفرما تھی۔ مخدرات اسلام کے کارنامے نمایاں مثل آفتاب کے روشن ہیں آج کون پڑھا لکھا انکے کارناموں سے واقف نہیں؟ آہ مسلمان جب تک ان پر عامل اور راہ شریعت پر گامزن رہے اقبال و ظفر بھی انکے ساتھ تھے۔ جب سے انہوں نے احکام خداوندی کو پس پشت ڈالا ذلیل و خوار ہوئے۔ افسوس کہ اب تو قبر پرستی۔ وہم پرستی۔ اور دیگر افعال مشرکانہ و رسوم جاہلانہ "مسلمان عورت" کے مترادف رہ گئے ہیں! تعلیمات اسلامی کی روح خواتین اسلام کے قالبوں سے مردہ ہو چکی ہے۔ اگر اب بھی ہم اسوۂ عائشہؓ و فاطمہؓ کو اپنا لائحہ عمل بنائیں تو صدہا قابل فخر ہستیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا ۔۔۔۔ آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اسلام میں عورت کا درجہ

(انتخاب)

محترمہ مہرالنسا بیگم صاحبہ مہر (کڑپہ مدراس)

محترمہ بہن مدیرہ سفینۂ نسواں نے میلاد نمبر کیلئے مضمون طلب فرمایا ہے۔ میلاد ایسا وسیع عنوان ہے جس کے تحت
کچھ لکھنا مجھ جیسی ہیچمداں کے لئے واقعی ناممکن ہے۔ اس کے لئے تو کسی فاضل مورخ کا دل و دماغ چاہئے۔ مگر محترمہ
خاتون مدیرہ صاحبہ کی خواہش رد کرنا بھی ناممکن ہے۔ لہٰذا ہرچہ بادا باد بہن صاحبہ کی خواہش پوری کرنے
آمادہ ہوگئی ہوں اور اپنی ایک نامکمل کتاب "مسلمان عورت کا ماضی" سے چند باب پیش کرنے کی جرأت کر رہی ہوں۔
خدا سے دعا ہے کہ وہ میری سعی کو مشکور فرمائے۔ (مہر)

مسلمان عورت کا مذہبی علمی تفوق ۔ "انجمن کوکب نسواں" کا خوبصورت ہال پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ شہر کی معزز بیگمات اور کم عمر لڑکیاں ہمہ تن متوجہ صدر کی افتتاحی تقریر سن رہی ہیں۔ صدر بیگم ڈاکٹر قمر آخر میں اتنا کہہ کر بیٹھ گئیں۔ بہنو! آج کی تقریر کا موضوع "مسلمان عورت کا مذہبی علمی تفوق" ہے۔ آپ ہماری عزیز بچی وحیدہ کی گل افشانی سے بنتے گل چاہے چن لیجئے۔

وحیدہ نے اپنے نازک ریشمی رومال سے اپنی خوبصورت پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا۔ معزز بیگمات! میں آج دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ اپنے اسلاف کے کارناموں سے دلچسپی حاصل کرنے تشریف لائی ہیں۔

قبل بعثت نبوی دنیا بھر میں عورت کی کیا حالت تھی وہ کس حیثیت سے یاد کی جاتی تھی اور ظہور نبوی کے بعد اس کی کیا حالت ہوئی ہے۔ عورت اسلام میں کتنے اعلیٰ درجہ مقدس مراتب پر پہنچ گئی سنئے!

پہلے میں عرب کی حالت بیان کرتی ہوں۔ عرب میں علم کی نشر و اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ امراء القیس عرب کا مشہور شاعر زمانۂ جاہلیت عرب کا محبوب شاعر عورت کو صرف ایک خوب صورت کھلونا عیش و نشاط کی پتلی حسن و جمال کا پھول مرد کی ادنیٰ خادمہ سمجھتا تھا۔ ایک اور شاعر کہتا ہے "اگر باپ اپنے ہاتھوں اپنی بچی کو سپرد زمین

کر دے تو جانوں اُس نے اپنے داماد سے پورا بدلا لے لیا ہے"۔ ایک اور مشہور شاعر لڑکی اور عورت کے مرنے پر اُس کے
اعزا سے اس طرح تعزیت ادا کرتا ہے۔

"وہ ہماری درازیٔ حیات چاہتی ہے۔ مگر ہم اُس کی موت۔ کیونکہ دونوں خواہشات ایک دوسرے کے لئے بالکل
مناسب ہیں"۔ ایک اور شاعر کہتا ہے "عورت کیلئے تقدیس و شانِ احترام و عزت کے الفاظ استعمال کرنا گویا ان متبرک الفاظ کی
تحقیر کرنا ہے۔ عورت صرف ایک محکوم ہستی ہے۔ زیادہ عزت نہیں رکھتی"۔

عرب کی عام حالت بھی یہی تھی کہ عورت کا وجود ناکارہ باعثِ شرم و ندامت تھا۔ یہ تھی عرب کی حالت۔ اب ذرا
دیکھئے کہ روم، فارس و یونان جیسی متمدن سلطنتوں میں بھی اس جنس مظلوم کو ایک ادنیٰ درجہ سے زیادہ حیثیت نہ دی جاتی تھی۔
علم و عمل سے بیگانہ وار محجوب ہستی تھی۔ یونان و روما کے زوال کا سب سے بڑا باعث یہی تھا کہ عورت کی ذہنیت بجائے اعلیٰ و
ارفع جانب کے بالکل ادنیٰ و ذلیل جانب متوجہ ہوگئی تھی۔ امراء کی بیگمات عیش و نشاط رقص و سرود کو اپنا مطمحِ زندگی قرار
دے چکی تھیں۔ عوام بھی انکے تتبع میں اپنی زندگیاں تماشہ گاہ عیش کے نظر کرنے لگے تھے۔ تھیٹر تماشہ گاہ میں عورت نہایت ذلیل
کردہ صورت میں نظر آتی تھی۔

مسیحیت اپنے تقدس راہبانہ کے ساتھ یورپ پر قبضہ کر چکی تھی۔ عورت کی عزت و حرمت ایک لونڈی سے زیادہ نہ تھی۔
لونڈی بھی ایسی جس کو اپنی کسی چیز پر ذرہ برابر اختیار نہ تھا۔ مسیحیت جس کو مشرقی قسطنطنیہ پر بہت کچھ اثر و اقتدار قائم ہو چکا تھا اور
نامور عظیم الشان حکمران مسیحیت کے پشت و پناہ شہنشاہ جسٹی نین کی ملکہ تھیوڈورا اور اس کی محل کی بیگمات امراء عہد کی بیویوں کے حالات
مکروہ کے بیان کی نہ مجھ میں ہمت ہے نہ طاقت۔ عورتوں کے علم و فن کی دنیا کسی شعبہ علمی سے ان کا شغف علمائے مسیحی کے نزدیک ایک
ایسا ناقابلِ عفو جرم تھا جس کی تلافی سوائے مجرم کے جان کے اور کوئی سزا نہ ہو سکتی تھی۔ اس کی بین مثال آج بھی ہم کو تاریخ دیتی ہے
شہر اسکندریہ پر جب مسیحیت کا قبضہ ہو گیا تو یہودیت اور اس کا علم و فضل عیسائیت کی نگاہوں میں خار بن رہا تھا۔ اسکندریہ کی
ایک شریف یہودی خاندان کی تعلیم یافتہ لڑکی جس کا نام "ہائی پے شیا" تھا۔ اسکندریہ میں اپنے علم و کمال سے محبوبِ خلائق بن گئی تھی
راہب پیٹر کی نگاہِ غضب اس خاتون نازنین پر پڑی۔ عیسائیت کی دنیا میں اس نفرت انگیز فعل کا کچھ عذر نہ ہوگا کہ راہب نے
اس کو ساحرہ اور کافرہ قرار دیکر نہایت بے عزتی و بے رحمی سے جب کہ وہ ایک کالج میں لیکچر دیکر مکان واپس جا رہی تھی اسکو
مروا ڈالا اُس کا نازک جسم ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کا اتنا ہی جرم تھا کہ وہ عالمہ تھی۔

چھٹویں ساتویں صدی عیسوی بلکہ آٹھویں صدی مسیحی میں دیر و کلیسا میں علم کے مخزن - جہاں صرف پوپ یا گنتی کے چند پادری علم کی چاشنی سے لذت اندوز ہو سکتے تھے - باقی ہزار ہا راہب نیز وہ آوارہ گرد پادری جو قریوں میں وعظ و تلقین کرتے پھرتے تھے محض جاہل تھے - زبانی طوطے کی طرح چند آیات انجیل کا رٹنا اور کسی نامعلوم ولی کی ہڈیوں کا چومنا ہی دین مسیحی کی عبادت کا جزو لاینفک رہ گیا تھا -

حسین خوبرو نازک اندام لڑکیاں علم دینی یا دنیاوی کے ایک لفظ سے واقف ہونے کی مجاز نہ تھیں - انہیں لارڈ پادری بھی حکم دیتا کہ وہ اپنے شیریں و جمیل ترانوں سے سامعین کی روح کو فرحت بخشیں -

گریگوری اول نے جو ساری عیسائی دنیا کا مقتدائے اعظم تھا - اپنے عہد میں ایک حکم دیا تھا کہ "لوی" ایک رومی کتاب کے کل نسخے جہاں کہیں دستیاب ہوں بلا تامل جلا ڈالیں - انہیں کے ہم نامی پوپ ہشتم نے جتنی رومی تصانیف تھیں جلا ڈالیں اور مسیحی عورتوں کا پڑھنا لکھنا جرم قرار دیا - ان دونوں دشمنانِ علم کے زمانے میں تمام یورپ میں بہ تلاش بسیار صرف بیالیس کتابیں ملتی تھیں - جب مردوں کا یہ حال تھا تو عورتیں بیچاریاں کس شمار و قطار میں -

علم کی سب سے بڑی خصوصیت سچائی و طہارت ہوتی ہے - مگر مقتدایانِ دین راہب و راہبان اس سے بالکل معرا تھے - ایک بوڑھی راہبہ نے نہایت فخر و مباہات سے اپنے معتقدوں کے سامنے ظاہر فرمایا "اب جب کہ میری عمر نوے برس کی ہو گئی میں نے آج تک غسل یا منہ ہاتھ دھونا تو کجا انگلیوں کو تک پانی میں نہیں ڈبویا"

جب یورپ میں کسی قسم کی وبا یا بیماری کا ظہور ہوتا تو لوگ کہتے تھے ساحرہ عورتوں نے اپنے جادو ٹونوں سے ہم پر آسمانی بلیات نازل کی ہیں - اس خیال کی بنا پر غریب ضعیف و ناتوان عورتوں کو مارا پیٹا جاتا - اُن کو بالوں سے درختوں میں لٹکا دیا جاتا تاکہ وہ اپنے کئے ہوئے سحر کو واپس لیں - اور بلائے آسمانی سے نجات حاصل ہو -

یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ جلیل القدر شہنشاہ مثلاً الکزنڈر ششم - لوئی دہم - اڈورڈ ششم - جیمس اول نے صرف اس شبہ پر عورتوں کے جادو کے اثر سے رعایا و خود بادشاہ فنا ہو جائیں - ہزاروں عورتوں کو نہایت بے رحمی و ظلم و ستم سے تہ تیغ کر دیا - ان کے گود کے معصوم بچوں پر بھی یہی عمل کیا گیا - زندہ جلا کر راکھ بھی سمندروں میں پھینک دی گئی -

آج کا انگلستان مدعی حریت نسواں انگلستان میں چند صدیوں پیشتر ایک خاص مجلس منعقد کی گئی جہاں سے چند قانون بنائے گئے جس سے عورتوں کو نہایت شدید جسمانی سزائیں دی جانے لگیں -

عیسائی دنیا کا اعظم ترین رہنما یوحنا کہتا ہے "عورت مکر کی بیٹی ہے اُس سے بچتے رہو"۔ ایک اور راہب کہتا ہے عورت شیطانی زہر ہے جو اُس کے قریب آئے اُس کو پیس کر رکھ دیتی ہے۔ انجیل مقدس کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پر روشن ہوگا کہ خود حضرت مسیح نے اپنی محترم ماں کو بعض وقت دھتکار دیا۔

اب ذرا مصنفین عوام پر بھی نظر ڈالیئے۔ پندرھویں سولھویں صدی عیسوی میں ان کا خیال صنف نازک و لطیف کے متعلق کیا تھا۔

قدیم فرانسیسی مصنفین نے عورت کو یہی نصیحت کی ہے وہ مرد کی کسی حالت میں ہو ایک لونڈی سے زیادہ خیال نہ کرے فرانس کا مشہور عالم جنرل نپولین اپنی حالت مصیبت قید و بند میں بھی یہی کہتا ہے "عورت مرد کے لئے صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ اُس کی بقائے نسل کا باعث ہو۔ ورنہ وہ کوئی قابل تعظیم و عزت ہستی تصور نہیں کی جا سکتی"۔ جبکہ نپولین عورت کے متعلق اتنی سنگین رائے مہیب ترین خیال ظاہر کرتا ہے مگر اُس کی وفا شعار مطلقہ بیوی جوزیفائن اس کی رہائی کیلئے آہ و زاری کے ساتھ خدا کے حضور ملتجی رہتی ہے۔

جرمن اقوام نے تو حد ہی کر دی۔ ان کا سب سے بڑا مصنف نیٹشے کہتا ہے۔ اگر تم عالمگیر تباہی بربادی مصائب و آلام میں گرفتار ہو کر فنا ہو جانا چاہو تو عورت کو آزادی دو۔ عورت صرف ایک خادمہ ہے جو ہر حالت میں مالک کو آرام پہنچاتے چہ جائے کہ اُس کو آزادی کی ہوا لگے۔

ایک اور جرمن مصنف کہتا ہے "عورت اور عقل یہ دونوں اجتماع ضدین ہیں۔ مرد جوانی میں عقلمند بنتا ہے مگر عورت مرتے دم تک نافہم کج ادا رہتی ہے"۔

اہل فرانس عورت کی فطری آزادی علم و کمال کے جانی دشمن تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عورت ایک جانور ہے کیونکہ ایک مشہور شاعر نے قدرت سے خفا ہو کر کہا تھا۔ "اس ذلیل و ناپاک صنف کا وجود ہی کیوں ہوا جو ہمارے لئے باعث ذلت ہے"

امریکہ میں قدیم عورت کی یہ حالت تھی کہ تمام دن سخت ترین محنت مزدوری کر کے گھر آتے۔ کھانا وغیرہ تیار کر کے شوہر کو اہل کنبہ کے مردوں کو کھلاتے اور مردوں کا کام صرف اتنا ہوتا کہ وہ دن بھر سیر و شکار یا گپ بازی میں گزارے اور عورت کو ایک کتے کی طرح سمجھے۔

ہندو چین میں اس مظلوم طبقہ کی یہی حالت تھی۔ بے مدذلیل ——— بلکہ قابل نفرین ———

کہے جاتے۔ اعلیٰ و ارفع خاندانوں میں ایک ہی عورت مختلف مردوں کی بیوی کہلاتی تھی۔ بڑے بڑے رشی عورت کو مکروہ شئے کہتے تھے۔ مگر اصلِ حقیقت یہ تھی بڑے بڑے رشیوں کی اولاد اناث داسیوں کے بطن سے تھی۔ جب داسیاں صاحبِ اولاد ہوجاتیں تو یہ رشیاں نہایت کراہت و نفرت سے اُن کو اپنے سے جُدا کر دیتے۔

اب ذرا زمانۂ قدیم اور زمانۂ اصنام پرستی کی طرف آیئے دیکھیں یہاں عورت کی کیا حالت تھی۔

کسی نے ایک عالم سے استفسار کیا کہ کیا عورت کا نفس بھی ہے یا وہ اپنے وجود کا خیال بھی کرتی ہے؟ عالم نے جواب دیا کہ "عورت کو نفس و روح سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

زمانہ اصنام میں لوگ بڑے بڑے دیوتاؤں کے پاس جا کر پوچھتے تھے۔ "اُسے ہمارے رہنما و نجات دہندہ کیوں اس نارِ جنس (عورت) سے ہمیں بے نیاز نہیں کر دیتے۔ اس بلند آسمان آفتاب عالمتاب کے نیچے ہم پر عورت کی سی بلا کیوں مسلط کر دی۔ کیا تمہاری قوت روحانی ہمیں اس بلا سے نجات نہیں دلا سکتی"۔

یونانِ قدیم کا باشندہ حسرت و افسوس کے لہجہ میں کہتا ہے "تمہیں آگ کے جلنے۔ سانپ بچھو زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے کا علاج مل سکتا ہے۔ مگر عورت کے جادو اُس کے خوفناک تاثرات کا کہیں علاج میسر نہیں ہو سکتا۔

کسی نے ابوالحکماء سقراط سے پوچھا کہ "اے حکیم ازلی ذرا کہہ تو سہی عورت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے"؟ سقراط نے کہا "روئے زمین پر عورت سے زیادہ خوفناک چیز کوئی نہیں۔ وہ فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔ وہ ایک خوبصورت پھل کے اندر ہے مگر جب اس کو چکھو گے تو ضرور اس کے زہر سے مرجاؤ گے"۔ دنیا کے استاد العقلا نے اس جنس کو اتنی حقارت سے یاد کیا ہے۔ واقعی عورت کے نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہا ہے "ظالم و سنگدل مرد جب دوبارہ دنیا میں پیدا ہونگے عورت کی حیثیت میں پیدا ہونگے"۔

تاریخ آلِ ساسان اس کی گواہ ہے کہ کسی نے وزیر بزرجمہر سے پوچھا کہ آلِ ساسان کیوں تباہ ہو رہے ہیں جب کہ تجھ سا دانا ذکی وزیر اُن میں موجود ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ انکی خواتین کی نافہمی انکی کوتاہ اندیشی کے باعث آلِ ساسان برباد ہو رہے ہیں۔ ٹھیک بھی یہی تھا مذہب زرتشت میں عورت کے لئے کوئی قابلِ تشفی باعث تسکین سبب ہی نہ تھا۔ آخر یہ غریب طبقہ جاہل تو تھا ہی اپنے اقتدار کو جا و بے جا استعمال کرنے لگا۔

(باقی وارد م)

مولانا میر مہدی علی صاحب شہید

Mir Mahdi Ali Esqr Shaheed
(Manager and Aid-de-Camp to Shahzadgan Wala Shan)
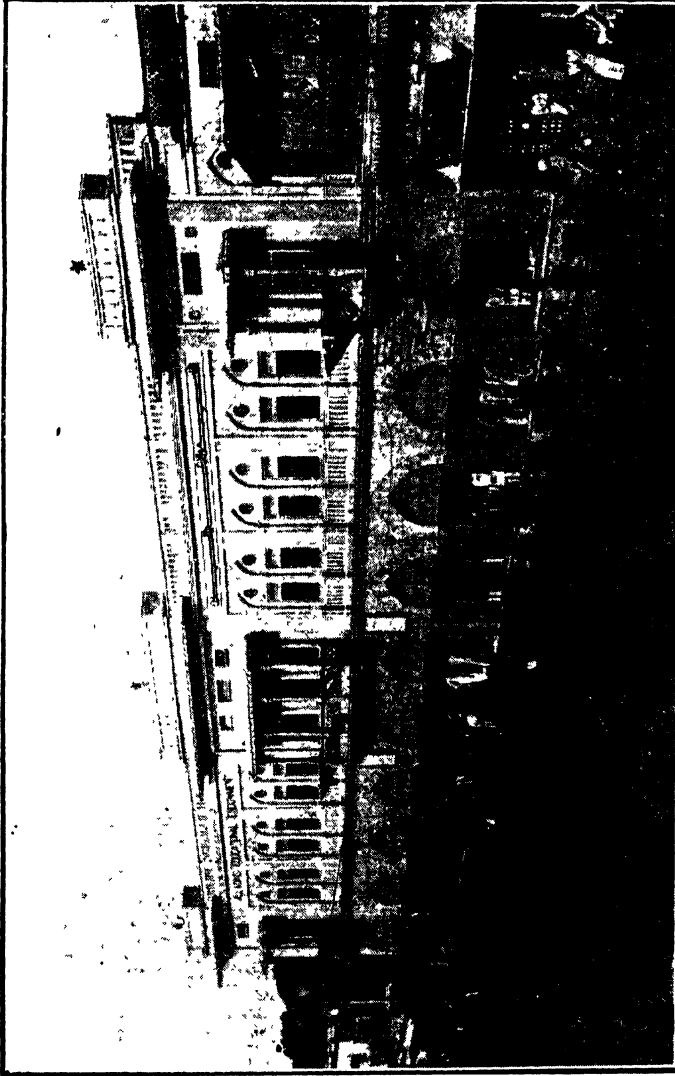
”میلاد نمبر“
دفتر ماہنامہ ”سفینۂ نسواں“
حیدرآباد دکن

اسلام میں عورت کا درجہ

(۱)

(محترمہ ز۔ ب۔ ثریا۔ مسز افضل عرفانی رودیگی)

قبل اسلام دنیا میں عورت کی کیا حالت تھی | اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جہاں تک تاریخ ہو پہنچ سکی اُس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ دنیا میں طبقۂ نسواں کی حالت نہایت مظلومانہ اور بہت قابلِ افسوس تھی۔ مرد عورت کے حق میں خونخوار درندوں سے بڑھ کر خوفناک تھے۔ عورتوں پر ایسے ایسے وحشیانہ ظلم و ستم کرتے تھے کہ گویا عورت مرد کے حق میں بالکل کٹ پتلی تھی۔ مرد کی ذرا سی ناراضی غریب اور بے بس عورت کے لئے قیامت عظمیٰ سے کم نہ تھی۔ ان کی ادنیٰ سی لغزش اور سہو پر نہ صرف ان سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا بلکہ وہ زندہ دفن کر دی جاتی تھی۔ زمانہ جاہلیت کا طرزِ تمدن اور طرزِ معاشرت بھی جاہلانہ بلکہ وحشیانہ تھا۔ عورت چونکہ فطرتاً مرد سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس لئے اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ بجائے مہربانی سے پیش آنے کے جس طرح چاہتے اُن سے برتاؤ کرتے تھے۔ عورت مرد کے زبردست پنگل میں بے بس اور مجبور تھی اور وہ مردوں کے نزدیک بالکل ذلیل و حقیر ہستی سمجھی جاتی تھی۔ ایک ایک مرد کی کئی عورتیں ہوتی تھیں بعض ممالک کی اس سے برعکس حالت تھی۔ یعنے ایک عورت پورے خاندان کی بیوی تھی لیکن یہ صورت بالکل شاذ اور مخصوص ملکوں کی حد تک محدود تھی۔ عورتوں میں محرم اور غیر محرم کا کوئی امتیاز نہ کیا جاتا۔ بجز اپنی حقیقی ماں کے ہر عورت مردوں کے لئے یکساں تھی۔ اُن کی اس حالت کا صحیح اندازہ ہمیں آیات قرآنی سے ملتا ہے اور اس زمانے کی طرز معاشرت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ قرآنِ پاک میں سورۂ نساءؔ آیۃ ۲۳ دیکھی جاوے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم پر حرام کی گئی ہیں۔ تمہاری مائیں۔ خالائیں۔ نانی۔ پرنانی۔ دادی۔ پردادی۔ تمہاری بیٹیاں یعنے ہر وہ عورت کہ جس کا نسب مرد کی طرف لوٹے۔ خواہ اولاد ذکور کی طرف سے ہو یا اناث کی طرف سے وغیرہ" (تفصیل کے لئے دیکھی جاوے آیۂ کریمہ)

آیہ کریمہ سے پورا پورا پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کا طرزِ معاشرت، طرزِ تمدن، اخلاق، تہذیب کا کیا حال تھا اور آیہ کریمہ کے شانِ نزول کا بھی یہی سبب تھا۔ اُس زمانے میں جملہ اقوام کے عادات وخصائل ایسے ہی حیوانی اور وحشیانہ تھے تورات کی کتاب احبار کے اٹھارویں باب کی چھٹی آیت سے لے کر اٹھارویں آیت تک جو احکام درج ہیں وہ بالکل ان ہی احکام کے مماثل ہیں۔ ان سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے قبل زمانہ کی معاشرتی اور اخلاقی حالت کیسی بدتر تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں معصوم عورتیں انسانوں اور حیوانوں میں ایک قسم کی درمیانی مخلوق سمجھی جاتی تھیں اور اُنکی نسبت یکلیہ ہی قائم کر لیا تھا کہ عورتیں صرف ترقی نسل اور مردوں کی ہر قسم کی خدمت گزاری ہی کے لیئے خلق ہوئی ہیں۔ اس زمانے میں لڑکیوں کا پیدا ہونا سخت ترین نحوست اور بدنصیبی پر محمول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لڑکی کا پیدا ہونا بیچاری ماں کے لئے ایک عذاب عظیم سے کم نہ تھا۔ لڑکی پیدا ہوتے ہی ظالم اور وحشی مرد لڑکی کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بے بس اور مظلوم ماں کی ممتا بجز مسوس کر رہجاتی تھی۔ اس کے حیات اور اس کے مادرانہ جذبات کی پائمالی کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ یہ اسی کا قصور خیال کیا جاتا تھا اور وہ لعنتوں ملامتوں کی آماجگاہ بنجاتی ۔ ان میں یہ رسم بالکل عام تھی۔ اللہ اللہ وہ بھی کتنا عجیب وحشیانہ اور خونخوار زمانہ تھا کہ نوزائیدہ معصوم لڑکیوں کی تدفین ایک معمولی رسم تھی۔

آنحضرت صلعم اور قیس شیخ بنی تمیم کے ایک مکالمہ کو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ ابتدائے اسلام میں بھی عربوں کا خیال لڑکیوں کے نسبت کیا تھا۔ اور ان کی جہالت کا کیا عالم تھا اور آنحضرت صلعم کو لڑکیوں سے کیسی محبت تھی اور عورتوں کے متعلق آپ کا کیا خیال تھا۔؟

رسولِ صلعم ایک دفعہ ایک چھوٹی لڑکی کو اپنی زانوئے مبارک پر بٹھائے تھے۔ قیس نے پوچھا! یہ کس جانور کا بچہ ہے جسے آپ اتنی محبت سے کھلا رہے ہیں؟ آنحضرت صلعم ارشاد فرمائے کہ میری بچی ہے۔ اس پر اُس جاہل نے جواب دیا کہ مجھے بہت سی ایسی لڑکیاں تھیں لیکن میں نے اُن سب کو زندہ دفن کر دیا۔ اور کسی کو نہیں کھلایا قیس نے نہایت تفخر سے کہا۔

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" اے بدبخت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں کسی قسم کی محبت انسانی نہیں دی۔ اس لیئے تو ایک نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہے۔

نہ صرف عربوں کے یہ وحشیانہ خصائل تھے۔ بلکہ ان سے پہلے جملہ اقوام اور مذاہب میں قریب عورتوں کا یہی حال تھا۔ یونانی عورتوں کو ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے جن کی غایت تخلیق صرف ترقی نسل اور مردانہ تفریح کے سوا کچھ نہیں۔

اگر کسی عورت کا بچہ خلافِ فطرت پیدا ہوتا تو اس عورت کو مار ڈالتے تھے۔ ہوئیو تراپ لانگ لکھتا ہے کہ اسپارٹا میں بدنصیب عورت کو جس سے کسی بہادر قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہیں ہوتی تو اس کو مار ڈالا جاتا تھا اور وہی مصنف لکھتا ہے کہ جب کسی عورت کو بچہ ہو جاتا تو اسے ملک و قوم کے مفاد کے لئے کسی دوسرے شخص کی نسل لینے کے واسطے اس کے خاوند سے عارضی طور پر لے لیتے تھے۔ یونانیوں نے اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ دورِ تمدن میں بھی عورتوں کی کبھی قدر و منزلت نہیں کی اور نہ اس بدنصیب طبقہ سے پیار و محبت کا برتاؤ کیا۔ ہاں طوائف اُن کی دلچسپیوں کا مرکز ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسی باعث سوائے طوائفوں کے دوسری ساری عورتوں میں تعلیم و تربیت اور علم و ادب مفقود تھا۔

زمانہ قدیم کے مصنفوں نے بھی بیچاری ناکردہ گناہ عورت کے لئے ایسے ایسے ناپاک اور ستم گسترانہ قانون وضع کئے تھے کہ اس کی نظیر مل ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ اہلِ ہنود کا قانون کہ "طوفان، موت، جہنم، زہر اور زہریلے سانپ ان میں سے کوئی بھی اس قدر خراب نہیں جس قدر عورت"۔ تعجب ہے اور عقل حیران ہے کہ ان عورتوں نے ایسا کیا پاپ کیا تھا جو ہندو قوم نے ان پر انتہائی جابرانہ اور ظالمانہ برتاؤ روا رکھا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں کیا ترحمانہ جذبات اور اُنسِ انسان قطعاً مفقود تھا؟

کتابِ مقدس بھی عورتوں پر زیادتی میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس میں لکھا ہے "عورت موت سے بھی زیادہ تلخ اور کڑوی ہے۔ عہدِ قدیم کے ایک واعظ نے اس طرح زہر پاشی کی ہے۔ خدا کا پیارا اور محبوب بندہ وہی ہے جو عورت سے اپنے آپ کو محفوظ و مصئون رکھے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے ہزار آدمیوں میں ایک خدا کا پیارا پایا ہے۔ مگر ساری کائنات کی عورتوں میں میں نے ایسی کوئی عورت دیکھی ہی نہیں جو خدا کی پیاری ہوتی۔

دنیا کی متعدد اور مختلف اقوام نے بھی عورتوں پر ستم ظریفی کی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ افسوس کہ دنیا کے کسی مذہب قوم نے قسمت کی ماری عورتوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ کیا۔ چینیوں کا نظریہ ہے کہ اپنی بی بی کی بات تو سُننی چاہیئے۔ لیکن اس پر ہرگز کبھی یقین نہ لانا چاہیئے۔ روسیوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔ اطالیوں کا یہ قول ہے کہ گھوڑا اڑیا ہو یا کیسا ہی اچھا ہو ہر حال میں اس کو مہمیز کی ضرورت ہے۔ یہی حال عورت کا ہے۔ عورت خواہ اچھی ہو یا بُری اُسے مار کی حاجت ہے۔ اسپینی زبان کی کہاوت ہے کہ بُری عورت سے اجتناب چاہیئے اور اچھی عورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ ہنود۔ یونانی، روسی اور دیگر اقوام کے تمام قوانین نے

عورت کو لونڈی یا طفل نابالغ گردانا ہے۔ منو کا قانون اس طرح کہتا ہے۔ عورت کمسنی میں باپ کی تابع ہے۔ جوانی میں شوہر کی یا شوہر کے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے عزیز و اقربا کی۔ کیونکہ عورت کسی حال میں اس لائق نہیں کہ وہ خود مختارانہ زندگی بسر کر سکے۔ یونانی اور رومی قانون بھی عورتوں کے لئے نہایت سخت ہے۔ روم میں ہر فرد اپنی بیوی پر جابرانہ حکومت کرتا تھا۔ عورت کی حیثیت ایک لونڈی سے کچھ زیادہ نہ تھی اور معاشرت میں اس کا کوئی درجہ نہ تھا۔ شوہر ہی عورت کا ہر طرح مختار و مالک تھا۔ شوہر ہی اس کے افعال کا فیصلہ کرنے والا تھا۔ جس طرح ایک بے جان چیز کو توڑ موڑ کر پھینک دینے سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی۔ یہی حال مظلوم عورت کا تھا۔ شوہر کو اپنی بیوی کے جسم و جان پر پورا پورا حق تصرف تھا۔ وہ جیسی ایذا اس کو دینا چاہتا دیتا۔ اس کی جان بھی لے ڈالنے کا اس کو پورا اختیار تھا۔ گویا عورت کی جنس اپنی بنائی ہوئی تھی۔ یونان میں بھی عورتوں کا قریب قریب یہی حال تھا۔ انہیں کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہ تھا اور نہ وراثت میں ان کا کوئی حصہ تھا۔ زمانہ قدیم میں عورت کی مظلومیت کی انتہا ہو گئی تھی کہ اس کی وفاداری پر بھی کسی مذہب و قوم نے قطعاً اعتبار نہیں کیا ہے۔ عربوں کے نزدیک بھی عورت کی وفاداری مشکوک اور غیر اطمینان تھا۔ وہ عورت کو اگرچہ کہ ایک حسین و جمیل اور دلفریب مخلوق خیال کرتے تھے اور مردوں کی دلچسپی و دلبستگی کا خوبصورت سامان جس سے رنج و افکار بڑی مدتک کافور ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کی وفاداری پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ عہد نبی صلعم کے دو ہزار سال قبل ہندوستان کے بڑے بڑے مقنوں نے اس بے اعتباری کو صاف صاف بیان کر دیا ہے اس عورت کو بے کم و کاست بے عصمت کہا جا سکتا ہے جو کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر تنہائی میں علیحدہ رہی ہو جتنی دیر میں ایک انڈا تلا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس زمانے میں مشرقی لوگ عورتوں کی بڑی زبردست حفاظت کرتے تھے۔ وہ انہیں مکانوں کی بلند سے بلند چار دیواری میں مقید رکھتے تھے اور اُن پر خواجہ سراؤں کی سخت ترین نگرانی ہوتی تھی۔ اُن کے دماغوں میں یہ خیال سمایا ہوا تھا کہ عورت کی فطرت میں ایسی ہی بے وفائی ودیعت ہوئی ہے۔ جیسی چڑیا کی فطرت میں اڑنا۔ چونکہ ان کو اپنی خاص نسل کو برقرار رکھنے کی دلی تمنا ہوتی تھی۔ اس لئے وہ عورت کی عفت و عصمت کی زبردست حفاظت کرتے تھے اور قسم قسم کی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔

زمانہ قدیم کی ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بے بس اور کمزور طبقہ نسواں پر اس وقت کیسے کیسے ظلم و ستم ڈھائے گئے ہیں اور کس قدر جبر و تعدی اس پر روا رکھی گئی تھی۔ عورت کیا تھی ایک کھلونہ تھی۔

(باقی دارد)

اسلام میں عورت کا درجہ

(انتخاب)

(محترمہ اقتدار منظور منیر ماہر القادری)

یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں کہ مذہب اسلام نے عورتوں کو بڑے بڑے حقوق عنایت کئے ہیں۔ حضرت پیغمبر اسلام کی بعثت سے قبل عرب ہی پر کیا منحصر ہے تمام دنیا پر جہالت اور ناخداترسی کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ انسان کا خون پانی کی طرح بہا دیا جاتا تھا۔ اور ذرا ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک کر طول و عرض دنیا کو خاکستر بنا دیتے تھے۔ جہاں دنیا والے دیگر اقسام کے ظلم و ستم کر رہے تھے وہاں صنفِ نازک بھی ناقابلِ بیان اور سخت مظالم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

مُردہ خاوندوں کے ساتھ بیوی کو جلایا جاتا تھا۔ دنیا میں پیدا ہونے کے ساتھ ہی بلاقصور نا کردہ گناہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا گیا۔ یعنی اگر کسی کے گھر لڑکا پیدا ہوتا تو خوشیاں منائی جاتی تھیں۔ لیکن برعکس اس کے اگر لڑکی تولد ہوتی تو تمام خاندان کو سوگوار بنا دیتی۔

یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ بے رحم ماں باپ کی گود سے بچی کو لے کر زمین کے تاریک گڑھے میں زندہ دفن کر دیتا۔ اگر اس ظلم کے بعد بھی ہم سخت جان بچ جاتے تو جس وقت تک والدین کے یہاں رہتے باپ بھائی کی ذلیل کنیزیں بن کر رہتے۔ گو دونوں ایک ہی والدین کی اولاد۔ مگر باوجود اس کے بیٹے گھر کے مالک اور لختِ جگر اور لڑکیوں کو لونڈیوں سے بدتر سمجھا جاتا۔ بیٹوں کو باپ کا کل ترکہ ملتا لیکن بیٹیاں اس سے قطعی محروم رکھی جاتیں۔ علم کے دریا سے مرد سیراب ہوتے تھے مگر غریب عورتوں کو حلق تر کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ یہ تھا دنیا کا سلوک عورتوں کے ساتھ اس کا سبب صرف یہی تھا کہ اگر پڑھایا لکھایا گیا تو یقیناً ان کو اپنی حق تلفیوں کا احساس ہوگا۔ لہٰذا ہر طرف سے ہمارے لئے علم کے دروازے بند کر دئے گئے تھے۔

پھر ابھی ہم شادی کے صحیح معنی بھی نہ سمجھ سکے تھے کہ شادی بھی کر دی گئی۔ وہاں پر پہونچ کر تو عمر کی پہلی منزل سے

بھی کہیں زیادہ دشواریوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہاں پر ان غریبوں کو ساس ۔ نند ۔ شوہر سب کی ہی مزاج دانی کرنی اور ظلم سہنے پڑے ۔ اگر ذرا سی کوئی بات خلاف ہوگئی تو فوراً یا تو شوہر صاحب نے دوسری شادی کرلی ۔ اور اس غریب کو پہلے سے بھی زیادہ تکالیف سے دوچار ہونا پڑا یا پھر قطع تعلق کر لیا ۔ ایسی حالت میں نہ سسرال میں آرام نہ میکے میں ۔ اگر شوہر کا انتقال ہوگیا تب تو باقی ماندہ زندگی عذاب ہی میں گزری یا شوہر کے ساتھ ہی بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلنے کیلئے مجبور کیا جاتا ۔ اگر کسی کو جلایا بھی نہ گیا تو اس کی بڑی ذلت اور نفس کشی سے زندگی گزارنی پڑتی تھی ۔

دنیا کی یہ حالت اور اہل دنیا کے ظلم و ستم دیکھ کر یکایک غیرت الٰہی کو حرکت ہوئی اور اس نے ایک ایسے مقدس ہادی کو دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جس نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو الٹ کر پھینکدیا اور دنیا کو مساوات کا درس دیا ۔ غلام آقا شاہ گدا ۔ مرد و عورت سب کو لاکر ایک صف میں کھڑا کیا ۔ وہ ہادی کون ؟ جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔

یوں سرکار کا ہر ذرۂ کائنات ممنون ہے ۔ لیکن مجھے یہاں صرف صنف نازک کے متعلق اجمالی تشریح کرنا مقصود ہے ۔ حضور نے ذلت و حقارت کے گہرے غار میں پڑی ہوئی عورتوں کو انسانیت کی بلند سطح پر لاکر کھڑا کر دیا ۔ دنیا کو صنف نازک کی اہمیت محسوس کرائی اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ ہاتھ جو بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے خود ان کی غور و پرداخت کو باعث سعادت اور وجہ برکت خیال کرنے لگے ۔ عورتوں کے لئے مردوں کی طرح قوانین و ضوابط اور متروکات میں حصے مقرر کئے گئے ۔

حکم دیا گیا کہ ہر ایک مسلمان مرد و عورت پر علم کا سیکھنا فرض ہے ۔ آپ نے ان تمام زنجیروں کو جو عورتوں کی آزادی کو جکڑے ہوئے تھیں توڑ کر پھینکدیا ۔ یہ ہے حضور صلعم کا احسان ہم ناچیز عورتوں پر ۔

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی ذات ستودہ صفات اسی حکم کا عملی نمونہ ہیں کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ آپ سے اہم مسائل اور نازک امور میں مشورہ لیا کرتے تھے ۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض معاملات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ نے مضطرب دلوں کو سکون بخشا ہے ۔ تمام دنیا کی عورتوں کو اجتماعی طور پر حضرت پیغمبر اسلام کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اس ذات مقدس نے ان کو غلامی سے نجات دلائی ۔ اور جبر و ستم کے خونخوار پنجہ سے چھڑایا ۔

سلام ہو خدا کے اس مقدس پیغمبر پر جس نے دنیا میں امن و عافیت ۔ مساوات و حریت ۔ خدا ترسی و حق شناسی کے دریا بہائے ۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الامجاد وبارک وسلم ؛

اسلام میں عورت کا درجہ

(جناب "مغربی" کے قلم سے)

عرب اپنے ملک کی آب وہوا اور اپنے مخصوص مزاج سے مجبور ہو کر عورت کی ذات میں اپنی سب سے بڑی مسرت و راحت محسوس کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اُس سے محبت کی۔ اتنی محبت کہ عبادت کے درجے تک پہنچ گئی۔ لیکن دوسری طرف ان کی اجتماعی زندگی کے نظام اور غارتگری کے وحشیانہ رواج نے عورت کو اُن کے ذلت ومصیبت کا سامان بنا دیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اُس کی تحقیر کی۔ حتیٰ کہ اُسے زندہ دفن کرنے لگے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب میں پیدا ہوئے اور عربوں کو عورت کے معاملہ میں انہی دو حالتوں پر دیکھا۔ آپ نے یہ کیا کہ پہلی حالت باقی رکھی۔ محبت کرنے کا حکم دیا اور وحی الہٰی سے اُسے برکت دی۔ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے خود تم ہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے۔ تاکہ تمہیں اُن میں تسکین حاصل ہو اور تمہارے مابین محبت و شفقت پیدا کر دی!

دوسری حالت کی مذمت کی۔ عورت کی تحقیر سے منع کیا اور اس اعلان سے اس کا درجہ بے حد بلند کر دیا کہ "عورت اپنے گھر کی ملکہ ہے۔ اپنے شوہر کے گھر کی حاکمہ ہے اور اپنی رعیت کے لئے ذمہ دار ہے"!

مقصد نبوت | پس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا مقصد صرف توحید الٰہی نہیں بلکہ عورت کی عزت قائم کرنا بھی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ آپ نے عورت کو اس کے تختِ عظمت پر بٹھا دیا!

حضرت عمر فاروقؓ کہا کرتے تھے "بخدا ہم جاہلیت میں عورتوں کو بالکل بے حقیقت سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی بابت وحی نازل کی اور انہیں اُن کے حقوق بخشے"۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نفس شریف عورت کی عزت کے لئے

کیونکہ مستفید ہوا ۔ والدین کا انتقال ہو گیا ۔ آپ بہت کمسن تھے ۔ ایک حبشی عورت "برکہ" نامی نے پرورش کی پچیس برس کی عمر تک آپ کی خدمت کرتی رہی ۔ سب سے پہلے اپنی اس کھلائی کی مادری محبت و شفقت سے قلب طاہر متاثر ہوا ۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ آپ عورت کے وجود سے واقف ہوئے اگرچہ وہ عورت ایک حبشی کنیز تھی ۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی | پھر اللہ کی مشیت ہوئی کہ محمد صلعم قریش کی سب سے زیادہ جلیل القدر خاتون کے قرب میں زندگی بسر کریں ۔ چنانچہ خدیجہؓ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد ہو گیا ۔

محمد صلعم کی زندگی میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوا ۔ ایک دوسری حیثیت سے عورت کا تعارف ہوا ۔ اب کم عمری کا وہ زمانہ گذر گیا کہ مرتبہ خاکساری و انکساری سے بے لوث خدمت کرتی تھی اور آپ اس سے محبت کرتے تھے ۔ آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور اس خاتون کی عمر چالیس سال کی ۔ آپ عنفوان شباب پر تھے ۔ اور وہ بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھ چکی تھیں ۔ گویا حکمت الٰہی نے محسوس کیا کہ اپنے شباب میں بھی آپ کو یہ ضرورت باقی ہے کہ ایک سن رسیدہ ۔ تجربہ کار اور مالدار عورت کی بار یک بیں نگاہ پاسبانی کرتی رہے ۔

نوجوان محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو جو کوئی دیکھتا تھا کہہ اٹھتا تھا کہ یہ کوئی بڑی ہی جلیل القدر شخصیت ہوگی ۔ خدیجہؓ بنت خویلد بیوہ تھیں اور اپنی تجارت کے لئے کسی امین کارندے کی متلاشی ۔ نوجوان محمد صلعم ہی وہ امین کارپرداز دکھائی دئے جنہیں خاتون عرب نے اپنا مال اور دل دونوں بیک وقت سپرد کر دئے !

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی صلعم نے اپنے چچا ابو طالب سے خدیجہؓ کے گھر جانے کی اجازت چاہی ۔ انہوں نے اجازت دیدی اور پیچھے سے اپنی کنیز نبعہ کو بھیجا کہ سنے دونوں میں کیا باتیں ہوتی ہیں ؟

نبعہ نے لوٹ کر بیان کیا کہ میں نے عجیب بات دیکھی ۔ خدیجہؓ نے جوں ہی سنا کہ آپ تشریف لائے ہیں دروازے پر آگئیں اور کہنے لگیں " مجھے امید ہے کہ جو نبی عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں وہ آپ ہی ہوں گے ۔ اگر یہی ہوا تو میرا خیال رکھئے گا ۔ میرا حق یاد رکھئے گا ۔ خدا سے دعا کیجئے کہ آپ کو میرے لئے بھیجدے " ! اس پر آپ نے جواب دیا " اگر وہ میں ہی ہوا تو واللہ زندگی بھر تمہارا احسان یاد رکھوں گا ۔ اور اگر کوئی دوسرا آدمی نبی ہوا تو بھی تمہاری یہ نیکی خدا ضائع نہ ہونے دیگا ۔

محمد صلعم دولتمند نہ تھے ۔ پوری زندگی فقر و فاقہ میں بسر ہوئی تھی اب شادی کے بعد خدیجہؓ کا پورا خزانہ ہاتھ میں تھا ۔ دولتمند ہو کر آپ نے کیا کیا ؟ عیش و عشرت میں پڑ گئے ؟ ہرگز نہیں ۔ خدیجہؓ کی دولت غریبوں کے لئے وقف کر دی اور

خدیجہؓ کی محبت کو اللہ کی عبادت کا ذریعہ بنا لیا!

نبوت عورت کی گود میں پیدا ہوئی یہ دیکھو! محمدؐ گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ غارِ حرا میں جا بیٹھے ہیں کہ اللہ کی تسبیح و تہلیل کریں اور یہ دیکھو خدیجہؓ بنت خویلد اپنے مقدس شوہر کی ہمت افزائی کر رہی ہیں۔ عبادت میں آسانیاں بہم پہنچا رہی ہیں۔ کھانا پہنچا رہی ہیں بلکہ غار کے منہ پر کھڑی جھانک رہی ہیں۔ اس حال میں کہ دل اُمید ایمان اور مستقبل پر اعتماد سے لبریز ہے!

اس طرح نبوت حضرت خدیجہؓ کی گود میں پیدا ہوئی، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو ابھی خبر بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک عورت، خاتون قریش، خدیجہؓ بنت خویلد نورِ ہدایت سے مشرف ہو چکی تھیں۔

خدیجہؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابوبکر صدیقؓ نے خواہش کی کہ حبیب اللہ سے رشتہ جڑ جائے۔ حضرت عائشہؓ کی شادی ہو گئی۔ عائشہؓ صرف بیوی ہی نہیں مُرید و شاگرد بھی ہیں۔

اب عورت کے بارے میں محمد صلعم کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ عہدِ طفلی برکہ حبشہؓ کی ممتا بھری گود میں بسر ہوتا ہے۔ جوانی میں سن رسیدہ خدیجہؓ قریشیہ اپنی محبتوں کا تحفہ پیش کرتی ہیں۔ اب عہدِ کہولت میں عائشہ صدیقہ آتی ہیں کہ نبی کے دل کو مسرور کریں اور اللہ کی ہدایت کو اُمت تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے تمام دوروں میں عورت کا تجربہ کیا۔ طفلی میں، جوانی میں، پیری میں، آپ کے پاک جذبات حد درجہ متاثر ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے عورت کا پست درجہ بلند کر دیا۔ اس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اُسے مرد کے برابر کھڑا کیا۔

کیا عورت انسان ہے؟ یہ عجیب اتفاق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں یعنی سنہ ۵۸۶ء میں "ملکوں" کی مسیحی کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ کیسا مقصد کے لئے؟ یہ طے کرنے کے لئے کہ آیا عورت مرد کی طرح انسان ہے؟ بڑی بحث و تکرار کے بعد کانفرنس طے کر سکی کہ عورت اگرچہ انسان ہی ہے مگر صرف مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے!

فرانس میں مسیحی دینی کانگریس یہ اعلان کرتی ہے اور عورت کی غلامی اور زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدا اس کے برخلاف بلند ہوتی ہے۔ آپ اعلان فرماتے ہیں کہ عورت، مرد کو تکمیل کرنے والا جزو ہے۔ (باقی دارد) (تذکرہ جمیل)

عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام

(نظم)

(تحریر محترمہ خورشید آرا بیگم خورشید دختر قاضی محمد قیام الدین صاحب مراد آبادی)

تھی ربا عالمِ خاکی حریمِ کفر و شرک — تھا عروجِ طبعِ انساں میں رواں خوئے گناہ

تھا کثافت بیزِ عصیاں شیشۂ روحِ لطیف — تھا تجلی سے عاری مطلقاً قلبِ سیاہ

نزہتِ وحدت پرستی سے تھی ۔ بلاغِ غیر — نعرۂ عرفاں سے خالی سینۂ باطل پناہ

کوششیں وقفِ بدی تھیں ۔ قوتیں صرفِ جفا — ہمتیں مصروفِ خود غرضی ۔ عزائم بد خواہ

وجہِ تفریح و تفنن کار ہائے ظلم خیز — حسرتا دختر کشی تھی باعثِ اعزاز و جاہ

زندگی کی ساعتیں صنفِ نسا پر تنگ تھیں — عرصۂ آغوشِ مادر قبر تھی آرام گاہ

بنتِ ملاں منظر تھیں ۔ نذرِ تفریحِ شکست — کھیل خود سے تھی اُن کی خوئے مردِ جبر خواہ

جائداد شوہر و والد سے تھیں محروم تر — زندگی اُن کی تھی اک صحرائے بے آب و گیاہ

ہتھی مگر وزن میں مثلِ اثاث البیت تھی — منظرِ راحت سے تھی نا آشنا اُن کی نگاہ

آہ تھی مثلِ بہائم مایۂ داد و ستد — ہو گیا تھا جوہرِ خود داریٔ نسواں تباہ

مار و زہر و موت و دوزخ و طوفان سے[1] — سمجھی جاتی تھی زیادہ فتنہ صنفِ بیگناہ

کوئی کہتا دخترِ شر ۔ دشمنِ امن و سکوں[1] — پیکرِ آلۂ ابلیس ہے بے اشتباہ[2]

تلخیٔ زہرِ الم تھی بہرِ کامِ بختِ زن — قسمتِ صنفِ قوی شیرینیٔ عیش و رفاہ

مستِ صہبائے جفا تھے بے خبر انجام سے — انقلابِ نو سے رکھتا تھا نہ کوئی انتباہ

رنگ لائی آہ آخر فرقۂ مظلوم کی!
عرش تک پہونچیں صدائیں بیکس و مغموم کی!!

ہو گیا مہرِ ہدایت کوہِ فاراں سے طلوع — ہٹ گئیں تاریکیاں باطل کی ہو کر منفعل

منتشر اجزائے ہبل و بت پرستی ہو گئے — آگئیں راہ گمگشتۂ عرفانِ حق میں مشتغل

سازِ وحدت چھڑ گیا کاشانۂ اصنام میں — ہو گئے روشن قلوبِ کافرانِ مستدل

ہو گئے معارف کے ہر طرف چشمے رواں — ہو گئے اعضائے کفر و شرک یکسر مضمحل

ہو گئی معمورۂ دینِ مبیں تیرہ زمیں — زندگانی فنا پر در بقا سے متصل

---

[1] ہندوؤں کا قانون کہتا ہے کہ تقدیر ۔ طوفان ۔ موت ۔ جہنم ۔ زہر ۔ زہریلے سانپ ۔ ان میں سے کوئی بھی اتنا خراب نہیں جتنی کہ عورت!

[1] یہ وہ خیال عیسوی دنیا کا مذہبی پیشوا کہتا ہے کہ عورت شر کی بیٹی اور امن و سلامتی کی دشمن ہے ۔ گریگوری اعظم کہتا ہے اور مذہب عیسوی کے دیگر پیشوا متفق ہیں کہ عورت شیطان کا آلہ ہے ۔

[2] سقراط جیسے فاضل حکیم کا قول ہے کہ عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی کوئی چیز دنیا میں پیدا نہیں ہوئی ۔

مردِ فخر کش ہوا آیاتِ دل میں منہمک — بجھ گئے ظلم و ستم کے شعلہ ہائے مشتعل

فرقۂ نسواں کا حامی مرحبا پیدا ہوا — ہوگئی آمد سے جس کی کسمپرسی مضمحل

یَجْعَلُوْنَ[۱] کا ہوا فرمان نافذ ہر طرف — حکم تہدیدی ملا لَا تَقْتُلُوْا[۲] پر مشتمل

فَائِزٌ هُنَّ لِبَاس[۳] ہو گئی صنفِ ضعیف — ہوگیا فرقِ مراتب ہمسری میں منتقل

حریت بخشی لَهُنَّ[۴] سے مساوی حق دئے — کردیا زخمِ درونِ صنفِ نسواں مندمل

عَاشِرُوْهُنَّ[۵] کا درس پاک مردوں کو دیا — اور اِسْتَوْصُوْا[۶] سے کی دارُوئے دردِ مضمحل

مژدۂ پاکِ مَنْ عَالَ[۷] سے کیا مسلم کو شاد — اِتَّقُوْا[۸] سے زنگِ قلبِ ظالماں کو منفعل

او مَا الدُّنْیَا مَتَاعٌ[۹] سے بڑھائی قدرِ زن — کہدیا بہتر خزانہ[۱۰] بہرِ مردِ مشتغل

جائداد والد و شوہر اخی و ابن میں — مثلِ مرداں مل گئے ہم کو حقوقِ مستقل

مرحبا صلِ علیٰ ۔ روحی فداکَ یا رسولؐ
کردیا خورشید ذرہ کو بہ آئین و اصول

---

۱ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَہٗ وَلَہُمْ مَا یَشْتَہُوْنَ ۵ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْہُہٗ مُسْوَدًّا وَّ ہُوَ کَظِیْمٌ ۵ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی ہُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۵ یعنے یہ لوگ خدا کے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں۔ سبحان اللہ خدا کے لئے تو بیٹیاں اور اُن کے لئے من مانے بیٹے۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دیجائے تو رنج کے مارے اُس کا منہ کالا پڑجائے اور وہ لہو کے گھونٹ پی کر رہ جائے۔ لوگوں سے بیٹی کی شرم کے مارے جس کے پیدا ہونے کی اُسے خوشخبری دی گئی چھپا چھپا پھرے اور دل میں سوچے کرتا یا اس ذلت پر بچی کو زندہ رکھیگا یا اُسے مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو خدا کے بارے میں ان لوگوں کی کیا بُری رائے ہے۔

۲ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُہُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَہُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ۵ یعنے اے لوگو تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اُن کو اور تم کو ہم روزی دیتے ہیں۔ اولاد کو جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

۳ ہُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّہُنَّ ۔ عورتیں تمہارے لئے زینت ہیں اور تم اُن کے لئے زینت ہو۔

۴ وَلَہُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْہِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ مردوں کا حق جس طرح عورتوں پر ہے۔ اسیطرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے۔

۵ وَعَاشِرُوْہُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ ان کے ساتھ خیر و خوبی سے گزران کرو۔

۶ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا الخ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

۷ مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا دَخَلْتُ اَنَا وَہُوَ الْجَنَّۃَ کَہَاتَیْنِ وَ اَشَارَ بِاِصْبَعَیْہِ ۔ یعنی جو شخص لڑکیوں کی پرورش کرے یہانتک کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ (داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) تو میں اور وہ اسی طرح ساتھ ساتھ جنت میں داخل ہونگے۔

۸ اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَآءِ فَاِنَّکُمْ اَخَذْتُمُوْہُنَّ بِاَمَانِ اللّٰہِ ۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے انھیں امانِ خداوندی میں لے رکھا ہے (حدیث)

۹ اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ ۔ یعنے دنیا فائدہ حاصل کرنے کی چیز ہے اور دنیا کا بہترین فائدہ نیک عورت ہے۔

۱۰ اَلَا اُخْبِرُکَ بِخَیْرِ مَا یَکْنِزُ الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ

(الحدیث)

تنقید و تبصرہ

سفینہ کی نظر میں

(حضرت تلمیح کے قلم سے)

ارمغانِ محبوب } پاکٹ سائز ۲۰۰ صفحات کتابت طباعت نفیس
ملنے کا پتہ: راجہ نرسنگ راج بہادر دیوڑھی راجہ بنسی راج باقی مرحوم) حیدرآباد دکن۔

راجہ محبوب راج بہادر آنجہانی کی جوانمرگی پر اپنی دلی ہمدردیوں اور گہرے خلوص کا اظہار کرتے ہوئے ملک کے شعرائے کرام نے جو تاریخی قطعات اور نظمیں کہی ہیں۔ اُن کو راجہ نرسنگ راج بہادر عالی نے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔ جس کا ایک نسخہ ہم کو بھی بغرضِ ریویو وصول ہوا ہے۔

جوان بھائی کی مرگ بے ہنگام پر راجہ نرسنگ راج بہادر عالی نے نثر اور نظم میں جو تاثراتِ غم پیش کئے ہیں۔ وہ بیحد دردناک اور الم انگیز ہیں۔ صحیح اور حقیقی وارداتِ قلب کی عالی صاحب نے قابلِ قدر اور موثر ترجمانی کی ہے۔ جس کا ہر لفظ لبریز سوز و معمورِ گداز ہے۔ اس کے سوا دوسرے شعراء کی نظمیں بھی قریب قریب اسی درد و تاثر کی حامل ہیں اور بعض تاریخیں تو حقیقت میں بے نیاز ستائش و تحسین ہیں۔ غرض مجموعی طور پر "ارمغانِ محبوب" پاکیزہ خیالات اور نکھری ہوئی زبان کا ایک دیدہ زیب مرقع ہے۔ اس کے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ محبوب کس قدر محبوبِ خلایق تھے۔ ہم بھی عالی صاحب کے شریک غم ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں صبر کی توفیق دے۔ آمین۔

اگر عالی صاحب کے پیش نظر ــــ زندگی شبنمِ ہستی است کہ نامِ حباب بہ ہر کہ ہست آئینہ پیش نفس میگیرد ــــ رہے تو عزیز بھائی کی مفارقت کا یہ داغ بہت جلد دھل جائے گا۔ ہمارا اپنا مسلک تو یہ ہے اور ایک بڑی حد تک ہم اسی پر عمل پیرا ہو کر کہتے ہیں ؎ تہمت سا رو بیٹے اُن پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں۔ اور یقین ہے کہ عالی صاحب بھی ہماری ہمنوائی کریں گے۔

شمیم { کتابی سائز ۷۷۰ صفحات مکمل دو جلدوں میں لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت مجلد (للعہ)
مصنفہ جناب فیاض علی صاحب بی ۔ اے ۔ (علیگ)
ملنے کا پتہ: ۔ صدیق بک ڈپو لکھنؤ ۔

آجکل افسانہ نگاری کا شوق ہندوستان میں ایک وبا کی طرح پھوٹ پڑا ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ اخلاق و آداب کو سدھارنے کی بجائے عام طور پر ایسی تحریریں دیکھی جا رہی ہیں جو نہ صرف مخرب اخلاق ہیں بلکہ ان تحریروں کا اثر آیندہ نسل پر ضرور پڑے گا ۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ کوئی ناول یا افسانہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں حسن و عشق کا دخل نہ ہو؟ اگر یہ واقعہ ہے تو افسانہ نگار یا ناول نویس کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہ چیز عورت و مرد جوان اور بوڑھے غرض ہر ایک کی نظر سے گزرتی ہے ۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جوان طبیعتیں بھلی چیزوں پر بہت کم توجہ دیتی ہیں اور بری باتیں ان طبیعتوں کا بہت جلد اپنا اثر جما لیتی ہیں ۔ حسن و عشق کی ایسی عریاں تحریروں کو محض عیاشی سمجھ کر اگر یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس علاوہ کے بغیر کوئی پلاٹ مکمل ہی نہیں ہوتا" نظر انداز کر دیا جائے تو وہ وقت دور نہیں جب کہ یہ حلاوت (جو اب تجاوز کرتے ہوئے عریانی تک پہنچ چکی ہے) کڑواہٹ سے بدل جائے گی ۔ اور پھر حسب کے کاٹنے کا کوئی منتر نہ رہے گا ۔ سوائے اس کے کہ ملک کی اخلاقی حالت جو اب پست ہے، پست ترین ہو جائے ۔ ہمارے نوجوانوں (خصوصاً لڑکیوں کے لیے تعمیری کام کی ضرورت ہے ۔ نہ کہ تخریبی ۔ آج کل افسانہ نگاری یا ناول نویسی کا دوران کا نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے چال و چلن پر جو کچھ اثر پڑے گا اور ان کے نفسی جذبات کی جس حد تک تحریک ہوگی وہ ظاہر ہے ۔ ناول زیر بحث میں جگہ جگہ ایسی مثال مل سکتی ہے ۔ اس لئے اگر ہم نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو اس کے اور اسی قسم کی دوسری ناولوں کے پڑھنے سے باز رکھنے کی ہدایت کریں تو یقیناً ہمیں قابلِ معافی سمجھا جائے ۔ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی "مشرقی خاتون" تمام چہار دانگِ عالم میں محض اس کی شرم و حیا کی وجہ مشہور ہے ۔ اس کی عصمت و وفاداری کے ڈنکے تہذیب و تمدن کی بلند ترین چوٹیوں پر پہنچے ہوئے اقوام کے ہاں بج رہے ہیں ۔ وہ وقت قریب ہے جب کہ مغرب کی حیا باختہ مہذب خواتین پھر ایک دفعہ ہماری مشرقی جاہل عورتوں سے سبق سیکھیں گی مغرب کی وہ خواتین جلی بڑھی ہوئی آزادیاں، جن کی عصمت و عفت فروشی، جن کی شرم و حیا سے بیگانگی نے بڑے بڑے مدبروں کے

[illegible]

کان کھڑے کر دئیے ہیں :-

ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ جراثیم جو "حسن و عشق کی چاشنی" کی شکل میں پیدا ہو گئے ہیں ضرورت ہے کہ انکو ملیا میٹ کر دیا جائے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ کسی نسوانی رسالے میں اسی ناول پر شاندار الفاظ میں تبصرہ دیکھ کر ہمیں حد درجہ حیرت ہوئی اور ساتھ ہی افسوس بھی کہ ایک ایسا رسالہ جو خالص طبقہ نسواں کی اصلاح کے لئے نکالا گیا ہو۔ اس کا یہ طرزِ عمل۔ حال میں تہذیب نسواں (جون ۳۶ء) نظر سے گذرا۔ جس کے بانی مولوی ممتاز علی صاحب ہیں۔ تہذیب ایک قدیم رسالہ ہے اور عرصے سے مسلم خواتین کی رہنمائی (؟) کر رہا ہے۔ "مسلم خواتین ہند اور پردہ کے قیود" یہ ایک ایسا پیچیدار مسئلہ ہے کہ اس پر آئے دن بحث ہوتی رہی ہے۔ سوائے ان چند نوجوانوں کے جو مغربی دیوی کے پرستار ہیں، باقی زائد از دس کروڑ ہندی مسلمان پردہ کو سایۂ رحمت سمجھتے اور اپنی خواتین کو سختی سے اس کے پابند بنائے رکھے ہیں۔ گویا اب ہندوستانی مسلم خواتین کا پردہ "دیوار کی بلّی" بنا ہوا ہے۔ مگر ہمارا خون خشک ہوا جاتا ہے جب ہم بعض ایسی معتبر ہستیوں کو اس کے خلاف کچھ کہتے سنتے ہیں۔ مولوی ممتاز علی صاحب کی یہ تحریر پڑھئے۔ پردہ کی مخالفت میں نہ صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب پر چوٹ چلائی گئی ہے۔ بلکہ خود شریعت اسلامیہ کی بھی تحقیر ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"مولانا کفایت اللہ زادہ مجدہ ہم کب اجازت دیں گے کہ عورتیں گھر سے نکلیں"

——— اسی سلسلے میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

"پردے پر بحث کرنے میں دلائل سے ہار کر، اگر مولانا مجبور آمان بھی گئے تو پھر خوفِ فتنہ کی ڈھال انہیں ہر حملے سے محفوظ رکھتی ہے"!

لیجئے! مسلم خواتین کی رہنمائی کرنے والے ایک آرگن کے بانی کی یہ تحریر ہے۔ یعنی ہم تو کبھی اس پردے کے طوق کو اپنی خواتین کی گردن سے اتار پھینکے ہوتے۔ اور وہ جب کسی بال روم میں ناچ کر یا کسی محفلِ عیش میں شمع محفل بن کر آتیں تو ہم ان کی جگہ سنبھال لئے ہوتے۔ مگر خدا مفتی صاحب کا بھلا کرے وہ کب ہمیں ایسا موقعہ ہاتھ آنے دیں گے؟

گویا ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

ایسے بعض غیر معروف حضرات کی رہنمائی، اور تہذیب جدید کے دلدادہ نوجوانوں کی حمایت دیکھنا یہ ہے کہ کیا رنگ لائے گی؟ حالات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ غریب ہندی مسلم خواتین کا مقنع و چادر مغربی ہوا کے تھپیڑوں سے بچنا محال ہے۔ ہماری اپنی رائے میں ہندی مسلم خواتین کو ابھی کم از کم نصف صدی اسی قید و بند (جو دراصل ان کے حق میں رحمت کے سایہ سے کم نہیں ہے) میں رہنا چاہئے۔ اس کے بعد کسی "ایسے ہی" رہنما کی سرکردگی میں وہ چاہیں تو زندگی کے میدان میں اتر کر اپنے گھوڑے دوڑا سکتی ہیں۔

افسوس ہے کہ خیالات کے بہاؤ نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

ہاں! شمیم کے مصلح اخلاق اور سبق آموز ہونے کی نسبت یہ ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ "مولانا شوکت علی نے خلافت میں اس پر سولہ کالم ایک بسیط تبصرہ فرمایا ہے"۔ اے کاش! اس کے ساتھ تاریخ کا حوالہ بھی دیدیا جاتا تو شاید ہم اس سولہ کالم والے بسیط تبصرہ سے استفادہ حاصل کرتے!! اب جب کہ یہ بسیط تبصرہ ہمارے آگے نہیں ہم کیا جانیں کہ مولانائے موصوف نے کس چیز کو سراہا ہے۔ کیا اس کی ضخامت اور موٹی موٹی دو جلدیں، تحریر کی شوخی، یا اس کی تصویریں؟ بہرحال "شمیم" اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اور ہم فاضل مصنف کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے ہر اس جگہ جہاں مذہب کا ذکر آگیا۔ انتہائی کاوش سے کام لے کر احادیث اور آیاتِ قرآنی کی روشنی میں بہت سارے اعتراضات کا معقول جواب دیا ہے۔ فاضل مصنف نے اسلام کو غیر مسلموں کے آگے جس سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ لائق صد آفریں اور قابلِ تقلید ہے۔ حقیقت ہے کہ اسلام محض اپنی سادگی اور سچائی کی وجہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا اور یہی دو چیزیں قیامت تک کبھی اس پر آنچ نہ آنے دیں گی۔ ہم اس کی بھی تعریف کرتے ہیں کہ لائق مصنف نے بعض کیرکٹرز کو کچھ ایسے نبھایا ہے کہ آخر تک ان کا ساتھ رہے۔ مگر اکثر غیر ضروری تصریحات نے بہت طول کھینچا ہے جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں یہ ان کا شیوہ ہے کہ ایسے موقعوں پر یا اگر کسی کا کیرکٹر بتلانا مقصود ہو تو مختصر عبارت میں اس کا اظہار کچھ ایسے اسلوب سے کر جاتے ہیں کہ نظروں سے پوشیدہ نہیں گزر جائے۔ ان کی نظروں میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو طول دیکر خواہ مخواہ ضخامت بڑھاویں۔

نیاض صاحب نے فطری جذبات کا عکس اتارنے کی کوشش تو کی ہے مگر انہیں اکثر جگہ ناکامی ہوئی۔

اگر یہ سچ ہے کہ ضیائے علم (خواہ دینی ہو یا دنیوی) جب کسی سیاہ قلب کو منور کردیتی ہے تو وہ آدمی نہیں بلکہ پارس اور ہمہ تن شائستہ و مہذب بن جاتا ہے تو پھر ہمیں حیرت ہے کہ شمیم کی گفتگو کو بعض جگہ کیوں کچھ ایسے مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے وہ بادی النظر میں پرلے درجہ کا یادہ گو اور جاہل محض قرار پائے۔ ایک ایسا شخص جو ایم۔ اے کا امتحان دیا ہو کیا اپنی زبان سے یہ کہہ سکتا ہے۔

"وہ بیچارا اپنی بیوی کا اکلوتا شوہر ہے۔ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کی بیوی جو بیچاری شش ماہی ایک ہی مدد بچے سے دنیا کی آبادی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ اس کار خیر سے معذور ہو جائیگی" یا

"اُن کے باپ ایک نہایت سیاہ چمار تھے، اور ان کی ماں خود حلال خور رہتیں، اور سب پر ملال تھیں"۔ وغیرہ۔

ایک اور جگہ "مسلم یونیورسٹی علیگڈھ" کے ہی سپوت مولویوں کی نسبت فرماتے ہیں:—

"علم فقہ میں مولویوں کو عورتوں اور مردوں کی طہارت کے مختلف پیچیدہ مسئلے بھی ہر زبان یاد ہوتے ہیں اور ایسے چٹخارے لے لے کر وہ ہر ہر حالت اور ہر ہر حرکت کی بابت علاحدہ مسئلے بیان کرتے ہیں کہ شرابی کباب کے اور افیمی گنڈیریوں کے مزے کیا کھا کر بیان کرے گا۔ انکی کتابیں فحش ناولوں سے بھی زیادہ فحش اور ننگی ہوتی ہیں۔ مگر انہیں شرم نہیں آتی"۔

بھلا اب قیافہ صاحب بتلائیں کہ ایک مہذب گھرانے کے تعلیم یافتہ شخص کی زبان سے کیا ایسے اور بے تکے الفاظ نکل سکتے ہیں۔ یہ جملے جو ہم نے نقل کئے ہیں وہ ابتدائی صفحات کی زینت کو بڑھا رہے ہیں۔ اور آگے اس سے بھی شستہ زبان اور قدرے فصیح الفاظ بیسیوں جگہ استعمال کئے گئے ہیں۔ جس سے زبان کی حلاوت، انداز بیان کی لطافت، تحریر کی شوخی آمیز سنجیدگی (یعنی عریانی) اور خیالات کی دل آویز ندرت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ شاید ان ہی خوبیوں کی بنا پر ایک زنانہ رسالہ کی فاضل مدیرہ نے تبصرہ کے دوران میں خواتین سے استدعا کی ہے کہ "صدہا اخبارات اس کی تعریف کرچکے ہیں۔ اس لئے آپ الگ ناول پڑھنے کا

ملے ہم نے ان الفاظ کو یہاں نقل کیا ہے جو اس قابل نہیں کہ یہاں لکھے جاسکیں مگر ہم نے اس کے چارہ کار نہ رہا۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ (مدیرہ)

ذوق رکھتی ہیں تو اسے ضرور ملاحظہ فرمائیے میں زیادہ تعریف کرنا فضول سمجھتی ہوں"۔

ہم "الکتاب" مدینہ بجنور و "لکھنو" اور فاضل مصنف فیاض صاحب سے معافی کے خواستگار ہیں۔ ہم نے جو لکھا ہے محض اس لئے کہ ہمیں اپنا فرض کچھ کے دے رہا تھا۔ اگر فرصت ہوئی تو آیندہ ہم اسی قبیل کے اور بہت ساری کتابوں پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔ جو "زنانہ لٹریچر" میں جگہ پا گئے ہیں۔

"پیشوا" رسول نمبر

ضخامت (۱۴۰) صفحات، کتابت طباعت پاکیزہ۔
قیمت کاغذ چکنا و مرکمرا ۸ر۔ زر سالانہ مع رسالانہ بشمول رسول نمبر صعاں ر۵ مرعلی الترتیب۔
ملنے کا پتہ :۔ منیجر رسالہ پیشوا۔ کوچہ چیلان، دہلی۔

ہمعصر رسالہ "پیشوا" کا رسول نمبر بغرض تبصرہ ہمیں ملا۔ جو ہمارے محترم دوست مولانا حافظ عزیز حسن صاحب بقائی کے زیر ادارت اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کو لئے ہوئے شائع ہوا ہے۔ اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو شاید "پیشوا" ہی وہ واحد رسالہ ہے جس نے اس تقریب سعید پر بصد شان و شوکت اپنا ایک خاص نمبر نکال کر سرور کائنات کے ساتھ اپنی دلی عقیدت و ارادت کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد ہی ہندوستان کے اور رسائل و اخبارات نے بھی رسول نمبر نکالے۔ مگر "پیشوا" کا درجہ اپنی بعض خصوصیات کی وجہ اس صف میں اولین ہے۔ متعدد قیمتی اور کمیاب تصاویر اس کی زینت کو دوبالا کر رہے ہیں۔ بلحاظ مضامین اس بے نظیر مجموعہ کو اگر سیرت مبارک کی "انسائیکلو پیڈیا" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مضامین (نظم و نثر) مجموعی طور پر اسلام کی سادگی اور بانی اسلام کی مبارک زندگی کے حالات نیز اسلامی تعلیمات اور اس کے محاسن کو مختلف پہلوؤں کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں، مگر خصوصیت سے بعض ایسے عنوانات قائم کئے گئے ہیں جو داعی برحق کی بزرگی و برتری کو منوائے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری کے مضامین اپنی افضلیت کے حامل اس وجہ سے بھی ہیں کہ آپ نے دنیا کی موجودہ کشمکش و بدامنی کو دور کرنے کا واحد علاج بجا طور پر یہ بتلایا ہے کہ ———

"دنیا میں امن تو صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ ——— سرمایہ دار مزدوروں کو غلام نہ سمجھیں اور عام انسانوں سے مساویانہ سلوک کیا جائے۔ سرکار دو عالم نے مساوات و حریت کی دنیا کو عام دعوت دی۔ اسی صدائے حقیقت اثر نے قیصریت کے ایوان کو ہلا دیا اور جبر و استبداد کے ہونٹوں کو کپکپا دیا۔ کاش! آزادی یعنی امن و عافیت کی متوالی دنیا اس حریت نواز دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس آستانہ پر سر نیاز بھی جھکا دے جہاں بادشاہ و فقیر، غلام اور آقا، ایک ہی صف میں دوش بدوش نظر آتے ہیں ———"

ہماری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہمیں فہرست مضامین میں حسب ذیل ہندو حضرات کے نام نظر آئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام غیر مسلموں کی کشتی بھٹکی ہوئی روح کو طمانیت بخشتے ہوئے اپنی حقانیت اور وحدانیت کا معترف بنا رہا ہے۔ سارے ہندی مسلمانوں کو اُن حضرات کا شکر گذار ہونا چاہئیے جنھوں نے پیغمبر اعظم کی افضلیت کا اعتراف کرتے ہوئے عقیدت مندی اور خلوص کا صدق دل سے اظہار کیا۔ کاش یہ اخلاص اور یہ ارادت معتقدان مذہب کے ساتھ ہندو اور مسلمان دونوں میں عام طور پر پیدا ہو جائے تو ہماری فلاح بہبودی کی راہیں جو باہمی اختلاف کی وجہ سے مسدود ہوئی اور ہوتی جا رہی ہیں یکبارگی کھل جائیں۔

ہم فاضل مدیر کی محنت و کاوش کی ہر طرح داد دیتے ہوئے اس قومی آرگن کی فلاح و سرسبزی کے لئے دعا مانگنے سے پہلے ایک خاص چیز کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ جو ایک عرصہ سے خلش دل کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ اور یقین ہے کہ اس کو نکتہ چینی نہیں بلکہ انتہائے خلوص کے تحت قبول کیا جائے گا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اشتہارات کے سلسلے میں پیشوا گرانقدر رسالہ کچھ ایسی کتابوں کے نام اور انکی فہرست مضامین بھی گنوا تا رہتا ہے جس کو وہ "کیف اور لٹریچر" کے نام سے موسوم کرتا ہے "پیشوا" ہمارے خیال میں ایک ہردلعزیز پرچہ ہے اور اس کا مردوں کے ہاتھوں سے گذر کر عورتوں تک پہنچنا عجب نہیں۔ اس صورت کی موجودگی میں ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کتابوں کے نام مع تفصیل ابواب وغیرہ (جس کا ایک ایک لفظ عریانی کو لیا ہوا ہے) بلا التزام شریک رسالہ رہا کریں جن سے نوجوان لڑکے اور خصوصاً لڑکیوں کے اخلاق پر کاری ضرب لگنے کا اندیشہ ہے۔ اگر ان کتابوں کو دفتر پیشوا نے شائع کیا ہے تو بہتر ہوگا جو وہ ایک "علیحدہ پمفلٹ" کی شکل میں اس کی تفصیل وغیرہ دیا کرے۔ امید کہ مولانا صاحب بعافیٰ ضرور ادھر توجہ دیں گے تاکہ مخالفین کی انگشت نمائی سے پہلے یہ عیب دور ہو جائے اور پیشوا با لحاظ مرد و عورت حقیقی معنوں میں مذہبی پیشوا ثابت ہو۔

رسالہ جہانگیر (خاص نمبر ۱۹۳۲ء)
کراؤن سائز (۱۶۸) صفحات، کتابت و طباعت نفیس۔
قیمت ۱۲/ سالانہ للعہ بشمول خاص نمبر۔
ملنے کا پتہ۔ دفتر جہانگیر، ۱۵ سرکلر روڈ، بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور۔

رسالہ زیر تنقید، محمد احمد خان صاحب درّانی کی ادارت میں حال ہی میں اپنی پوری "لاہوری" شان و شوکت کے ساتھ نکلنا شروع ہوا ہے۔ ابھی اس نونہال کی آنکھ بھی نہ کھلنے پائی تھی کہ وہاں کی صحافتی روایات کے مطابق "خاص نمبر" کی زد میں آگیا۔ عموماً ان خاص نمبروں نے کچھ ایسی طوفان بے تمیزی مچائے رکھا ہے کہ اب یہ سمجھنا ذرا مشکل سے ممکن ہے کہ کونسا خاص نمبر ہے

اور کونسا "عام"۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس قبیل کے رسائل ان پرچوں کی ترقی کی راہوں میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ جن کے اجرا کا ایک خاص مقصد ہے۔ ایسے مضامین جن پر "کچھ تم سمجھے اور کچھ ہم سمجھے" والی مثال چسپاں ہے۔ ایسی تصاویر جو عریانی یا نیم عریانی لئے ہوئے ہوں، جن میں آرٹ کو دور کا بھی لگاؤ نہ ہو، جہاں جمع ہو جائیں انہیں یکجا کر دینا اردو ادب پر احسان جتانے کے لئے "خاص نمبر" کے نکالنے سے کہیں بہتر ہے کہ "عام نمبر" ہی نکالے جائیں۔ یا اگر خاص نمبر نکالنا ہی ہے تو مناسب ہوگا کہ اس کو کسی ایک مخصوص تقریب یا ایک خاص موضوع کیلئے رکھ چھوڑا جائے۔ تاکہ ناظرین کو بیک وقت ایک ہی عنوان کے تحت مختلف خیالات سے مستفید ہونے کا موقعہ مل سکے۔ اردو رسائل کے مستقبل کے طور پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ وقت دور نہیں جب ملک کے اس سرے سے اس سرے تک ایک عام ناقدری دیکھی جائے گی اور ہندوستانی صحافت کے سر پر رسائل کی تباہی و بربادی کا سہرا ضرور بندھا ہوا کر رہیں گے۔ جہانگیر کے اس سے پہلے کبھی درشن نہیں ہوئے تھے۔ اب جو ہم دیکھ رہے ہیں تو یہ عروسانہ لباس میں ملبوس اور اپنے شاندار مستقبل کا حال نظر آرہا ہے۔ تین سہ رنگی اور چہ یکرنگی تصاویر عروسی لباس کی جان بنے ہوئے ہیں۔ مضامین اکثر اعلیٰ پایہ کے ہیں۔ جن سے فاضل مدیر کے حسنِ مذاق اور بہترین انتخاب کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری نگاہیں اس وقت فہرست مضامین پر ہیں۔ جن میں بعض ایسے نام بھی نظر آرہے ہیں۔ جن کی موجودگی رسالہ کی وقعت و قدر کو بڑھا رہی ہے۔ کچھ نام ایسے بھی دہی لاہوری ساختہ "القاب کے ساتھ دکھائی دیرہے ہیں جن کی "ادب نوازیوں" نے غریب اردو کی جان پر بنا دی ہے۔ جن کے قلم نے تاک تاک کر اس بیکس زبان کو کچھ ایسا نشانہ بنایا ہے کہ وہ پڑی دم توڑ رہی ہے۔ انہیں حضرات کی کرم فرمائیوں سے یقین ہے کہ زیادہ عرصہ نہ گزریگا جب اردو (نام ہوگا) ایک مہمل زبان کا جسکی حروف تہجی کی ابتدا بجائے الف کے ی سے ہوگی!!

ہم کسی قریبی فرصت میں ان تمام حضرات کے نام اور ان کی "ادب نوازیوں" کے نمونہ پیش کریں گے۔

عصمت (سالگرہ نمبر) دہلی سنہ ۱۹۳۲ء

حجم (۲۰۸) صفحات، کتابت طباعت نفیس۔
قیمت قسم اعلیٰ عہ، ادنیٰ ہ۔ زرمعاوضہ سالانہ صہ/ روپے علی الترتیب مشمول سالگرہ نمبر
ملنے کا پتہ :- دفتر عصمت دہلی۔

معزز معاصر عصمت ہندوستان کے زنانہ رسائل میں ایک امتیازی خصوصیت اور اعلیٰ شان رکھتا ہے۔ اس کی اصلاحی روش اور طبقہ نسواں کی سچی ہمدردی اپنے دوسرے رسائل کی صف میں اس کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھا رہی ہے۔ جس کا بیّن ثبوت اس کا چھبیسواں سالگرہ نمبر کی شکل میں ہمارے آگے موجود ہے۔ ہم اس کی کامیاب ترقی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مشتاق

روایات سے دور مغرب زدہ ہندی خواتین کا لیل و نہار ہمارے پیش نظر ہے۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی مغربی پرستاریاں اور اندھی تقلیدیں انہیں کس رنگ میں رنگتی جا رہی ہیں؟ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا رجحان طبع کدھر ہے؟ ان کے دلچسپ ترین مشاغل کیا ہیں؟ ان کے عادات و اطوار اور طرزِ وروش بگڑ کر کس حد پر جا پہنچے ہیں؟ ان کے ادبی ذوق کا کیا حال ہے؟ ان ساری چیزوں کی موجودگی میں عصمت کی ہر دلعزیزی ایک عجوبہ سے کم نہیں۔

زیرِ نظر نمبر "پچیسویں سال" کا پہلا پرچہ ہے، جس میں ملک کے بہترین مضمون نگار حضرات اور خواتین کے مضامین نظم و نثر جمع کیے گئے ہیں۔ تصاویر مجموعی طور پر باون ہیں۔ جس میں تین رنگین تصویریں بھی شریک ہیں۔ غرض یہ سالگرہ نمبر ہر طرح اس قابل ہے کہ خواتین اور لڑکیوں کے مطالعے میں رہے۔ ہم رازق صاحب کی محنت اور حسنِ سلیقہ کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یقین ہے کہ خواتین کرام بھی اس گرانقدر رسالے کی ہر ممکنہ اعانت و امداد فرماتی رہیں گی۔

سفینۂ نجات } چھوٹی تقطیع (۴۸) صفحات کتابت و طباعت معمولی قیمت ۴؍
ملنے کا پتہ:- صغرا منزل' ہمایوں نگر۔ حیدر آباد دکن۔

"عصمت آب" محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا) کا نام دکن کی حد تک تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ آپ کے بعض قیمتی کارنامے" آپکی شہرت میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ اس کے سوا آپ کا شمار دکن کی قدیم لکھنے والی محترم خواتین کی صف میں ہے۔ رسالۂ زیر بحث میں آپ نے خود نوشتہ نوحہ جات، سلام وغیرہ کو یکجا کیا ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ اگر "خونِ جگر سے لکھا گیا ہے" کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو شاید محترمہ موصوفہ کی یہ ابتدائی کوشش ہے۔ کلام میں روانی، برجستگی اور سلاست کا فقدان ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو یقیناً یہ چیز بہت جلد دور ہو جائیگی۔

مختصر مجموعۂ نوحہ جات } چھوٹی تقطیع (۳۲) صفحات کتابت و طباعت معمولی قیمت ۲؍
مرتبہ جناب سید عباس حسین صاحب صمصام ملنے کا پتہ سفینہ بک ایجنسی" چادر گھاٹ حیدر آباد دکن"

یہ مختصر مجموعہ جناب صمصام کے مختلف نوحہ جات کا ہے۔ حادثۂ کربلا و مصائب دشت کی جگر خراش و دل دوز داستان ہی کیا کچھ کم ہے۔ جس کو سن کر جگر پارہ پارہ نہ ہو جائے اور پھر ان کو نظم کا جامہ پہنانا گویا قیامت پر قیامت ڈھانا ہے۔ اس موقعہ سے ہٹ کر ہمیں آجکل کی شاعری کی نسبت کچھ عرض کرنا ہے۔ جواں مرگ ادیب عظمت اللہ خاں دہلوی نے حق تو یہ ہے کہ چبھتے کی بات کہہ دی ہے۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "بدقسمتی سے اردو ادبی دنیا میں نری لفاظی بھی لفظی شاعری کی جان سمجھی جانے لگی

ہماری شاعری ایک چیتھڑوں کی گڑیا سی ہے جس کو جھوٹے مسالہ والی کترنیں سی سلا کر پہنادی گئی ہیں . . . .
اردو شعراء اس قسم کی گڑیاں کھیلتے ہیں؛ اصلیت کی ہوا سے بھاگتے ہیں اور زندگی کی لہراتی ندی سے جان چراتے ہیں (آجکل)
شاعری کی قادر الکلامی کے یہ معنی ہو گئے ہیں کہ توڑ، مروڑ کر الفاظ کی ایسی نرالی نامانوس اور بے ضرورت ترکیبیں نکالی جائیں کہ
شاعری عام (کم فہم بلکہ بعض وقت عالی فہم) لوگوں سے کالے کوسوں دور جا پڑے اور اس میں اصلی زندگی کی چھینٹ بھی
نہ پڑے ایک مخصوص طبقہ سمجھے یا بے سمجھے اس قسم کے اشعار کے مزے لے۔ قادر الکلامی کی بڑی نشانی یہ ہے کہ گھرے سے
گھرے، بلند سے بلند مضمون کو سیدھے سادے الفاظ میں ادا کیا جائے ————"

اور شاید یہی وجہ ہو کہ اس دور کے شعراء کے کلام میں وہ وجدانی کیف نظر نہیں آتا جو کوئی ایک صدی آدھ صدی
اب تو خالص لفاظی یا اس سے بڑھ کر مبالغہ آمیزی ہی رہ گئی ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ نئی زمانہ اردو شاعری میں
مبالغہ آمیزی کو کچھ اس قدر دخل حاصل ہو گیا ہے۔ کہ شاعری کے دوسرے معنی مبالغہ آمیزی کے لئے جانے لگے ہیں یہی نہیں
بلکہ یہ ایک مثل کی حد تک بھی جا پہنچی ہے۔ چنانچہ کسی ایسے موقعہ پر کہ جب کوئی شخص دروغ بیانی سے کام لے رہا ہو تو ہم نے
اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ "اب تم اپنی شاعری کو ختم کر دو" یا "آپ زیادہ اپنی شاعری کو کام میں نہ لاؤ" —— دیکھو

کیا ہمارے شعراء ادھر توجہ دیں گے؟ ایک وہ زمانہ تھا جب کہ شاعر کے صرف چند سیدھے سادے الفاظ ایک بھری
محفل کو نیم بسمل کئے دیتے تھے۔ اور ایک یہ وقت ہے کہ صفحہ کے صفحہ رنگ دئے جا رہے ہیں۔ مگر سامعین کے کان پر جوں تک
نہیں رینگتی۔ اس کا سبب وہی نری لفاظی یا پھر مبالغہ آمیزی کے سوا اور کچھ نہیں۔
کبھی ہماری شاعری میں؟ اس قدر وجدانی کیف مضمر تھا کہ ساز ہر مطرب نے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اپنی ساز پر چھیڑا" اور ادھر ایک سرفروش نے اپنی عزیز ترین جان کو قربان کر دیا۔ مصنف صاحب کی اردو
تحریر میں گو صفائی اور بعض جگہ برجستگی بھی پائی جاتی ہے۔ مگر ابھی بیان میں ندرت ناپید ہے۔ اگر مشقِ سخن جاری رہے
تو امید بندھتی ہے کہ یہ اور دوسرے تمام عیوب بھی ہٹ جائیں گے۔

اسلامی جنتری } مدل سائز (۸×۱۲) صفحات کتابت و طباعت اوسط قیمت کاغذ مجلد ۶ ر کھلا ۴ ر
ملنے کا پتہ :- کتب خانہ حیدری ۔ چھتہ بازار حیدر آباد دکن۔

یوں تو ہر سال سنہ ہجری کے ختم پر مختلف جنتریاں دکن اور بیرون دکن سے شائع ہوتی ہیں ۔ مگر یہ محض شیخ ابوالقاسم حسام کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مذکورہ جنتری اپنی نوعیت میں خاص ہے ۔ جس میں علاوہ تاریخ وغیرہ کے ہر اس چیز کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جو روزمرہ ہر کس و ناکس کے کام آئے ۔ مقامی طور پر ریلوے کا ٹائیم ٹیبل نیز شرح سود اور تبادلہ سکہ جات کلدار و حالی بھی اس میں شامل ہے ۔ حضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ ، شاہزادگان والا شان ۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر اور نواب سالار جنگ بہادر کی تصاویر اس کی زینت کو بڑھا رہے ہیں ۔ ہر اعتبار سے یہ جنتری مفید ہے ۔
مبصر "تارخ" ہادی

بقیہ مضمون صفحہ (۸)

احوالِ ما

مگر افسوس کہ عدم گنجائش اور سب سے زیادہ دیر ہو جانے کی وجہ اکثر مضامین ناتمام شائع ہوئے ہیں ۔ براہ کرم ان کا مطالعہ کیجئے اور مجھے اپنی رائے سے مطلع فرمائیے تاکہ کسی ایک مضمون کو اعلیٰ قرار دیا جاسکے ۔

اس سلسلے میں جو مضامین دیر سے وصول ہوئے ہیں وہ میرے پاس محفوظ ہیں ۔ میرا ارادہ ہے کہ اُن کو نیز ان ناتمام مضامین کو جو شریک اشاعت ہیں ایک کتابی شکل میں شائع کردوں جو "اسلام میں عورت کا درجہ" کے نام سے موسوم ہوگی ۔ ——— مذکورہ عنوان کے مضامین کے سواء "عورت کی زندگی کے تین دور" اور "مسلم خواتین کا ماضی ، حال اور مستقبل" والے مضامین بھی اس کتاب میں شریک رہیں گے ۔ گویا دوسری دفعہ ان بہنوں کے لئے ایک اور موقعہ دیا جارہا ہے ۔ جنھیں یہ شکایت تھی کہ "ایسے ادق مضامین لکھنے کے لئے تو کافی وقت درکار ہے اور آپ نے بہت قلیل وقت رکھا" ! کتاب مذکورہ کی تیاری آئندہ مہینے سے شروع ہوگی ۔ اس اثنا میں مجھے یقین ہے کہ اور بہنیں بھی اس کی کامیابی میں حصہ لیں گی ۔ اگر ضرورت ہو تو اس کی ضخامت دو سو صفحات سے بھی بڑھا دی جائیگی ۔ اور قیمت کم سے کم رہے گی ۔ تفصیل صفحہ اول پر دیکھئے ۔ "محرم نمبر" میں بعض غلط تصاویر اور مضامین شریک ہوگئے ہیں ۔ جس کی جانب محترمہ بہن "ج" نقوی صاحبہ نے توجہ دلایا ہے ۔ میں بہن موصوفہ کی اس خاص ہمدردی کی ممنون ہوں ۔

میری علالت کا سلسلہ اس غلطی کا باعث ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ محترم بہن اور دوسرے حضرات اس کو نظر انداز فرمائیں گے

میرے لئے یہ خبر باعثِ صد رنج و ملال ہوئی کہ مولوی غلام مصطفےٰ صاحب قریشی (ناظم بندوبست سرکار عالی) کی علالت کا سلسلہ طویل ہوتا جارہا ہے۔ خدائے عزوجل سے صمیم قلب کے ساتھ دعا ہے کہ انہیں بہت جلد صحتِ عاجلہ اور شفائے کلی حاصل ہو۔ آمین۔

میں عزیز بہن زبیدہ اور معظمہ و محترمہ مسز قریشی کی شریک درد بن کر اپنی لاتعداد دعاؤں اور بہترین تمناؤں کو بھیج رہی ہوں۔

اس دفعہ "عثمانیہ یونیورسٹی" کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ حصولِ علم میں پردہ کی قید کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرسکتی بلکہ ایک پردہ نشین پردہ میں ہی رہکر وہ سب کچھ کرسکتی ہے اور نہایت شاندار طریقہ پر جو آج ملک کی دوسری خواتین ان جکڑ بندیوں سے آزاد رہ کر بھی نہ کرسکیں" کیا اب بھی پردہ کے مخالفین اس حقیقت کو نہ مانیں گے؟ اور کیا اس کے بعد بھی پردہ ان کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا ہی رہے گا؟

سفینہ کی قلمی معاون اور میری محترم بہن محمدی بیگم صاحبہ کی خدمت میں ساری پردہ نشین خواتین کی جانب سے میں "مبارکباد" کا ادنیٰ ترین تحفہ پیش کرتی ہوں۔ جن کی شاندار کامیابی یقیناً ہماری اپنی کامیابی ہے۔

اسی سلسلے میں مجھے اپنی عزیز بہن محترمہ بنت عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات (سرکار عالی) کی خدمت میں ان کے عزیز بھائی مسٹر عبد الصمد خاں صاحب کی بی 'یس' 'یل' سی کے امتحان میں امتیازی خصوصیت کے ساتھ کامیابی پر مبارکباد پیش کرنا ہے۔ اور خدا سے دعا ہے کہ صاحب موصوف کی یہ کامرانی آیندہ کے لئے بہت سارےکامیابیوں کا پیش خیمہ ہو۔ آمین۔

میں عالیجناب ناظم صاحب کی خدمت گرامی میں بھی منجانب "ادارہ" خلوص و مسرت کا "گلدستہ سپاس" پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہی ہوں۔"

معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خان صاحب (ایم۔ بی۔ سی۔ ایچ۔ بی۔ اڈنبرا) کے بیشمار الطاف اور بے انتہا کرم نے میری آنکھوں کے آگے اب اس حقیقت کو روشن کر دیا ہے کہ ؎

ہمت ذاتی بہ جُود است از سخا محتاج تر
از کریماں خواستن احساں بہ سائل کردن است

مکرم بہن آج "نقوی صاحبہ کی "سفینہ نوازیاں" اب اس حد کو پہنچ چکی ہیں کہ ہمیشہ بے ساختگی کے عالم میں یہ شعر وردِ زبان رہتا ہے ؎

من از مروّتِ طبع کریم فہمیدم   کہ آب گشتنِ بحر ایں قدر ز شرم سخاست

اس دفعہ میری مخلص نواز بہنوں میں ایک اور محترم بہن کا اضافہ ہوا ہے۔ میں محترمہ مسز مولوی فیض الدین صاحب رضا (مدد مہتمم تعلیمات صوبہ بیدر) کی ہمدردیوں کی شکر گزار اور لطف و کرم کی رہینِ منت ہوں یقین ہے کہ بہن موصوفہ کی ہمدردی حقیر سفینہ کو بامِ رفعت پر پہنچا کر رہے گی۔

اکثر بہنوں کو شکایت ہے کہ ان کے خط کا جواب بر وقت نہیں ملتا۔ ایسی بہنوں کی خدمت میں التماس ہے کہ براہ کرم جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ٹکٹ ارسال فرمایا کریں۔ میں نے بطور خاص انتظام کر دیا ہے کہ ایسے خطوط کا فوراً جواب بھیج دیا جایا کرے۔ (مدیرہ)

معزز معاصرین نظام گزٹ (ہفتہ وار) رہبر دکن (روزنامہ) اور انڈین اسٹیٹس اینڈ زمینداریز (ماہوار) (Indian States & Zamindaries.) کا سفینہ شکر گزار ہے جنہوں نے اس ادبی رسالہ کو اپنی صف میں جگہ دیتے ہوئے اس کا پرخلوص خیر مقدم کیا ہے۔ اور ہر ممکنہ اعانت سے "ادارہ" کی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔
میں اپنے کرم فرما مولوی سید وقار احمد صاحب (ایم۔ اے۔ ایل ایل بی) اور مولوی محمد حبیب اللہ صاحب رشدی (ایم۔ اے) مدیرین نظام گزٹ (ہفتہ وار) کا شرمندۂ احسان ہوں کہ جن کی بعض بر موقع ہمدردیاں اور اعانتیں حقیر "سفینہ" کی شاملِ حال رہیں۔ میری احسانمندی اور شکر گزاری کا یہ بے مایہ تحفہ یقین ہے کہ عنایاتِ پیہم کا حریف ہوگا ———

(ناچیز) اختر قریشی
منیجنگ اینڈ اسسٹنٹ ایڈیٹر

ڈی شین
کا
وائی ٹو فوڈ

(مرد، عورت اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے)

(۲)

وائی ٹو فوڈ گوشت کی نسبت آٹھ گنا زیادہ مقوی ہے

کمزور لوگوں کے وزن میں اس کے تین ہفتہ کے استعمال سے (۷) پونڈ کا اضافہ ہوا ہے اور نو دن کا استعمال ۴ پونڈ وزن بڑھاتا ہے۔ انسانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے رگ پٹھوں کی ساخت کی خاطر "ٹیل سالٹ" کو مناسب غذاؤں کے ذریعہ مہیا نہیں کرسکتا تاکہ اس کے جسمانی ضروریات پوری ہوں اور دنیا میں انسانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنی مرغن اور ثقیل غذا کو بخوبی ہضم نہیں کرسکتا۔ پس ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنی ضروری غذا کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کھاتے ہیں اس کو بخوبی ہضم نہ کرسکنے کی وجہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ اس لئے یہ لازمی ہوگیا کہ جسم انسانی کو مصنوعی ذرائع سے جو قدرتی کے بالکل قریب قریب ہوں یہ غیر نباتی نمک مہیا کئے جائیں۔ یہی "وائی ٹو فوڈ" کا عمل ہے۔ چنانچہ بچوں کیلئے ضعیف اور ناتوان کیواسطے وائی ٹو فوڈ ایک بہترین غذا ہے۔ اوپر کے دودھ پر پرورش پانے والے بچوں کے لئے بھی یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بیماروں کے لئے ایک بہترین غذا ہے۔ اس کا استعمال دق اور اس کے مماثل دیگر امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ مرض کی حالت میں اس کا استعمال مریض کے جسم میں سل رفانہ کی عاملیت کو بڑھاتا ہے جس کی بدولت مریض جلد صحت پاتا ہے۔

قیمت:- فی ڈبہ خورد ۸/ بذریعہ وی پی ۱۲/ ڈبہ کلاں عہ/ بذریعہ وی پی عہ ۱۲/ ہر مشہور دوافروش کے پاس سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

جے اینڈ جے، ڈی شین

رزیڈنسی روڈ متصل اسلیہ تھیٹر حیدرآباد دکن

صاحبزادہ مہکش آغائی کا اظہار حقیقت

(۲)

ہر چند روغن گلبہار کے متعلق توصیفی سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ان گنت محبان وطن نے اپنے تجرباتی فوائد سے پبلک کو اطلاع دی ہے تاہم حقیقت آشنا دل مانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور عبارت آرائی کہاں چھوٹا منھ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو ید قدرت نے سحر قدرت سحر آفریں اعجاز ودیعت فرمایا ہے جہاں اس کی نکہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اسکی تاثیر بھی عدیم النظیر مشاہدہ شاہد ہے کہ اسکے استعمال نے بال گرنے موقوف کر دئے درد سر زائل کردیا تکلیف و تکان دور کر دی اسکی عطر افشاں خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی دماغ کیلئے فرحت و سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ اس کے موجد ملکی ہاتھ ہیں۔ یہ ایجاد بلا مبالغہ موجد کے لئے باعث صد فخار و ناز ہے تو ملک کیلئے سرمایہ ناز روغن گلبہار سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں امداد جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہو سکتی ہے جس قدر ذکور اہل ملک اور محبان وطن کا فرض ہے کہ وہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک ایسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کردیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہونگے۔ ان اصحاب مخلص کا شاکر ہوں جنہوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام ہیر آئیل کے ہر ملیا اثرات سے محفوظ رکھا جنکی طوفان بے تمیزی حشرات الارض کیطرح دن دونی رات چوگنی زیادتی پر ہے۔

المشتہر

منیجر گلبہار کمپنی ــــــ افضل گنج حیدر آباد دکن

would take an interest in them, after they go out to work and only send them to suitable houses. They should go to Indian homes which would adopt themselves and their rooms to meet the new requirements treating the nurses properly, thus ensuring the progreess of the State from within the family.

I hope we shall soon be able to call together a Committee of ladies to discuss this suggestion, and to examine all the difficulties which stand in the way of the fulfilment of this idea.

In closing I would like to say as forcibly as I can that I hope that the advancement in education of women in India will not do anything to take away the charm and individuality of Indian ladies. Nothing is so tragic as the elimination of personality. Your object is not for you to become westernized but to rise to your full stature and carry the lamp of your Indian personality high for all the world to see.

moment the children are a few weeks old and let the inspiration of these things come from *you.*

You have got to put the right ideas into the child's mind from the very start You must be your children's friend and companion always their ideal and inspiration and guiding star.

And I appeal to you to train and educate your *yung servants* Concentrate on making them teachable when they are young and turning them into good nursery nurses. and good honse maids, with a real knowledge of hygiene and cleanliness.

You can do anything with them if *you start young enough* Don't let them get grow into dirty ignorant old women with habits that cannot be eradicated later.

INDIAN NURSES.

What we want are Indian nurses and Indian governesse s for Indian children—and it is up to you to make your homes fit places for a girl with highideals and educational qualifications to go into.

You cannot progress unless you do this.

At present there are no Indian nursery nurses; and bitter is the need for them.

But it is proposed to start a college here in Hyderabad on English Nursery College lines, under the guidance of a Princess Christian or Norland Nurse, with orphan babies and small children to fill the model nurseries.

I hope that you will all give this proposal your support. Because I feel sure as it will be so very much to your advantage and you will reap so many benefits from it

The suggestions for starting Nursery College are —

1. That the students should be a small number of girls, most carefully selected.

2 The Principal to be a trained, Nursery College nurse with another Nursery College nurse also to work under her.

3. That babies and young children from Orphanages or poor homes should live in the College as boarders and to be brought up by right methods in model nurseries.

4 That the nurses training should consist of practical and theoretical work and the training should last 1½ to 2 years The nurses would live in the College as boarders.

5 And also it is proposed (and this is very important) that the salaries of nurses must be adequate to ensure the right kind of nurse undertaking the work. Parents must now realize that the time has come when the expenditure on useless luxuries must be cut down to give place to expenditure on the upbringing and health of the child.

The nurses would be picked Indian girls from convent schools and orphanages, selected for outstanding good character, health, intelligence and general suitability. They would be under the wing of the College who

VALUABLE VIEWS ON BUILDING THE FUTURE GENERATION

I have the honour to publish, in these pages, the speech made by the Hon'ble Lady Keyes, on the 23rd September 1932, at the Women's Association for Educational Advancement held at the Hyderabad Residency. It gives me much pleasure to say, that Lady Keyes is taking a keen interest in the cause of Women's Education, and I am sure, in a very short time, it will be seen that none of us will remain un-educated, specially the women in general. With a glance around the awakened world, it will be clearly known that they are adopting some special methods for training the newly born generation ; and Lady Keyes' views are the same, that we should also follow the same methods for the protection of the coming generations.

Before closing her speech the Hon'ble Lady says :—

"..................your object is not for you to become westernized, but to rise to your full stature and carry the lamp of your Indian personality high for all the world to see."

In fact there is a great deal of good things, and hundreds of valuable views in the following lines, which would throw immense light, if we all try our best to follow them. It would be for our good, and for the betterment of the generation. Betterment and welfare of the generation means, success for the motherland.

I have translated the whole speech in the Vernacular (Urdu) and the same will appear in this Magazine very shortly. Before ending this note, I have to thank heartily "The Hon'ble Lady Keyes", on behalf of the Board, for the honour bestowed upon my humble Magazine, "Safina-i-Niswan". And hope that Lady Keyes would graciously let me have the honour of publishing her valuable notes and articles in this humble Magazine (as promised) which is the only of its kind, in the whole Deccan, devoted merely for the welfare of the Ladies and girls.

(Begum) SADIQA QURAISHI,
The Editoress.

IT gives me great pleasure to preside at such an important Conference, and I am very glad indeed to have the opportunity of speaking on the subject of the education of women in this State.

But instead of talking abont Educational Advancement, what I really feel impelled to do is to go back to the beginnings of all education, because I feel so strongly that the education of girls is not being built on the right foundations We are building the house before the foundations are firm.

What is this foundation upon which the whole superstructure rests ? It is the Home. And who is the corner-stone of the Home?

The mother. She is the support upon which the whole building is raised Will the building not fall down if the foundations are not properly laid ?

Mothers have the power in their own hands from the very start,— to use badly or well.

So in the stress of the battle for the education of women in India I do want to say something about the Home and about the important part the mothers play in it. Every woman's home is the growing place for the new generation,— and the next generation is—India.

What is being done about it?

Well, as far as I can see since I arrived 18 months ago, the purdah ladies of Hyderabad are sinking in a sea of deadly apathy.

You come to committee meetings, you send your children to school,—but you do not realize *your own great importance*, and the *tremendous* power you wield. You seem to follow the line of least resistance.

Now I want to talk particularly to you Begum Sahibas and Ladies who have daughters of their own I implore you all to wake up and to realize your importance

To begin with, I think you are inclined to leave all the responsibility to others,— to school authorities; to ignorant ayahs; to doctors called in when the children are ill.

You do, thank God for it,—realize that your girls must be educated,—but having sent your children to school you think that there your responsibility ends.

You must not rely on school and outside influences alone for education They have their tremendous uses,—but the Home is where character is formed. The Home is the place where all the right influences should be found, and where the health of the child should be built up.

All educationalists agree that the first 7 years of a child's life are the most important Nothing that happens afterwards has such an effect on its character and health as the impressions and habits of these early years.

Now what have you been doing in your homes to ensure that the beginning of your children's lives are all they should be.

In making a garden we must first pull up all the weeds and prepare the soil before we plant the flowers; and so the most important thing you can do to begin with is to try to weed out all the influence round your children that are harmful.

What I consider the most harmful influence for your children is the type of ayah to whom you entrust them. I am told by the mistress of schools that the ayahs who take the children to school use such bad language in speaking to the children that it is perfectly disgraceful, and the children learn to use words they should never know. I have heard only last week of one case where a child from a good home was heard to use the most dreadful language that she could only have picked up from servants If the child's parents could have listened to the language they would have been terribly shocked.

Bad ayahs must be responsible for a lot of preventible illness amongst children through dirty preparation of food etc. I even know of one case where a child was blinded; and this was traced to an ayah wiping his eyes with the end of her dirty sari.

Even the most aristocratic mothers sometimes have no idea of the necessity for cleanliness, and the awful results of dirt and superstition. Superstition is like an evil witch barring the way to progress.

Nothing has impressed me more since I came to the Indian States than the contrast between the lavish expenditure in rich homes and palaces on the one hand the very low type of servants employed. Beautifully dressed children wearing priceless jewels are in the charge of repulsive old women that

no good mother ought to allow near her children

These ayahs have no training, no ideals, no morals; and the consequence is that they poison the childrens mind.

They speak to the children in a rude way, and not only hamper the children, but they encourage them in bad habits, often encourage them to show temper and to be greedy etc.

Cannot something be done to alter this dreadful state of things? It is not necessary to come out of Purdah to do so. In fact a Purdah lady has so much more leisure and opportunity. She *must* shoulder her responsibility.

So few hours are spent at school, compared to the time spent at home that it shows that the mothers and fathers have the greater opportunities; and the greater responsibility

As things are at present in the Home the children are either spoiled and live in an atmosphere of no rules at all, or they are ruled by fear—Ruling by fear leads to a lack of moral courage in the child

This leads to another very important point which is that the discipline taught in schools is to a large extent undone when the child returns to its home surroundings

Now shall we see how the mothers can support the work of the mistresses at school.

I have been told that schools are used unfairly by teaching the children to regard them as places of punishment.

This is not fair to the schools.

It is I fear a common-place that when a child is naughty at home a message is often sent with the child "to please beat so and so."

It is therefore easy to see that there is a crying need for home discipline, which brings us back again to the question of the ignorant untrained ayahs who surround your children. These are the chief causes of the lack of discipline in the homes.

I cannot speak to you too *earnestly* on the subject of the large numbers of common ignorant women servants who fill up your homes.

They are the great barrier to all progress. You will *never* have a proper atmosphere for your children, unless this evil is done away with. You must make a fight against it.

We hear a great deal about the enfranchisment of women now-a-days and I would like to ask you to remember that enfranchisment means 'making free'. How will the giving of votes make you free if you remain slaves to the bad old customs in your Homes. It is from these that you must free yourselves and your children.

It is especially young mothers that I would say; use your energies and your brains and your money to make your Home something so wonderful and so happy and so full of interest that your children will be fortified for life by having been brought up in it.

You can do it if you wish You have only to want it very much—and then to try.

Make it a place where the children learnto be brave and honest, and to tell the truth, and to have strong characters;—let education come from within the home from the very

VALUABLE VIEWS ON

BUILDING

The Future Generation

By

HONOURABLE

THE LADY KEYES.

THE RESIDENCY BOLARUM HYDERABAD-DN

Specially sent to:

"SAFINA-I-NISWAN"

HYDERABAD-DN.

محرم نمبر
ماہنامہ
سفینۂ نسواں
حیدرآباد دکن
مدیرہ
صادقہ قریشی
قیمت ۸ ر

۱۔ سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ تاریخ تک شایع کیا جائیگا۔

۲۔ اگر ۲۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائیے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر ہر ماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہو کر پابندی وقت کے ساتھ شایع ہوگا۔

۴۔ زرمعاوضہ عوام سے سالانہ للعہ ششماہی عہ اور فی پرچہ ۶ آنہ مقرر ہے نمونہ کے لئے ۶ آنہ کے ٹکٹ بھجوائیے۔

۵۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیکر کارکنانِ دفتر کو مرہونِ منت فرمائیے۔

۶۔ جوابطلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

۷۔ ترسیل زرمعاوضہ اور جملہ استفسارات بنام "مینیجر سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے۔ ناقابل اشاعت مضامین خرچۂ ڈاک وصول ہونے پر واپس کئے جائینگے۔

۸۔ چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی صلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجا لانے کیلئے جاری ہوا ہے، **لہذا** ادارہ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شایع کرنیسے احتراز رہیگا۔

۹۔ اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائیگی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لئے جو تذکرہ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں۔ سفینہ معقول زرمعاوضہ ادا کریگا۔

۱۱۔ ادارۂ سفینہ کو بر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہیگا۔

"مینیجر"

مزار شریف سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

شاہست حسین بادشاہست حسین
دین است حسین دین پناہست حسین

سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

"محرم نمبر"
ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By Courtesy
The Nizam Gazette

۱۔ سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ تاریخ تک شایع کیا جائیگا۔

۲۔ اگر ۲۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائیے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۶۴ صفحات پر ہر ماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہوکر پابندی وقت کے ساتھ شایع ہوگا۔

۴۔ زرمعاوضہ عوام سے سالانہ ۴ روپیہ، ششماہی ۲ روپیہ اور فی پرچہ ۶ آنہ مقرر ہے نمونہ کے لئے ۶ آنہ کے ٹکٹ بھیجنا چاہئے۔

۵۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیکر کارکنانِ دفتر کو مرہون منت فرمائیے۔

۶۔ جوابطلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

۷۔ ترسیل زرمعاوضہ اور جملہ استفسارات بنام "مینیجر سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے۔ ناقابل اشاعت مضامین خرچہ ڈاک وصول ہونے پر واپس کئے جائینگے۔

۸۔ چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی صلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجا لانے کیلئے جاری ہوا ہے، لہذا ادارہ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شایع کرنیسے احتراز رہیگا۔

۹۔ اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائیگی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لئے جو تذکرۂ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں۔ سفینہ معقول زرمعاوضہ ادا کریگا۔

۱۱۔ ادارۂ سفینہ کو بر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہیگا۔

"مینیجر"

دولت آصفیہ اور بیرونجات میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ تفصیل طلب امور کے لئے "مینیجنگ ایڈیٹر" کو مخاطب فرمائیے)

مزار شریف سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

"محرم نمبر"
ماہنامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By Courtesy
The Nizam Gazette

مسجد کاظمین شریف

"محرم نمبر"
ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By Courtesy
The Nizam Gazette

دار السلطنت دکن کا واحد نسائی آرگن ماہ نامہ

سفینۂ نسواں کا

محرم نمبر

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجمان

فہرست مضامین

بابتہ ماہ مئی و جون ۱۹۳۲ء — محرم و صفر ۱۳۵۱ہجری

صفحہ

فہرست تصاویر

اعتذار:- ہمیں افسوس ہے کہ بمبئی کے حالیہ فسادات کی وجہ اکثر بلاکس، شدید انتظار کے بعد بھی وصول نہ ہوئے۔
"ادارہ"

"سفینہ" بفضل خدا کامیابی کے اعلیٰ منازل طے کر رہا ہے، اُس کی ترقی کو میں ایک معجزہ سمجھتی ہوں جس فراخ دلی سے معزز بہنیں اس نونہال کی سرپرستی فرما رہی ہیں وہ میرے شکریہ سے بالاتر ہے کسے امید تھی کہ اس کی اسقدر مانگ بڑھ جائیگی۔ یقیناً میں تو اسکو اعجاز ہی سمجھونگی کیونکہ آجکل ہم پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے، خود فراموشی اور غفلت کا پورا پورا تسلط قائم ہے، اس حقیقت کی موجودگی میں کسی اخبار یا رسالہ کی سرپرستی ہونا اور وہ بھی اس کشادہ پیشانی سے کیا یہ کچھ کم حیرت انگیز بات نہیں ہے؟ میں اپنی تمام بہنوں کی شکرگذار ہوں، جو مجھے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کا موقع دے رہی ہیں یا اگر ملکی بہنوں کی امداد کی یہی رفتار رہی تو انشاءاللہ میں بہت جلد "سفینہ" کو پندرہ روزہ کردونگی۔ امید کہ "سفینہ" کی ہمدرد بہنیں اس خصوص میں اپنے خیالات سے مجھے مستفید فرمائیں گی،

اعانت

ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت

نے

اپنی عدیم المثیل سرپرستی علوم وفنون کے پیش نظر "سفینہ" کے ہدیہ کو قبول فرماتے ہوئے ازراہ اعانت اسکو ایک گرانقدر عطیہ سے سرفراز فرما کر سالانہ امداد کا وعدہ فرمایا ہے، ہز اکسلنسی کی یہ سرپرستی یقیناً "سفینہ" کو دریا کے پار لگائیگی۔ توقع ہے کہ آئندہ بھی یہ نونہال اپنے مربی محترم کی نظر عنایت سے کبھی محروم نہ رہیگا۔ ادارہ

"سفینہ" کا "محرم نمبر" پیش کرتے ہوئے میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتی ہوں کہ یہ بلحاظ مضامین اپنی نوعیت کا ایک "خاص نمبر" ہے۔ ان تمام مضامین کا جو یقیناً خونِ جگر سے لکھے گئے ہیں، گہرا مطالعہ کیجئے، اور سوچئے کہ

باقی بر صفحہ ٧٧ ملاحظہ ہو۔

OUR SUPREME MONARCH

حضور اقدس و اعلیٰ حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ

"ماہ نامہ سفینۂ نسواں" "محرم نمبر" By Courtesy
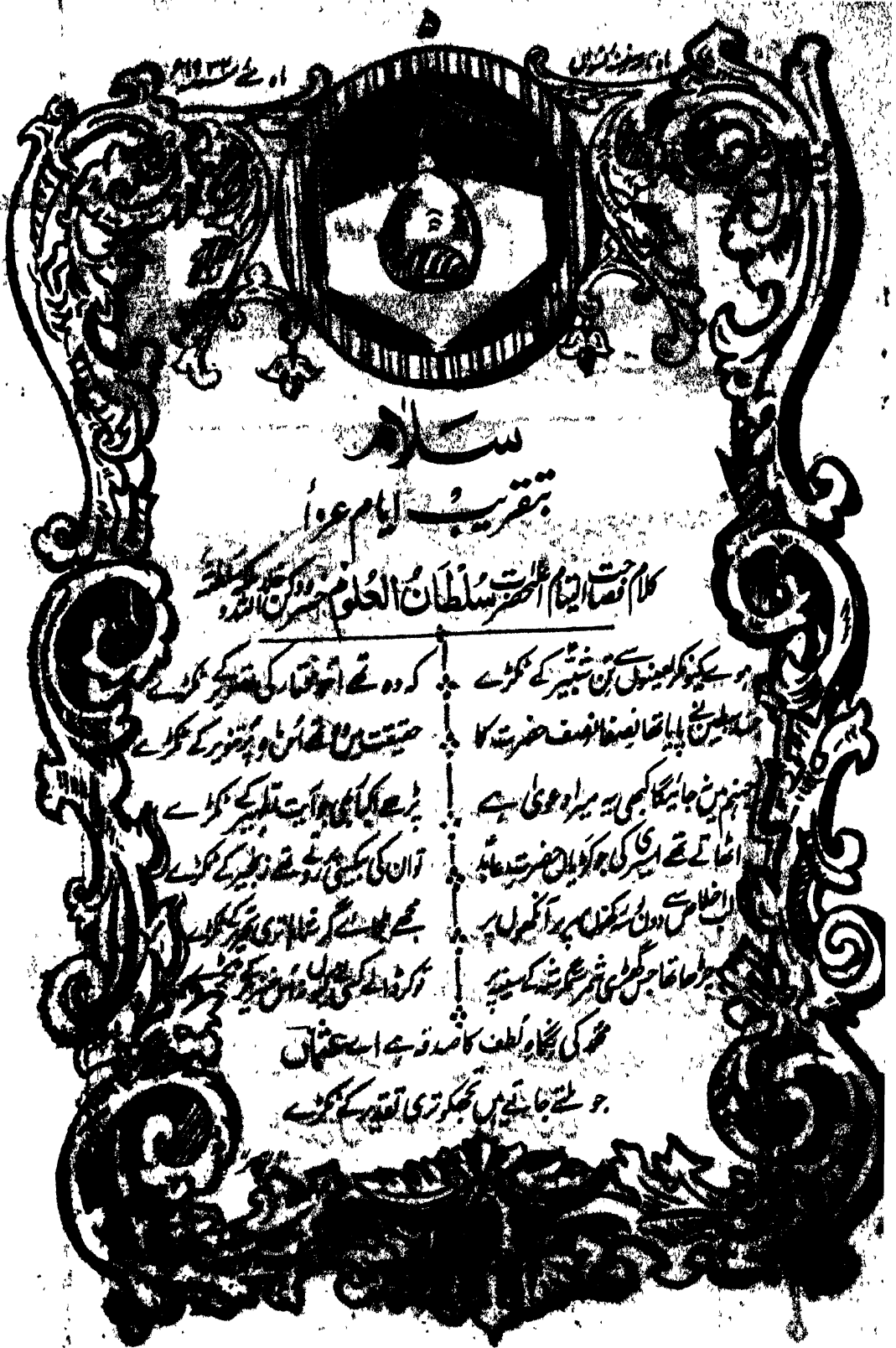
حیدرآباد دکن The Subhe-Deccan

سلام

از ہز ایکسیلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت

جو فدائی شہ کے ہیں شہ پر فدا ہو جائیں گے — خاکِ پا ہو کر رہیں گے تو تیا ہو جائیں گے

یہ بہن کہتی تھی رو کر حضرتِ شبیرؑ سے — آپ کے مرنے سے ہم سب بے ردا ہو جائیں گے

دیکھ لینا کس طرح بھاگے گی یہ اعدا کی فوج — جبکہ غازی عازمِ دشت وغا ہو جائیں گے

چاند پہ گر خاک ڈالیں اُس کا کیا نقصان ہے — رُو سیہ بدبخت شامی ناسزا ہو جائیں گے

ہے اگر بیڑا شکستہ خوف کیا طوفان سے — حضرت شبیر اُس کے ناخدا ہو جائیں گے

ہیں ابھی بچے مگر دشت وغا ہیں دیکھنا — حضرتِ عونؑ و محمدؑ کیا سے کیا ہو جائیں گے

لیتے تھے بوسے گلے کے مصطفےٰ شبیر کے — جانتے تھے یہ شہیدِ کربلا ہو جائیں گے

انقلابِ دہر دیکھو یہ گماں ہرگز نہ تھا — اہلِ بیتِ مصطفےٰ یوں بے ردا ہو جائیں گے

حاجتیں فضلِ خدا سے سب تری بر آئیں گی
شاد اب اجابت رو اسخن کتنا ہو جائیں گے

ہز اکسیلانسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت

"محرم نمبر"
ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدراباد دکن

By courtesy:
"Indian States" &
Zamindaries
Hyderabad.

ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت

"محرم نمبر"
ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By courtesy.
"Indian States" &
Zamindaries
Hyderabad.
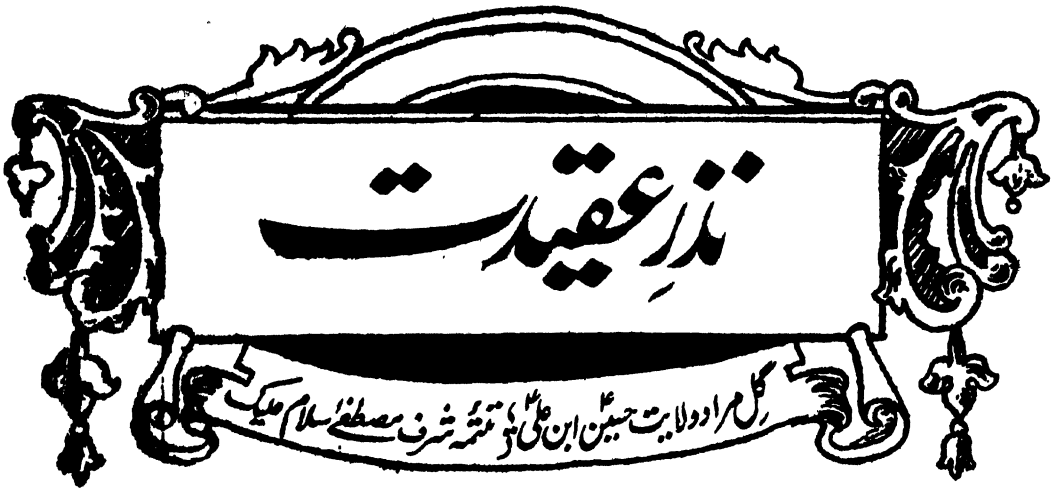
سلام ہو شرفِ محمدی کے اس تتمہ پر جس کی پیشانی اقدس سے شہادتِ کبریٰ کے نور نے ضیا پا کر شانِ رسالت کی تکمیل کی۔

سلام ہو اس پر جو دوشِ رسول کا راکب تھا۔ جس کی گہوارہ جنبانی پیکِ رب العالمین نے کی جس کی ماں کو سیدۂ عالم و عالمیان کا خطاب ملا۔ جس کے باپ کی شان میں تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی کائنات کا ایک ایک ذرہ عالمِ وجد میں جھوم جھوم کر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے ؎

"لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار"

سلام ہو شاہِ خیبر شکن کے اس فرزند کو جس کے قدموں پر جبرئیلِ امین کے پر کاٹنے والی ذوالفقار قربان ہوتی تھی۔ سلام ہو اس جانشینِ رسول پر جس کی جبینِ نورانی کو محمد رسول اللہ صلعم کا عمامہ سبز چومتا تھا۔ سلام ہو اس پیکرِ جلال پر جس کے بچپن کے معصومانہ جلال کو دیکھ کر فاتح روم و ایران بھی مبہوت ہو جاتا تھا[1]۔ سلام ہو اس شمشیر زنِ مجاہد پر جس نے تین دن کی بھوک و پیاس میں بھی اپنے مٹھی بھر

---

[1] اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف کہ ایک دن حضرت عمر ابن الخطاب مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے اتفاق سے حضرت امام حسین علیہ السلام کہیں کھیلتے ہوئے اس طرف نکل آئے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم میرے باپ کے منبر سے اترو اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ بند کر کے حضرت امام حسین کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور فرمایا۔ اے فرزندِ رسول یہ منبر تو بیشک تمہارے باپ کا ہی لیکن میں کہاں جاؤں میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں۔ یہ کہکر آپ نے راکبِ دوشِ رسول کو اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا جہاں آپ کنکریوں سے کھیلتے رہے

جاں نثاروں سے کفر و طاغوت کی فوجوں کے چھکے چھڑا دئے۔

سلام ہو اس پر جو نبیوں کے شہنشاہ سے ہے اور نبیوں کا شہنشاہ جس سے ہے[1] سلام ہو اس پر جس کے محبوب کو بارگاہ رسالت سے خداوند کریم کی خوشنودی کا پروانہ عطا ہوا[2]۔ سلام ہو اس پر جو دنیا میں ریحان رسول خدا[3] سلام ہو اس پر جس نے اپنے خون سے نسل اسلامی کو سینچ کر شاداب کیا۔

سلام ہو اس پر جس نے قصر ایمانی کو استوار و مستحکم بنانے کے لئے اس کی بنیادوں میں اپنے چھ مہینے کے شیرخوار لخت جگر کا خون قربان کیا۔ سلام ہو اس پر جس کی توصیف کا نغمہ ساقی چشت کے روحانی ساز پر اب تک فضائے لاہوتی میں گونج رہا ہے ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ ٭ دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید ٭ حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

سلام ہو اس پر جس کے رونے سے اس مدنی محبوب کا دل ہل جاتا تھا۔ جس کی دلنوازی خدا کو بھی منظور تھی[4] لیکن کربلا کی تپتی ہوئی سرزمین پر اس کا لہو پانی کی طرح بہایا گیا!

سلام ہو اس پر جس کے لعاب دہن کو رسول اللہ کھجور کے دانہ کی طرح چوستے تھے[5]۔ لیکن رسول کا کلمہ پڑھنے والوں نے شدید گرمی کے موسم میں اس پر پانی بند کیا۔ اور جب وہ اسی زبان کو اپنے خشک ہونٹوں پر پھیرتا تھا تو اشقیاء اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

سلام ہو اس پر جس کا نانا صاحب کوثر ہے۔ لیکن جس کو شدت تشنگی سے اپنے دم توڑنے والے شیرخوار بچے کا ہونٹھ تر کرنے کے لئے بھی دریائے فرات سے ایک قطرۂ آب نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

---

[1] ارشاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم "حسین منی و انا من حسین" [2] حدیث شریف "اللہم احب من احب حسینا" یعنے اے خدا جو حسین سے محبت کرے تو اس سے محبت کر (روایت حاکم و جابر بن عبد اللہ) [3] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہما ریحانی من الدنیا (بخاری شریف۔ روایت حضرت عبد اللہ ابن عمر رضؓ)

[4] ابن الاحضر یزید ابن ابی زیاد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ کے مکان پر تشریف لے گئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام رو رہے تھے۔ حضور رسالت مآب نے حضرت سیدہ سے خطاب فرمایا کہ تم اسبات کو نہیں جانتیں کہ حسین کے رونے سے مجھے اذیت ہوتی ہے"

[5] روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سلام ہو اس پر جس کے نانا کے سایۂ دامن میں دنیا کو قیامت کے دن سوا نیزے پر آجانے والے آفتاب کی حدت سے پناہ ملے گی۔ لیکن اس کا جسد بے سر میدان کربلا کے جھلسے ہوئے سنگریزوں پر کئی دن تک بے گور وکفن پڑا رہا۔ ؎

ان کو صحرا کربلا میں جو ستم دیکھا کئے
تیغ اعدا کو علم با صد الم دیکھا کئے

سلام ہو رسول اللہ کی کالی کملی اوڑھ کر بیٹھنے والے اس امام مطہر پر جس کے خاندان پر آیۂ تطہیر[1] نازل ہوئی۔ لیکن جس کے مقدس خاندان کی دامان قدسیت میں پروردہ خواتین کو شام کے بازاروں میں ننگے سر پھرایا گیا۔

سلام ہو اس پر جو نوجوانان بہشت کا سردار ہے۔ لیکن جس کے نوجوان بیٹے کا کلیجہ نیزۂ کفر کی نوکوں سے چھید اگیا۔ اور سلام ہو اس صبر مجسم پر جس کے دامن سے لپٹ کر کسی اٹھارہ برس کے شہید نوجوان کی بدنصیب ماں کہتی تھی ؎

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کہاں گیا؟ اماں کی زندگی کا سہارا کہاں گیا؟
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کہاں گیا؟ سیدانیوں کی آنکھ کا تارا کہاں گیا؟
مرتی ہوں اپنے سرو سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہ محمد کو دیکھ لوں!

سلام ہو اس مومن کامل پر جس کے شیر دل بھائی کے دونوں ہاتھ لب فرات پر کٹ کر گرتے ہوئے قصر اسلامی کے ستون بن گئے۔ سلام ہو عظمت اسلامی کے اس رکھوالے پر جس کے بھانجوں اور

---

[1] صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک دن حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ایک سیاہ بوٹے دار کمل اوڑھے بیٹھے تھے اتنے میں امام حسن رضی تشریف لائے آپ نے ان کو اپنی گلیم مبارک میں چھپا لیا تھوڑی دیر بعد حضرت امام حسینؑ تشریف لائے آپ نے انھیں بھی وہی کمل اڑھا لیا۔ پھر حضرت سیدہ علیہا السلام تشریف لائیں۔ حضور سرور کائنات نے انھیں بھی اپنی کمل میں لے لیا۔ آخر میں جناب امیر علیہ السلام نے قدم رنجہ فرمایا اور انھیں بھی اسی کمل میں جگہ دی اور اسی عالم میں یہ آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

بھتیجوں نے صبر و رضا کی دیواروں پر خون سے گلکاریاں کیں! سلام ہو اس شاہ اقلیم ہدایت پر جس کے پھول سے رخساروں پر شمر کے طمانچے کھانے والی معصوم بیٹی کی آہ شرربار نے نورانی قندیل بن کر تسلیم و ایقان کے شبستانوں میں اجالا کر دیا!!

سلام ہو عاصیوں کے سچے غمگسار پر جس کے لاشہ نے دشتِ عریاں میں ہو کر ع۔
اُمّتِ احمدِ مرسل کے گنہ ڈھانپ لئے۔

سلام ہو ارشاد و معرفت کے اس مرشد کامل پر جس نے اپنے سر بریدہ جسم کو مشعل بنا کر گم کردہ راہوں کو صبر و حق کی تعلیم دی۔! سلام ہو اس مفسرِ قرآن پر جس نے ولنبلونکم بشیٍٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات ؕ کی عملی تفسیر بیان کرکے بشارت عظمیٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ سلام ہو اس واقف راز الٰہ پر جس نے مومنین "بلاے حسن" کے معنی منکشف کئے

گھر علم خدا کا ہے سفینہ میں تمھارے
تفسیر میں کب ہے جو ہے سینہ میں تمھارے

سلام ہو اس سید مظلوم پر جس نے اپنی آنکھوں سے اپنے چھ مہینے کے لال کو پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں رگڑتے دیکھا! سلام ہو دشت نینوا کے اس بیکس مسافر پر جو اپنے تین دن کے پیاسے شیرخوار کو کلیجہ سے لگا کر قسی القلب دشمنوں سے کہتا تھا "اگر تمھارا مجرم ہوں تو میں ہوں اس معصوم بچے کی تو کوئی خطا نہیں۔ مجھے پانی تم شوق سے نہ دو۔ لیکن دیکھو دیکھو یہ چھ مہینے کا بچہ تین دن سے پیاسا ہے۔ ہونٹھ سوکھ گئے زبان تالو سے لگ گئی۔ منھا ڈھل گیا۔ اور دیکھو تو آنکھیں بھی پتھرا گئیں۔ پیاس کی شدت سے یہ بیگناہ دم توڑ رہا ہے۔ خدا جزائے خیر دیگا۔ اس مرنے والے کے منھ میں پانی کا ایک قطرہ ٹپکا دو۔"

سلام ہو اس غریب پردیسی سائل پر جس کے اس دل ہلا دینے والے سوال کا جواب مسلمان کہلانے والوں کی طرف سے ایک بلند قہقہہ تھا۔ نہیں نہیں صرف قہقہہ نہیں ایک تیر آیا اور دم توڑنے والے ننھے بچے کے خشک گلے کو چھید کر غم نصیب باپ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ قضا نے معصوم کو ایک

لہ آیہ قرآنی "ہم مومنین کی آزمائش کرتے ہیں بلاے حسن سے"!

ہچکی کی بھی مہلت نہ دی۔ منھ سے دو قطرے خون کے ٹپکے۔ گردن سے خون بہا بچے نے مٹھیاں بند کرکے گردن گھمائی اور باپ کی آغوش میں دم توڑ دیا۔

سلام ہو اس پر جو اپنے شیرخوار کی لاش آغوش میں لئے ہوے بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہا تھا "اے خداوند کریم میرے نانا کی امت کی بخشش کے لئے یہ حقیر قربانی قبول ہو" اور دوسری جانب ملعون حرملہ کی ملعون آواز فضا میں گونج رہی تھی کہ "اے حسین عرب! میں شام کا تیرانداز ہوں دیکھا میرا نشانہ؟ نہ کہو گے کیا تیر مارا ہے"!

سلام ہو اس غم نصیب باپ پر جو ننھے شیرخوار کو اس کی ماں کی گود سے پانی پلانے کے واسطے باہر لایا تھا اور اب بچے کی لاش لئے ہوے سوچ رہا تھا کہ اس کی ماں کو کیا جواب دونگا!

سلام ہو اس مقدس قبر بنانے والے پر جس نے اپنی تلوار سے ننھی سی قبر کھودی اور اس معصوم بچے کی لاش کو دفن کردیا جس نے پیاس کی شدت سے تین دن تک ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ننھا سا منھ کھول کر پانی کے لئے ایک ایک کی گود میں ٹہک ٹہک کر غم نصیب والدین کو خون کے آنسو رلائے تھے!

سلام ہو اس پر جسے اپنے شیرخوار لخت جگر کی ننھی سی تربت پر چھڑکنے کے لئے بھی پانی نہ ملسکا تھا۔

پانی نہ تھا جو شاہ چھڑکتے مزار پر
آنسو ٹپک پڑے لحد شیرخوار پر

سلام ہو صبر و رضا کے اس مجسمہ پر جس نے اپنی آنکھوں سے بستان رسالت کے ایک ایک نخل کو کٹتے دیکھا اور پھر حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ سلام ہو اس کوہ وقار فرزند رسولؐ پر جس کے اعزا، اقارب ایک ایک کر کے منصب شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ جو اپنے ناتوان ہاتھوں سے اپنے جانثار دوستوں اور عزیزوں کی لاشیں میدان جنگ سے اٹھا اٹھا کر لایا تھا۔ جس کی نمناک نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اب سوائے ایک نوعمر بیمار کے کوئی مرد تیغ ستم پر قربان ہونے سے نہیں بچا۔ جانتا تھا کہ میرے بعد بدنصیب بیداینوں کا وارث کوئی باقی نہ رہے گا۔ میرے بعد عترت رسولؐ کی خیمہ گاہیں پھونکی جائینگی اس سیدہ پردہ نشین کی بیٹیاں جسکا جنازہ بھی رات کے سیاہ پردے میں اٹھا تھا۔ بے مقنع و ردا باہر نکالی جائیں گی۔ میرے بعد شمر لعین طمانچے مار مار کر نادان سکینہ کے کانوں سے گہر بھی چھین لیگا۔ بیمار عابدؑ کی ناتوان گردن میں وزنی آہنی طوق پہنایا جائے گا۔ میرے بعد وہ ناتوان بیمار جس کو فرط

ضعف سے بستر پر کروٹ بدلنا بھی دشوار ہے۔ اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ پیروں میں آہنی بیڑیاں پہن کر اونٹوں کی مہار کھینچتا ہوا کربلا سے دمشق تک پیدل مسافت طے کرے۔ لیکن پھر بھی اس کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی!

سلام ہو صناع ازل کے اس شاہکار صبر و شکر پر جس کے دامن سے لپٹ لپٹ کر اس کی غم نصیب بیوی پوچھتی تھی ؎

بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار — بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین سوگوار
کچھ حق میں اس کنیز کے فرمائے جائیے — صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلائے جائیے

اور وہ اپنے مجروح ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کر کے کہتا تھا ؎

بے وارثوں کا والی و وارث الٰہ ہے — دیکھو ڈگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے
لٹنے میں صبر و شکر تباہی میں چاہیئے
رونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیئے

سلام ہو اس کریم ابن کریم پر جس کے در سے کبھی کوئی سائل محروم نہ گیا۔

سلام ہو ”واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا“ کی تفسیر بیان کرنے والے خیر مجسم پر جو ایک گلدستہ پیش کرنے پر کنیز آزاد کر دیتا تھا[1]۔ آج ایک بینوا سائل عقیدت و احترام کا گلدستہ لیکر بارگاہ عالی میں حاضر ہے۔ اس کی بھی حقیر نذر قبول ہو اور اس کو بھی آتش دوزخ سے آزادی کا پروانہ عطا ہو جائے اس کو بھی نفس امارہ کی غلامی سے آزادی ملجائے۔

کربلا کی جھلسی ہوئی زمین کو خاک شفا بنانیوالے امام! اپنا حقیر غلام بھی اس غریب الوطن سائل کا ہمنوا بن کر جس کے دامن کو آپ نے دامن دولت بنا دیا تھا۔ عرض کرتا ہے ؎

ماذا اقول اذا رجعت وقیل لی — ماذا اصبت من الجواد المفضل
وان قلت اعطانی کذبت وان اقل — بخل الجواد بمالہ لم یحسن

اے اس پیکر کرم کے لال! جس نے اپنے قاتل کے لئے بھی شربت بھیجا تھا اس وابستہ دامن غلام ابن غلام کا سلام قبول ہو اور اس کے حال پر بھی نگاہ کرم ہو جائے کہ رو سیاہ جیسا بھی ہے پرستار اہلبیت ہے تمہارا ہے اور تمہارا کہلاتا ہے۔

اختر قریشی (منقول)

---

[1] حضرت امام حسین کی خدمت میں آپ کی ایک کنیز نے پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا۔ آپ نے گلدستہ کو دیکھ کر بہت خوش ہو کر اس کنیز کو آزاد فرما دیا۔ حضرت انس نے عرض کیا کہ یا فرزند رسول ایک حقیر گلدستہ کے عوض ایسی بیش قیمت کنیز کو آزاد کر دینا مناسب نہیں۔ آپ نے جواب دیا [illegible] خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم کو تحفہ بھیجے تو تم بھی ویسا ہی یا اس سے بہتر بھیجو پس اس کے تحفہ کے عوض [illegible]

ٹپک کر اشک دیتے ہیں خبر ماہِ محرم کی
دھڑکتے دل سے آتی ہے صدا کا نوبہ ماتم کی

غمِ شاہِ شہیداں کی جو دل میں آمد آمد ہے
فغاں و آہ میں تیاریاں ہیں خیر مقدم کی

وہ چبھنا خار کا پھر یاد آیا ہائے عابدؑ میں
رگِ جاں میں خلش ہونے لگی پھر نشترِ غم کی

نہ کیوں اشکوں میں آئیں پارہ ہائے دل دمِ گریہ
انہیں بھی لوگ سمجھے زینت ہیں ہماری بزمِ ماتم کی

چمن میں جوشِ غم سے نوحہ خواں شاید ہوئی بلبل
ڈھلکتی ہیں رخِ گل پر جو بوندیں اشکِ شبنم کی

ہوا اصل علی ذکرِ علی اکبرؑ جو محفل میں
نظر میں کھنچ گئی تصویر سردارِ دو عالم کی

زہے قسمت کہ میں تیغِ غمِ سرورؑ کا بسمل ہوں
یہاں جو زخم ہے وہ خاصیت رکھتا ہے مرہم کی

یہ سنتے ہیں کہ وہ آہِ دلِ بیتاب زینبؑ تھی
ہلا دیتی تھی جو زنجیر بڑھ کر عرشِ اعظم کی

ترحم آ گیا تلوار رکھ لی میان میں شہؑ نے
گنہگارانِ امت پر نظر میداں میں جب دم کی

چلے جب جنگ کو اکبرؑ تو ان کے دستِ بازو پر
دعائے حیدری پڑھ کر امامِ پاک نے دم کی

جلیل اس کو کروں گا نذر میں شاہِ شہیداں کے
بھری ہے لعل و گوہر سے جو کشتی چشمِ پرنم کی
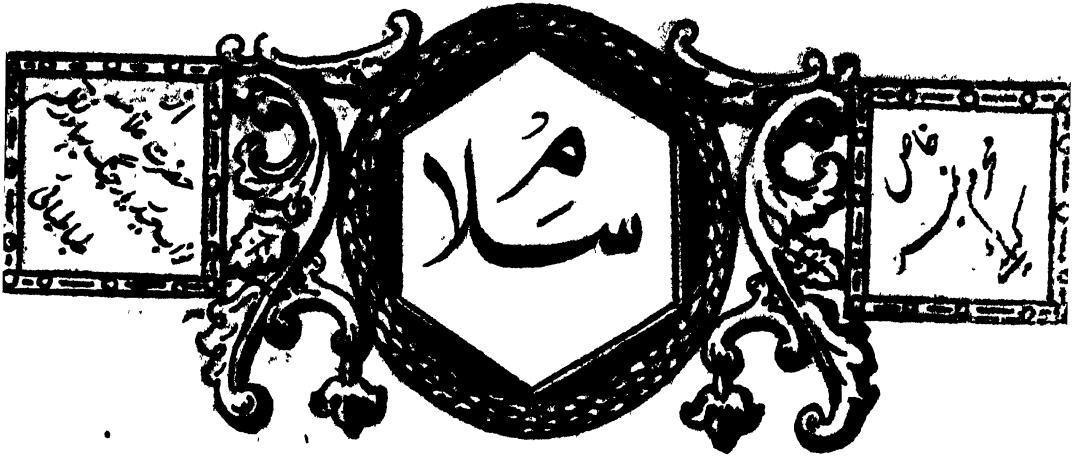
رونے سے جگر آب ہے اور دیدۂ تر آب
دل ڈوبے نہ کیونکر۔ ہے اِدھر آب اُدھر آب

جوش آگیا دریا میں جو عباسؑ کو دیکھا
تھا شور کے لو کھنچ کے چلا سوے قمر آب

ہوتی ہے غم شاہؑ میں یوں اشک کی رونق
جس طرح جلا دینے سے پاتا ہے گہر آب

شہؑ تیغ لگاتے ہیں عدو کھینچے ہیں خنجر
یہ تا بہ گلو خون ہے وہ تا بہ کمر آب

رحمت کا تری جوش ہے دوزخ سے زیادہ
تا حدِّ ادب نار ہے تا حدِّ نظر آب

چلاتی تھی ڈیوڑھی سے سکینہ کہ چچا جان
پھر آؤ نہیں مانگتی یہ تشنہ جگر آب

خاص برائے محرم نمبر ماہنامہ سفینہ شوال

واقعہ کربلا کے اجمالی جزئیات

از مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری

انسانی ضمیر پہ جب شقاوت و تنگ نظری۔ عدوان و عصبیت کی لعنتیں مستولی ہو جاتی ہیں تو حق و ناحق ۔ اچھے اور برے کا امتیاز قطعاً مفقود ہو جاتا ہے ۔ اور اس غیر مسعود جذبہ میں جب ملک گیری جاہ و تمول کی ہوسناکیاں بھی مشترک ہو جاتی ہیں تو انسان انسان نہیں رہتا۔ بلکہ وہ سبعیت مجسم اور بہیمیت سراپا بن جاتا ہے۔ یزید نے ایسی ہی ناپاک زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کیا جسکا ہر پہلو تاریک اور قابل نفریں ہے۔ وہ فطرتاً خبیث اور زنی الطبع تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حیات میں اُس کی خباثتوں پر پردہ پڑا رہا۔ لیکن حضرت موصوف کی وفات کے بعد یزید کے لئے کوئی روک ٹوک کرنیوالا نہیں تھا۔ اور اب وقت آیا کہ فطرت اپنے لوث معصیت سے فضائے دنیا کو مکدر بنا دے۔ ملک گیری اور خلیفہ بننے کی ہوس نے ان نقوش کو اور ابھار دیا۔ اور اس نے جب اپنے ماحول پر غور کیا۔ حکومت کی سیاسی حالت کا جائزہ لیا تو اس کو محسوس ہوا کہ خاندانِ رسالت پناہ (روحی فداک) تمام مسلمانوں کے اعتقادات کا مرکز اتصال بنا ہوا ہے اور اس مبارک خانوادہ کے اراکین کی عام مسلمانوں کے دلوں پر حکومت ہے۔ اور ارض اسلام کا ذرہ ذرہ اسی آستانہ کی طرف سر جھکائے ہوئے ہے۔ لھذا اُس کو بدباطن نے خیال کیا کہ اہلبیت نبوی کا اقتدار اُس کے اقتدار و اثرات کی منزل میں ایک سنگ گراں ہے لھذا پہلے اسی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ پھر اطمینان کے ساتھ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاسکے اور مسلمانوں کے لئے سوائے میری ذات کے کوئی ہستی قابل تعظیم اور لائق عزت نہ رہے

اسی جذبہ کی تکمیل میں اُس نے پہلا عملی قدم بڑھایا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیکر شہید کرا
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اصل وجہ کو اگرچہ یزید ملعون نے بہت کچھ اپنی سیاسی
مصلحتوں سے مخفی رکھنے کی کوشش کی اور وہ ایک حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا۔ لیکن ان
تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود یہ راز بغیر افشا ہوئے نہ رہ سکا۔ اس وجہ سے طبیعتیں یزید کی طرف
سے کھٹی ہو گئی تھیں۔ اور اعتقاداً اور فطرتاً عام مسلمانوں کو شہید مظلوم کے جانشین اور بھائی حضرت
امام حسین رضی اللہ عنہ سے خاص ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر یزید کی آتش غضب جو ابھی تک
سلگ رہی تھی بھڑک اٹھی۔ اور اس نے فریب دیگر تر۔ ویر وکید کے دام لگانے شروع کیے حضرت
امام حسین علیہ السلام کو کوفہ کے باشندوں کی طرف سے متعدد طلبی کے خطوط بھجوائے گئے۔
جناب امام نے حضرت مسلم کو نقیب بنا کر کوفہ بھیجدیا۔ اور خود بعد میں تشریف لیجانیکا وعدہ فرمایا۔
لیکن اہل کوفہ کی بدعہدی نے حضرت مسلم اور ان کے معصوم بچوں پر کوفہ کی وسیع و فراخ زمین کو
تنگ بنا دیا۔ اور یزیدی جلادوں نے اُن بیگناہوں کو شہید کر دیا۔ حضرت امام ان حالات سے
بے خبر تھے۔ حضرت مسلم کے ابتدائی خط کی وجہ سے جس میں اہل کوفہ کی گرویدگی اور رجحان کا حال
درج تھا بہت مطمئن تھے۔ اور ایفائے عہد کی خاطر مدینہ سے روانگی کا عزم فرما لیا۔ روضۂ رسولؐ
جا کر آنسوؤں کے آخری قطرے بہائے۔ قبر اطہر سے لپٹ لپٹ کر روئے۔ اور اس مقدس زمین کو
خیرباد کہا۔ جس نے حضرت امام کے بچپن کی بہاریں دیکھی تھیں۔ حضرت حسینؑ وہاں سے رخصت ہو رہے
تھے اور مدینہ کا ذرہ ذرہ بزبان حال کہہ رہا تھا ؎

اے تماشاگاہ عالم روئے تو ۔ ٭ تو کجا بہر تماشہ میروی ٭

یزید کو خبر مل چکی تھی کہ کوفہ کے لئے جناب حسینؑ روانہ ہو چکے ہیں۔ لہذا اُس نے اپنی فوج کے
قائد اعظم اور دیگر جرنیلوں کو حکم دیا کہ راستہ ہی میں جناب امام کو روک لیا جائے۔ اور اُن کے
سامنے دو چیزیں پیش کی جائیں۔ بیعت۔ یا جنگ۔ قرب کی گرمی خدا کی پناہ۔ جھلسا دینے والی
ہوا چل رہی تھی۔ زمین کرۂ ناربنی ہوئی تھی۔ ایسے جانگداز موسم میں شہنشاہ کونین کا پیارا نواسہ
مع اہل بیت اطہار ان سنگلاخ زمینوں کا سفر کر رہا تھا۔ گلستانِ نبوت کے نونہال گرمی کی شدت سے
بیتاب تھے۔ پھول سے رخسارے زرد پڑ گئے تھے۔ ان تمام تکالیف کے باوجود اس خیال سے

اطمینان تھا کہ کوفہ جا کر سب تکان دور ہو جائے گی۔ لیکن میدان کربلا میں جب یہ مبارک قافلہ پہنچا تو عساکر یزید نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور حضرت قافلہ سالار جناب امام حسینؑ کے سامنے دو چیزیں پیش کی گئیں بیعت یا جنگ شدید ابتلا کی ساعت تھی۔ بڑے امتحان کا وقت تھا۔ جان کی بازی تھی۔ زندگی کا سودا تھا۔ زیست کا معاملہ تھا۔ یزید کا خیال تھا کہ جان کے ڈر سے بیعت پر جناب امامؑ راضی ہو جائیں گے۔ لیکن یزید ضمیر کی لطافت اور احساسات کی پاکیزگی کھو چکا تھا۔ اُسے کیا خبر تھی کہ ایک سچے مسلمان کا سر کبھی باطل کے آگے نہیں جھکتا خواہ اُسکو اس سلسلہ میں کسی قدر قربانی کرنا پڑے۔ حضرت حسینؑ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ یزید پر خدا کی مار وہ اُس مقدس ہستی کو بیعت پر مجبور کر رہا تھا جس کی خاک گذر کے ذروں کو قدسی آنکھوں کا سرمہ بنانا باعث صد فخر خیال کرتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کو فوجوں کی کثرت سے مرعوب بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن مرعوب تو وہ ہوتا جو زندگی کو زیادہ عزیز جانتا ہو ـــــ جو شخص خدا کی راہ میں موت کو اصل بقا اور عین حیات سمجھتا ہو اُس کے مقابلہ میں اگر آسمان کی تمام بجلیاں پہاڑ کی چٹانیں اور دریا کی ہولناک موجیں بھی آجائیں تو اُس کا پائے استقامت ایک لمحہ کے لئے بھی متزلزل نہیں ہو سکتا۔ فرات کے قریب خاندان اہلبیت کے خیمے نصب کئے گئے تھے۔ اشقیا کی فوجوں نے مجبور کیا کہ دریا سے ہٹ کر خیمے لگائے جائیں۔ صبر و رضا کا امتحان تھا۔ ذاتی تکلیف و راحت کا سوال نہ تھا۔ خیمے فرات کے کنارے سے ہٹا لئے گئے اور دریا پر فوجوں نے قبضہ کر لیا مقصد یہ تھا کہ خاندان اہلبیت کو پہلے تشنگی کی مصیبت میں مبتلا کیا جائے فرات کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ گھوڑے اور خچر سیراب ہو رہے تھے۔ لیکن ساقی کوثر کے محبوب نواسہ کے لئے فرات کا مواج دریا خشک کر دیا گیا۔ بچے پیاس سے بیتاب تھے۔ زبانیں شدت تشنگی سے اینٹھ گئی تھیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دریا پر جا کر مشک بھر کر لانا چاہا۔ لیکن راستہ ہی میں اُن کو خاک و خون میں تڑپا دیا گیا۔ حضرت علی اصغر کو جناب امام نے فوج اشقیا کے سامنے کانپتے ہوئے ہاتھوں پر رکھ کر پیش کیا اور پیاس کا اظہار کیا۔ لیکن جواب میں اُدھر سے ایک تیر آیا جو معصوم کی گردن میں چھد گیا۔ اور پیاسی زبان نکال کر باپ کے ہاتھوں پر بیٹے نے دم توڑ دیا۔ شبیہہ رسول حضرت علی اکبرؑ کے نازک جسم کو تیروں سے چھلنی کیا۔ غمزدہ باپ، بیٹے کو گھوڑے پر نہ پاکر میدان کارزار میں

دیکھا کہ جوان بیٹا خاک و خون میں تڑپ رہا ہے۔ آخر اسی حالت میں بیٹے نے باپ کے سامنے دم توڑ دیا۔ پھر مسلم بن عقیل کے ننھے ننھے بچے جو ننھے رہ گئے تھے اماں کے ساتھ دو تین ہچکیاں لیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پتلیاں پھر گئیں۔ غرض چن چن کر ظالموں نے باغ رسالت کے پھول ان کو پریشان کیا۔ اب صرف تنہا جناب حسینؑ رہ گئے۔ جو حرم سرا میں آ کر غمزدہ بہنوں سے اجازت لیتے ہیں۔ حضرت شہر بانو کو تسکین دیتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدین کی پیشانی مبارک کو آخری بار چومتے ہیں اور میدان جنگ تشریف لے جاتے ہیں۔ یہاں تو اشقیا تلے ہوئے بیٹھے تھے! دیکھتے ہی ہزاروں تیر برسانے شروع کر دئے۔ جناب امام کا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔ زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ مردود شمر جو پہلے سے انعام کے لالچ میں موقع کا منتظر تھا جلدی سے حضرت امام کے قریب پہنچا۔ جناب حسینؑ نے سجدۂ شکر بجالانے کی اجازت چاہی۔ ابھی حضرت حسین سجدہ ہی میں تھے کہ بے رحم شمر نے خنجر کے بے صبری سے چند رگڑاوں میں سر مبارک کو جدا کر دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کیا اس لئے کہ اس مقدس واقعہ کی یادگار کو ماتم و شیون تک محدود کر دیں اور دو چار چیخوں کے بعد یہ سمجھ لیں کہ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ مسلمانوں کے لئے کربلا کا واقعہ ایک درس عبرت و موعظت ہے۔ کہ باطل کے روبرو کبھی جھکنا نہیں چاہیئے۔ خواہ اس سلسلہ میں بچوں کے گلوں پر چھریاں چل جائیں یا اپنا سینہ گولی کا نشانہ بنجائے۔

"دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان مرد عورتیں کس حد تک واقعہ کربلا کی عملی یادگار قائم رکھیں گے؟"

ماہر

رباعیات

از پنڈت راج نارائن ارمان دہلوی

لایا دنیا میں آب و دانہ اپنا　　در اصل نہ یہ گھر نہ ٹھکانہ اپنا
ارمان جاتا ہے اپنے مسکن کیطرف　　ہے گلشن قدس آشیانہ اپنا

صد شکر کہ تسخیر ہوا دل اپنا　　جلوہ نظر آیا ہے مقابل اپنا
ارماں ملا قرب الٰہی ہم کو　　اب قافلہ پہنچا لب منزل اپنا

خون میں طبعِ رواں! کچھ تو روانی چاہیئے ٭ گل فشانی تا کجا! اب خوں فشانی چاہیئے
استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں ٭ داستاں اب صاف لفظوں میں سنانی چاہیئے
پڑ چکے ہیں سیکڑوں، روحِ شہادت پر حجاب ٭ اب نقاب اس رانکے رخ سے اٹھانی چاہیئے
فتحِ حق پر، اشکِ حسرت کی روانی، تا کجا! ٭ اُٹھ! کہ اب باطل پہ خنجر کی روانی چاہیئے
شرم کر شرم، اے گروہِ ذاکرانِ مردہ دل ٭ تیرے دل میں ذوقِ نقشِ غیر فانی چاہیئے
جنکے سینوں میں ہو سوزِ تشنگانِ کربلا۔ ٭ اُن جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہیئے
قصرِ استبداد و بامِ جور پر مثلِ حسینؑ۔ ٭ خون سے اپنے تجھے بجلی گرانی چاہیئے
بستۂ زنجیرِ محکومی! خبر بھی ہے تجھے؟ ٭ مہر و مہ پر تجھ کو عزمِ حکمرانی چاہیئے
آہ اس محفل میں رقصِ مرغِ بسمل کا سماں!! ٭ جس جگہ تیغِ علیؑ کی پرفشانی چاہیئے
مرقدِ شہزادۂ اکبرؑ سے آتی ہے صدا۔ ٭ حق پہ جو مٹ جائے، ایسی نوجوانی چاہیئے
واہ کیا کہنا ترا! اے وارثِ تیغِ علیؑ! ٭ ہاں اسی جرأت سے حق کی پاسبانی چاہیئے
آفریں!! اے ہمتِ مردانۂ ابنِ رسولؐ۔! ٭ صاحبِ غیرت کو یوں ہی موت آنی چاہیئے
شاہؑ فرماتے ہیں، جا، لے جا، خدا کے نام پر ٭ موت جب کہتی ہے اکبرؑ کی جوانی چاہیئے
سن کے جس کا نام، نبضیں چھوٹ جائیں موت کی ٭ دین کے ساونت کو وہ زندگانی چاہیئے
عمرِ فانی سے تو برگِ کاہ تک ہے بہرہ مند ٭ مرد کو ذوقِ حیاتِ جاودانی چاہیئے
کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سا دینے کیلئے ٭ اے عزیزو! دین کی کھیتی کو پانی چاہیئے
جوشؔ! ذکرِ جرأتِ مولا پہ ادو سکے مرض ٭ رخ پہ شانِ فخر و نازِ کامرانی چاہیئے

حضرت امام حسین علیہ السلام کا صبر

از معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب (ایم۔بی۔سی۔ایچ۔بی۔اڈنبرا)

سفینہ کی ہمدرد اور میری معظم بہن محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب، ایم بی سی ایچ، بی، اڈنبرا) نے ذیل کا مضمون "محرم نمبر" کے لئے بھجوا کر "سفینہ" کی زینت کو بڑھا دیا ہے ہمیں اس عزت افزائی کے لئے محترمہ موصوفہ کی خدمت میں منجانب "ادارہ" عقیدت مندی اور شکریہ کا "نازک احساس" پیش کرتے ہوئے استدعا کرتی ہوں، کہ آئندہ بھی اس حقیر ماہ نامہ کو سرفراز فرمایا جائے۔

امیدکہ - کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ -

کے مصداق میری یہ استدعا، نظر انداز فرمائی جائے گی - "مدیرہ"

ہمیں چاہیئے کہ آپ کے اوصاف مشہورہ میں سے اُس صفت کا ذکر کریں جو روز ازل سے آپ کی ذات قدسی صفات کے ساتھ وابستہ تھی اور جو اپنے تمام اطراف و اصناف کے ساتھ آپ کی ذات مجمع الحسنات پر تمام ہوگئی وہ "صبر" ہے۔ اس خصوصیت صبر و ضبط میں کسی اور ہستی کا امام حسین علیہ السلام کے ہم پلہ موجود ہونا کبھی تصور میں نہیں آسکتا یہی وہ خصوصیت عظیم ہے جو امام مظلوم پر منتہی ہوئی۔ اگرچہ حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام و حضرت ایوب علی نبینا و علیہ السلام اپنے صبر میں یکتا تھے مگر امام حسین علیہ السلام کے صبر میں جو بات پائی گئی وہ کچھ اور ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے صبر کے مدارج میں پہلا درجہ تو اپنے گھر بار سے جدا ہونا اور اپنے جد امجد

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ سے چھوٹنا اور اپنے نانا کی قبر کی زیارت سے محروم ہونا اپنی والدہ محترمہ و بھائی کی قبر سے علٰحدہ ہونا اور اہل وطن کی مفارقت کا گوارا کرنا ہے۔ دوسرا صبر سخت گرمی میں سفر کرنا خصوصاً عرب کی گرمی جو مشہور عالم ہے اور وہ بھی ایسے مقام کی طرف جو نہایت گرم اور اُس کی ایذا کبھی انسانی دل نہیں اٹھا سکتا۔ اس پر بھی آپ نے محض خوشنودی خدا تعالیٰ کے واسطے صبر کیا اور اس سختی کو جھیلا۔ قادسیہ کی منزل پر پہنچکر یہ معلوم ہوا کہ کوفیوں نے آپ کے پیارے عزیز اور ایلچی حضرت مسلم علیہ السلام کو بوجہ سخت ایذاؤں کے ساتھ قتل کر دیا۔ ایسے جان نثار اور وفادار بھائی کا ایسے شدائد کے ساتھ مارا جانا سنکر آپ کا اس صدمہ پر صابر رہنا صبر کے عجیب و غریب مرتبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ کربلا میں پہنچ جانے کے بعد نہر پر سے آپ کے خیموں کا اٹھوایا جانا بالکل بے آب اور خشک مقام پر جبراً خیموں کا نصب کرانا۔ ساتویں محرم سے پانی کا بند ہونا اور یزید فاسق کی بیعت کا پیام برابر آنا اور حضرت کا اُس کی بیعت پر راضی نہ ہونا اور اس بات کو گوارا کر لینا کہ اگرچہ پیاس سے دم بھی نکلجائے مگر دامن شریعت رسولؐ نہ چھوٹے کیا کچھ معمولی بات ہے۔ نویں تاریخ مخالف کی چھ لاکھ فوج کا میدان جنگ میں جمع ہونا اور اس بات پر زور دینا کہ یا تو آپ یزید کی بیعت کریں یا لڑنے پر تیار رہیں۔ یہاں ان کے مقابلہ میں کل چند آدمیوں کا ساتھ حضرت کا بالیقین یہ جانکر بھی کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ یہ تھوڑے سے آدمی نہیں کر سکتے سب کو اس بات کی اجازت دینا کہ جس کا جی چاہے وہ میرا ساتھ چھوڑ کر چلا جاوے اور کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ کل فتح ہماری نہیں ہے۔ اور شمع گل کرا دینا کہ کسی کو چلے جانے میں حجاب نہ ہو یہ ایک ایسا عجیب و حیرت خیز معاملہ واقعات کربلا کے متعلق گذرا ہے جس نے ایسے وقت میں اپنے رفیقوں سے کہا ہو کہ تم لوگ میرا ساتھ چھوڑ دو اور مجھے تنہا رہنے دو بلکہ دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ ایسے موقعوں پر یہ فکر ہو جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی جماعت بڑھائی جائے۔ اور موجودہ اشخاص کا دل بڑھا کر دشمن کے مقابلہ پر آمادہ کیا جائے یہاں بالکل اُس کے برعکس ہے کیا یہ مصیبت پر صبر نہیں ہے اور کیا منشائے الٰہی پر راضی رہنا اس کا نام نہیں ہے؟ کیا خدا پر توکل کرنا اس کو نہیں کہتے؟

دسویں محرم ۶۱ھ ہجری کا روز عاشورہ اپنی تھوڑی سی جماعت جس کی تعداد بہتر سے زیادہ نہ تھی

جس میں متعدد بچے کمسن ناتجربہ کار بھوکے پیاسے آنکھوں میں پیاس سے حلقے پڑے ہوئے زبانیں سوکھی ہوئیں انھیں کو ہمراہ لیکر میدان جنگ میں ایک عظیم الشان لشکر کے مقابلے پر کھڑا ہوتا اور یزیدی فوج کا چند حملوں میں ایک ایک کر کے اصحاب کو قتل کر دینا اور سوائے عزیز واقارب کے تھوڑی ہی دیر میں کسی کا نہ بچنا اصحاب وعزیزوں کے قتل کے بعد اُن چھوٹے چھوٹے بچوں کا سرفروشی کے لئے رخصت طلب کرنا جن کو کس پیار سے گود میں پالا تھا۔ پھر ان کا لڑکر درجۂ شہادت پر فائز ہونا اور آپ کا دیکھتے رہنا کیا کچھ تھوڑا صبر ہے؟ جوان بھتیجے قاسم ابن الحسن علیہما السلام نے (جنھیں امام حسن علیہ السلام نے اپنی رحلت کے وقت آپ کے سپرد کیا تھا) میدان جنگ کی اجازت چاہی اور لڑکر درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ لاش گھوڑوں کی سموں سے پامال ہو گئی۔ حضرت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور شکایت کا کوئی لفظ زبان پر نہ لایا۔ کیا ادنیٰ سی بات سمجھی جاسکتی ہے؟ جوان بھائی عباس علمدار علیہ السلام کماندار فوج بنی ہاشم بے مثل بہادر زینت پہلو قوت بازو بلکہ قوت جان و دل جس کی زندگی پر حضرت کی زندگی کا مدار تھا جس کو بچپنے سے پالا کبھی آنکھوں سے اوجھل نہ کیا۔ اس کو میدان جنگ میں شرکت کی اجازت دینا اُس کا نہر پر بازو کٹانا اور فوج کی علمداری کا اس کے بعد خاتمہ ہو جانا اور پھر موقع قتل پر جاکر اس کو مچھلی کی طرح تڑپتا ہوا پانا اُسکا سر اپنے زانوں پر رکھکر پیار کے کلمات کہنا اور اُسی وقت اُس کی روح کا پرواز کر جانا کسقدر صدمہ انگیز ہے کیا کسی بہادر کا دل اس مصیبت پر تاب لانے کی قوت رکھ سکتا ہے کیا کوئی ایسا بنی نوع انسان ہے جو اس کی نظیر پیش کرسکتا ہے؟ حاشا وکلا اس بہادر بھائی کی شہادت کے بعد آپ کا نور نظر لخت جگر حسین و نوجوان فرزند جناب علی اکبر علیہ السلام جو صورت سیرت رفتار و گفتار میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ہی مشابہ تھا شہید راہ خدا ہو گیا۔ اللہ اکبر! کسقدر مصیبت عظیم ہے اسپر تحمل کرنا کیا کسی کا جگر ہے جو سہہ سکے۔ العیاذ باللہ!۔

ایک طرف حضرت عباس علیہ السلام شانے کٹائے ہوئے آرام کر رہے ہیں۔ دوسری طرف حضرت علی اکبر علیہ السلام قیامت کی نیند سو رہے ہیں۔ کہیں حضرت قاسم علیہ السلام ہیں کہیں عون و محمد علیہما السلام ہیں ایک طرف بہادران عرب آپ کے اصحاب بھی جام شہادت سے سیراب ہو کر حشر تک سونے کا قصد کئے غافل پڑے ہیں کسی کے بدن پر سر نہیں ہے کسی کے ہاتھ قلم ہو گئے

ہیں کسی کا سینہ برچھی سے گھائل ہے کسی پر سینکڑوں تلوار اور نیزوں کے زخم ہیں۔ تمام عزیز واقارب عون والنصار کے دوپہر تک شہید ہو جائینگے۔ بعد خیمہ اہلبیت رونے کی آواز آئی اور آپ دریافت حال کے لئے در خیمہ تک تشریف لے گئے معلوم ہوا کہ ننھے ننھے بچے حضرت علی اصغر علیہ السلام کا پیاس سے حال بُرا ہے آپ اُسی بچہ کو اپنے ہاتوں پر فوج اشقیا کے سامنے لے گئے اور فرمایا کہ اگر تم کو خیال ہو کہ میں اس بچے کے بہانے سے پانی پی لوں گا تو۔ لو میں اسے زمین پر لٹا دیتا ہوں تمھیں آکر اسے پانی پلا جاؤ۔ کیونکہ یہ بچہ بالکل معصوم ہے اور قابل رحم ہے اس کے جواب میں دشمنوں نے کہا ٹھہر و حسینؑ ہم ابھی اسے سیراب کئے دیتے ہیں۔ اور حرملہ کا ایک تیر مارنا جو اس بچے کے گلے سے پار ہو کر آپ کے بازو کو توڑ گیا اور بچہ منہ کھول کر اور سسک کر رہ گیا اور آپ دیکھا کئے اس مصیبت کو کس باپ کا دل اٹھا سکتا ہے کیا اُس کی آنکھوں میں عالم اندھیرا نہ ہو جائے گا۔ کیا اُس کے حواس باقی رہ سکتے ہیں۔ کیا سر پھوڑ کر نہ مر جائیگا۔ مگر واہ رے تحمل واہ رے ثابت قدمی! جناب علی اصغر علیہ السلام آپ کے ہاتوں پر شہید ہو گئے اور آپ شکریہ کے کلمات کہے فرمایا کہ الحمد للہ میں اپنے بار سے سبکدوش ہو گیا۔ یہ قربانی بھی قبول ہو گئی۔ مجھے خوف تھا کہ مبادا جس طرح حضرت اسمٰعیل علی نبینا کی قربانی کا ذوق پورا نہ ہوا کہیں یہاں بھی ایسا نہ ہو اور مجھ کو افسوس کرنا پڑے تیرا شکر ہے کہ تو نے اس ناچیز ہدیہ کو بھی قبول کر لیا۔ بھلا بتلائیے کسی باپ کا ایسا بھی دل ہے کہ بیٹا مارا جاوے اور آپ سجدۂ شکر بجا لائیں۔ بیشک کربلا کا جانگداز واقعہ ایک راز ہے۔ ایسا راز جسے قیامت تک کوئی فاش نہیں کر سکتا۔ صبر و شکر کی ایک اور مثال دیکھئے۔ آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ اور شمر لعین آپ کے سینۂ مبارک پر سوار ہوا تو حضرت کے لب ہائے مبارک کو حرکت میں دیکھ کر سمجھا کہ آپ اس شقی کو بد دعا دیتے ہیں۔ ملعون نے کان لگا کر سنا تو آپ فرما رہے تھے، "اے میرے رب اے میرے خالق تو فرما چکا ہے "اوفو بعهدی اوف بعهدکم" میں تو اپنا وعدہ پورا کر چکا مگر اب تیرے وعدہ پورا کرنے کا وقت ہے۔ اے میرے خالق میری شہادت پر میرے نانا کی امت کو بخش دے"۔ بخدا سچ بتلائیے کیا اب بھی کوئی حد باقی رہ گئی۔ حقیقت میں صبر و ضبط کی جس منزل تک حضرت امام حسینؑ پہنچے تھے، وہاں تک فخر نوحؑ و ذکریاؑ۔ افتخار ایوبؑ و یحییٰؑ بھی نہ پہنچ سکے۔ کیا امتحان کا کوئی پہلو اٹھا رکھا ہے۔ جس میں امام مظلوم نہ کامیاب ہوئے ہوں۔ خاصان خدا میں

کہیں ایسی مثال نہیں ملتی اور جناب آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام بزرگوں کے حالات اور واقعات پڑھ جیئے تو کہیں یہ خصوصیت نظر نہیں آئے گی۔ تمام دنیاوی مصائب وشدائد کا خاتمہ امام مظلوم پر ہوگیا۔

اے کاش! پھینکے جاتے جہنم میں ہم حسینؑ ÷ تم پر نہ ہونے تھے یہ جفا و ستم حسینؑ
ہوتے نہ ہم اگر الکش کے تیرے قلم حسینؑ ÷ ہم رہتے کاش حشر میں بے دستگیر ہی
رہتے وطن میں چین سے تیرے حرم حسینؑ ÷ ہوجاتے خاندان محبتوں کے سب تباہ
بخشش کو بس تمام پیچ ہیں تیرا قدم حسینؑ ÷ اقرار پر کٹا دیا سر تو نے یا امام

حضرت علی کے زرّیں اقوال

از جناب مرزا محمد باقر خانصاحب

خاموشی بہت سارے سوالات کا ایک جواب ہے۔

تقریر کی خوبی اسکا اختصار اور معقولیت ہے۔

بیان کی بہتری اس کے عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔

خاموشی انسان کی محافظ اور اس کے عیوب کی پردہ دار ہے۔

زیادہ بات چیت انسان کے وقار کو گھٹاتی ہے، اور عوام کی نظروں میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔

گفتگو ایک ایسی دوا کی مانند ہے جو اگر کم مقدار میں دی جائے تو مریض کو شفا حاصل ہو۔ اور زیادہ مقدار اس کی ہلاکت کا باعث بنے۔

جتنی مختصر گفتگو ہوگی اتنی ہی کم نکتہ چینی ہوگی۔

کہنے والے پر نظر نہ کرو بلکہ جو وہ کہتا ہے اس پر نظر رکھو۔

زندگی فانی ہے اور اس فنا میں حیات ابدی مضمر ہے۔

خواہشات میں اضافہ کرنا گویا اپنی زندگی کو برباد کرنا ہے۔

مرنے سے پہلے، موت کے خیال کو دل میں جگہ دو۔

موت انسان کو عالم فانی سے جدا کرتی اور عالم بقا سے ملاتی ہے۔

موت کی یاد ہمیشہ تازہ رکھنا دنیاوی کلفتوں سے نجات حاصل کرنا ہے۔ (ترجمہ)

چلا ہوں سوئے مدینہ اخترؔ دلِ شکستہ کی نذر لیکر ٭ یہ کیوں کہوں میں کہ میری فریاد آشنائے اثر نہیں ہے

امید میری امید کیا ہے، مآل ہے اُن کی بخششوں کا ٭ اگرچہ ہوں خستہ حال لیکن یہ بارِ غم روح پر نہیں ہے

تہی ہے دامن نظر پشیماں، گناہ کی تیرگی جبیں پر ٭ یہ سب سہی قلب اُن کے لطفِ عمیم سے بیخبر نہیں ہے

زمانۂ ناشناس نے وہ ستم کئے ہیں دلِ حزیں پر ٭ کہ از پئے نذر بھی تو باقی سوائے خونِ جگر نہیں ہے

حضور! ہر چند یہ نتیجے ہیں اپنی غفلت شعاریوں کے ٭ کہ دورِ گیتی کے اقتضٰی پر ابھی ہماری نظر نہیں ہے

مگر وہ احساسِ کامگاری ہے جس کی بنیاد ایں یقیں ہے ٭ کہ بہرِ خدامِ بارگاہی جہاں میں خوف و خطر نہیں ہے

جو اعتمادِ کرم کے گہرے نقوش سینوں سے محو کر دے ٭ زمانہ اتنی گراں نشینی سے آجتک بہرہ ور نہیں ہے

اسی نے دی شانِ بے نیازی اسی نے بخشا سکون کامل ٭ نہیں تو دنیا کی ہم عنانی، کچھ ایسی پیچیدہ تر نہیں ہے

حضور کے التفات پر ہے، اب ان غلاموں کی شرم رہنا ٭ جنھیں زمانہ تو اور شے ہے یہاں خود اپنی خبر نہیں ہے

بہار آئی بھی اور گئی بھی جلی بھی شمعِ طرب بجھی بھی ٭ قفس میں ہے دردمند بلبل اسے کچھ اسکی خبر نہیں ہے

وہی ہیں زینت کے ساز و ساماں وہی شفق ہے وہی ہیں خیاباں ٭ مگر نظر ڈھونڈتی ہے جسکو وہ آب و تابِ گہر نہیں ہے

اگرچہ ذرات نجد میں ہے نہاں وہی پیچ و تاب اب تک ٭ مگر خموشی بتا رہی ہے کہ قیس آشفتہ سر نہیں ہے

کبھی جو پامال خار و خس تک کو عنبریں کر کے چھوڑتی تھی ٭ وہی صبا گلفروش اب بھی ہے گو، مگر اسقدر نہیں ہے

سحر ہوئی آفتاب چمکا، حیات بیدار مسکرائی ٭ وہ ہم کہ اس بزمِ شب پرستی میں اہتمامِ سحر نہیں ہے

حسین کا واسطہ اب اٹھئے کہ ظلمتیں بڑھتی جا رہی ہیں ٭ غلام ہیں ڈوبنے کو، باطل کی ندیاں چڑھتی جا رہی ہیں
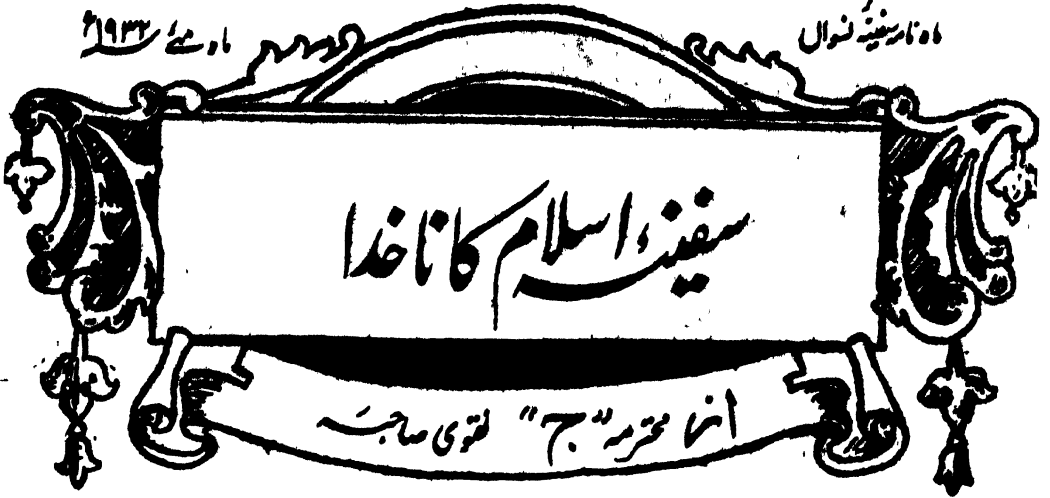
"حسینؑ"

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا؟ کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے!!

رسول اللہؐ کے اس برگزیدہ نواسہ کا نام سنتے ہی انسانی دل و دماغ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جس کا اظہار الفاظ میں بمشکل ممکن ہے۔ اور جس کی تعریف کے لئے نہ زبان میں یارا ہے نہ قلم میں طاقت۔ وہ ہستی، جس کی ذات پر خود رسول اللہ کو ناز تھا اور آپ جس کی شان میں فرماتے تھے "حسین منی وانا من حسین" جبتک کہ دور شمس و قمر کا سلسلہ ہے۔ دنیا کا ذرہ ذرہ عالم وجود میں باقی ہے۔ سیاروں کی گردش، دنیا کا نشیب و فراز، موسم کا تغیر و تبدل واقعات و حادثات کا مرور صفحہ ہستی سے ناپید نہیں ہوا۔ شہادت امام حسینؑ کی دلگداز داستان دلوں سے محو نہیں ہو سکتی! جس کے دل میں رسول اللہ کی محبت ہے اس کا دل حسینؑ کی محبت سے خالی نہیں رہ سکتا! جس نے آغوش نبیؐ میں پرورش پائی۔ جس کی محبوب ترین نشستگاہ دوش رسول رہ چکی ہو۔ جس نے آیات ربانی کی فضا میں سانس لی قرآن ناطق کے سایۂ عاطفت میں جس نونہال نے نشو نما پائی۔ جس کے چہرۂ انور کو ایکبار دیکھ لینے سے رسول اللہ کی ساری کلفتیں دور ہو جاتی تھیں۔ اسلام کے عمارت کی بنیاد جس کے خون سے مستحکم ہوئی۔ رسول اللہ کے لگائے ہوئے باغ کو

جس پر خزاں آچکی ہوتی، اگر حسینؑ اس کی باغبانی کا بیڑا نہ اٹھاتے۔ اسکو اپنے خون جگر سے نہ سینچتے۔ اس کی نگہداشت کے لئے اپنی اور اپنے سارے خاندان کی جان نہ دیتے۔ اسلام حسینؑ کی برگزیدہ ہستی کا مرہون منت ہے۔ جو لوگ اسلام کا سچا درد اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔ وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کا بانی حقیقت میں کون تھا۔ یہ کشتی ڈوب جاتی، ایک تنکے کا بھی اسکو سہارا نہ ملتا۔ یہ گلستاں اجڑ کر کھنڈر ہو جاتا۔ اگر حسینؑ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ جس کی عیش پرستی کا ڈنکا بجا ہوا تھا۔ جو دولت کے نشہ میں چور تھا۔ جو خدا اور بندگان خدا کے حق کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ جس کی نظروں میں بیت المال اپنی خود میراث تھی۔ اور جسکا تصرف یہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ احکام خدا کی جس کے نظروں میں کچھ وقعت نہ تھی۔ اگر امام حسینؑ اس کے ہاتھ پر بیعت قبول کر لیتے۔ اس کو خلیفہ مان لیتے تو آج اسلام نیست و نابود ہو جاتا۔ آپ نے دین اسلام کی خاطر دنیا کو خیرباد کہدیا۔ جسکی نظیر ملنی دشوار ہے۔ دنیا اب اگر ہزار بار بگڑ کر بنی تو بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ محرم ان کے لئے جو اس کے راز ہائے سربستہ کو بے نقاب کرتے ہیں اور اس کے باطنی پہلو پر غور و خوض کرتے ہیں اپنے اندر ایک قیامت خیز، ہنگامہ پرور جذبہ رکھتا ہے اور ان کے لئے بھی وہ کچھ کم ہیجان انگیز نہیں جو اس کی ابجد سے ناواقف ہیں! اس کے احساس کے لئے ایک رونے والی آنکھ اور ایک دکھے ہوئے دل کی ضرورت ہے۔ اس زبردست ایثار، اس بے مثل قربانی کا سبب کیا تھا۔؟ ایک سوال ہے جس میں ایک دنیا کا حل پوشیدہ ہے۔ آپ نے اپنی جان ایثار نفس، اتفاق و محبت، صدق و صفا کی راہ میں قربان کر دی۔ اس مقام کون و فنا کو ٹھکرا کر راہ خدا میں قربان ہو گئے۔ دنیا کی محبت اور دولت کی کشش ان لوگوں کو بھی جو رسول اللہ کے کلمہ گو تھے۔ حسینؑ سے برگشتہ کر دی۔ وہی لوگ جو رسول اللہ کا دم بھرتے تھے رسول اللہ کے پیارے نواسے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اور کس غربت و کس مپرسی کے عالم میں آپ کی جان لینے کے درپے ہو کر آپ کے قتل کی سازشیں کرنے لگے۔ اس داستان خونیں سے تاریخ کا ایک ایک صفحہ رنگین ہے سے

دو عالم نقد جاں در دست دارند
بہ بازار سے کہ سودائے تو باشد

آج اس واقعہ کو ہوکر تیرہ سو برس ہو چکے لیکن ابتک بھی اس جانکاہ واقعہ کا اثر ربع مسکوں میں باقی ہے۔ نہ صرف کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ اس غم سے آشنا ہے بلکہ صحرائے عرب کا بسیط حصہ بھی جہاں چوطرف سناٹا ہے۔ حسینؑ کے پیارے نام سے گونج رہا ہے۔ اس سے گذر کر ہر وہ رقبۂ زمین جہاں پر مسلمان آباد ہیں۔ حسینؑ کی ہستی سے اس طرح واقف و آشنا ہیں جسطرح رسول اللہ کی رسالت سے !!

اگر حسینؑ کا وجود نہوتا۔ اس مقدس ہستی کے پرتو سے دنیا کے ظلمتکدہ میں اگر کسی وقت نور نہ برتا تو آج اسلام کو کون پوچھتا؟ دین اسلام کا وہ چراغ جو ٹمٹمارہا تھا کبھی کا بجھ جاتا آج اس کی لگن میں خاک کی چنگاریاں بھی نہوتیں۔ رسول اللہ کا اسلام اصل میں حسینؑ کا اسلام ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

شاہ است حسین وشاہ شاہست حسینؑ ۔ ❊ دین است حسین دین پناہ ست حسینؑ
سرداد نداد دست در دست یزید ❊ حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ۔

دشت کربلا کا وہ دل ہلا دینے والا منظر۔ وہ تین دن میں سارے خاندان کی تباہی، وہ خاندان نبوت پر نزول مصائب، عترت رسول کی بے چادری و بےحرمتی، کیا دنیا اس الم انگیز داستان کو بھول سکتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے حقیقت، جس پر آسمان اگر قیامت تک روتا رہے تو بھی اس کا عوض ناممکن۔ ہاں جبتک آفتاب میں حرارت، قوس و قزح میں رنگینی، ستاروں میں جھلک شفق میں سرخی، آفتاب عالمتاب میں شعاعیں، چاند میں خنکی و روشنی، ابر میں سایہ، بجلی میں بیقراری اور چمک، پھولوں میں شادابی، اور مہک، چڑیوں میں چہچہے کلی میں خموشی، درخت میں وقار، پہاڑوں میں تمکنت، آبشار میں روانی، موجوں میں بےچینی و تڑپ، راتوں میں تاریکی یہ سب جبتک باقی ہیں اسوقت تک حسینؑ کی محبت ان دلوں سے فراموش نہیں ہوسکتی جو اس کی ہستی کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کے ایثار کا خیال دلوں کو حرص و ہوس سے بری۔ خود غرضی سے مستثنیٰ کر دیتا ہے صراط مستقیم پر لاکر کھڑا کر دیتا ہے دنیا کی محبت سے نفرت دلاتا ہے ایک شعلہ کیطرح زندگی کے چراغ کو بڑھا کر حوادث دنیا کے آگے چلے جانا اور خدا کے حکم سے اس کی نذر حوادث کر دینا، یہ سبق ہمیشہ کے لئے یاد رکھکر فنا فی اللہ ہو جانا — یہ تھا حسینؑ کی زندگی کا مقصد

ترا چناں کہ توئی ہر نظر کجا بیند ❊ بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک !

نواب سر سالار جنگ بہادر رئیس اعظم

''محرم ۱۳۵۱''
ماہ نامہ ''سفینۂ نسواں''
حیدرآباد دکن
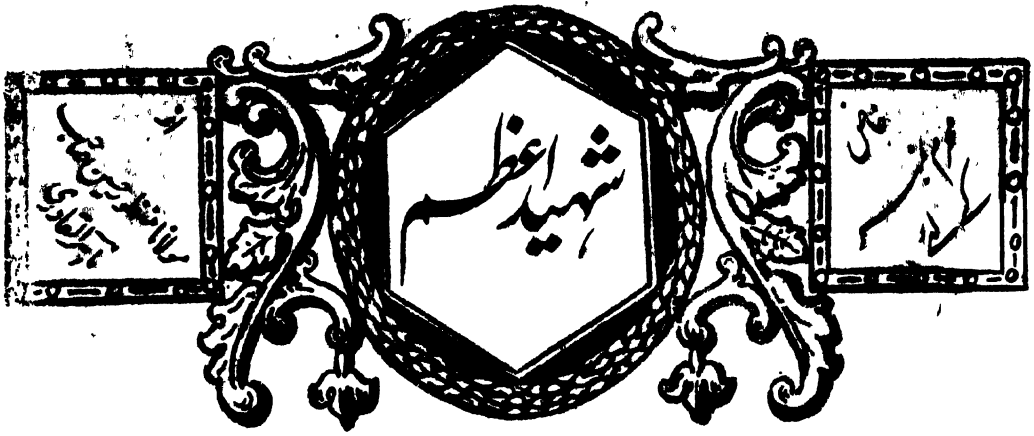
اے شہید کربلاؑ اے راحتِ جانِ نبیؐ ؛ نورِ چشم فاطمہؑ اے جوہرِ تیغِ علیؑ
اے سراپا جوشِ حق اے پیکرِ عزم و ثبات ؛ اے اساسِ زندگی اے مرکزِ نظمِ حیات
تیرے پائے استقامت میں ذرا جنبش نہ تھی ؛ لاشِ تڑپا کی اگرچہ اکبرِؑ مظلوم کی
تو نے کب باطل کے آگے سر کیا تھا اپنا خم ؛ اصغرِؑ گلرو کے ننھے سے جنازے کی قسم
خشک ہونٹوں نے ترے دریا بہائے صبر کے ؛ حق پرستی نے تری ویراں کئے ظلمت کدے
کربلا کی ریت فردوسِ حقیقت بن گئی ؛ آبشارِ زیست تیرے خوں کی اک اک دھار تھی
تیری خودداری نے کھولا دہر میں رازِ حیات ؛ ریت کا تودہ تری نظروں میں تھی موجِ فرات
موت کی دھمکی ڈرا سکتی ہے مسلم کو کہیں! ؛ تو نے بتلایا کہ "حق باطل سے دب سکتا نہیں"!
ایک اک ذرہ پہ تو نے کھینچ دی تصویرِ عشق ؛ کربلا کی خاک گویا بن گئی تفسیرِ عشق
تیرے افسانہ میں مضمر عظمتِ ہستی کا راز ؛ اک زمانہ ہے کہ تیری ذات پر کرتا ہے ناز
فاتحِ ملکِ جفا اے کامگار و ارجمند ! ؛ تو نے سطحِ زندگی کو کر دیا کتنا بلند!!
بارک اللہ! دولت دنیا کو تو سمجھا حقیر ؛ سچ تو یہ ہے تیرا منت کش ہے انسانی ضمیر

تیرا افسانہ سکونِ قلبِ پریشاں کیلئے
تیری قربانی سبق ہے اہلِ ایماں کیلئے

"حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ"!

از محترمہ "ع ب" صاحبہ
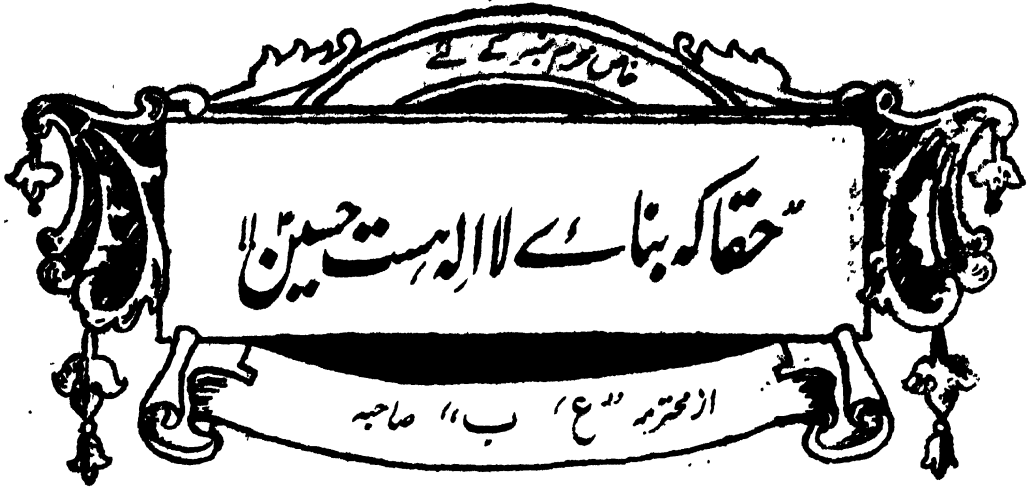
جناب رسالت مآب کو وفات پائے ابھی نصف صدی کا زمانہ بھی نہیں گذرا کہ سرمایہ داری کا دور شروع ہوا۔ حاکم وقت یزید قرار پاتا ہے جس کے دولت و ثروت کی کوئی انتہا نہیں۔ حلال حرام ہو چکا ہے اور حرام حلال۔ شراب خواری عیش و عشرت کا بازار گرم ہے۔ ہر فرد اس فکر میں ہے کہ کسی صورت مقرب حاکم وقت ہو جائے اور دولت ہاتھ آئے۔ نوبت یہ پہنچی ہے کہ بے گناہوں کے سر بعوض زر کثیر دربار یزید میں طلب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن سعد کو دربار یزید سے حکم ملتا ہے کہ فرزند رسول حسین علیہ السلام کا سر پیش کرے اس خدمت کے عوض میں ملک رے جاگیر دی جائے گی۔ ابن سعد پھولوں نہیں سماتا ہے اور اس خدمت کو نہایت خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے۔

اللہ اللہ وہ حسینؑ جس کو پیغمبرؐ اسلام نے اپنی زبان چسا چسا کر پالا۔ اور اپنے نواسے حسینؑ کی خوشنودی کے لئے خود اونٹ بنے اور اپنی زلف عنبرین کو مہار بنا کر حسینؑ کے بہلانے کے لئے ہاتھ میں دی اسی پر منحصر نہیں حسینؑ کے مچلنے پر کہ دوسرے عرب کے اونٹ بولتے ہیں ہمارا اونٹ بولتا نہیں خود پیغمبرؐ اسلام اونٹ کی آواز کی نقل فرمائے لیکن حسینؑ کی دلشکنی آزردگی منظور نہیں۔ حسینؑ کی آنکھ سے ایک آنسو وہ بھی لڑکپن کے زمانہ میں نکلتا ہے تو پیغمبرؐ اسلام کے سینکڑوں آنسو بہجاتے ہیں۔ یہ کوئی ہمارے پیغمبرؐ کا ذاتی فعل نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ ہمارے پیغمبرؐ کے متعلق تو خداوند عالم کا ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارا پیغمبرؐ کوئی بات نہیں کرتا نہ کوئی فعل ہمارے پیغمبرؐ سے وقوع میں آتا ہے۔ تا وقتیکہ ہمارا حکم نہیں ہوتا۔

پس ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ حسینؑ کی نازبرداری منجانب اللہ بحکم خدا ہمارے پیغمبر فرمارہے ہیں اور اپنی امت کو بایں ارشاد اپنے نواسے اپنے فرزند حسین علیہ السلام کے فضائل سمجھاتے ہیں کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے میرا گوشت اور خون حسینؑ کا گوشت اور خون ہے اور حسینؑ کا گوشت اور خون میرا گوشت و خون ہے۔ جس نے حسینؑ کو تکلیف دی اس نے مجھ کو تکلیف دی۔ جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدا کو تکلیف دی جس نے خدا کو تکلیف دی وہ کافر ہوا۔ یہ فرمان پیغمبری صرف حسین علیہ السلام کے زمانۂ لڑکپن کے لئے نہ تھا کیونکہ نابالغ بچے کی دلداری تو ہر قوم کا فرد بلا لحاظ مذہب و ملت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے پیغمبر نے اپنے فرزند اپنے نواسے حسینؑ کی تکلیف سے بلالحاظ سن و سال ارشاد فرمایا ہے۔ باوجود پیغمبر اسلام کے اس تاکیدی فرمان اور ارشادات کے امت اسی حسینؑ کا سر بعوض جاگیر ملک رے قلم کرنے طیار ہو جاتی ہے نہیں معلوم ایک حسینؑ میں ایسی کونسی قوتیں پنہاں ہوتی ہیں کہ صرف ابن سعد اور اس کی دس ہزار فوج ایک حسینؑ کا سر تن سے جدا کرنے کیلئے کافی نہیں خیال کی جاتی بلکہ ایسے متعدد فوجی حکام مع اپنی کثیر فوج کے زر و جواہر حاصل کرنے میدانِ کربلا میں ایک حسینؑ اور (۷۲) رفقائے حسینؑ کے مقابلہ میں آپہنچتے ہیں۔

بیشک یہ حسین علیہ السلام کا ہی حوصلہ تھا امام علیہ السلام کی ہی ہمت تھی کہ زر ہے نہ جواہر ہیں نہ فوج ہے نہ کوئی امید فوج کے فراہم ہونے کی نہ حکومت کا ذرہ برابر خوف ہوتا ہے نہ شیطانی فوج کا۔ اگر خوف ہے تو صرف اپنے خالق حقیقی کا اور فکر ہے تو اپنے خدا کے احکامات کو قایم و برقرار رکھنے کی اور دھن ہے تو اسلام کو دشمنان اسلام کے حملہ سے محفوظ رکھنے کی ہے ؎

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ
دین است حسینؑ و دیں پناہ ہست حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

اگر ہم ٹھنڈے دل سے ذرا سر جھکا کر غور کریں تو ضمیر خود بتلائے گا کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ساتھ ہی دین اسلام زندہ ہوگیا ورنہ چند سالوں کا تبلیغی دین اسلام اسی وقت فنا ہوگیا ہوتا۔ اگر خدا نخواستہ امام حسین علیہ السلام دست یزید پلید پر بیعت فرما لیتے۔ عرب کے جہلا

جب دیکھتے کہ رسول خدا کا برگزیدہ نواسہ خود طابع احکامات یزید پلید ہو گیا ہے تو قوم کی قوم یزید کی طابع ہوجاتی اور احکامات خدا ورسول پس پشت ہوجاتے ۔ حتیٰ انیکہ نام و نشان بھی باقی نہ رہتا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ اور رفقائے حسین علیہ السلام کا دین اسلام پر وہ احسان ہے کہ اس کا بدل بجز خلاق عالم کے ممکن نہیں کہ کسی اور ہستی سے ادا ہو سکے احسان کا بدلہ احسان ہوا کرتا ہے ۔ اگر ایسے برگزیدہ شہید راہ خدا کے شہادت کی یادگاریں قوم کی جانب سے قایم کیجاتی رہیں تو قوم نے اپنا حق ادا کیا لیکن یہ کوئی بدلہ امام حسینؑ کے احسانات کا نہیں ہو سکتا۔

امام علیہ السلام نے روز عاشورہ صبح سے نماز ظہر تک اپنے بہتر نفوس کے ساتھ چالیس ہزار اشقیائے فوج یزید پلید سے جہاد فرمایا ہے ان چند گھنٹوں میں آپنے شجاعت ۔ سخاوت ۔ مروت ۔ صبر ۔ شکر ۔ رضا و تسلیم ۔ رحم ۔ کرم ۔ عبادت کی وہ وہ بے نظیر مثالیں قائم فرمائے ہیں کہ قیامت تک کسی ہستی سے ممکن نہیں ۔ ہر ایک کی تفصیل بتلائی جائے تو ایک عظیم دفتر کی ضرورت ہے ۔ مختصراً حضرت کے صبر و شکر رحم و کرم کا واقعہ جس کا ناقل خود شمر لعین ہے تحریر کیا جاتا ہے ۔

جب تمام عزیز و اقارب اصحاب و انصار حتیٰ انیکہ حضرت کے ششماہ صاحبزادے جناب علی اصغر علیہ السلام نے بھی جام شہادت نوش فرمالیا ۔ حضرت نے ایک مختصر سا آخری جہاد بنفس نفیس فرمایا صدہا اشقیائے کوفہ و شام کو واصل جہنم فرمانے کے بعد نہیں معلوم حضرت کو کیا خیال آیا کہ ذوالفقار یعنے تلوار کو نیام فرمالیا ۔ جب فوج یزید نے دیکھا کہ حضرت نہتے زخموں میں چور ۔ پیاس کی شدت سے مجبور اپنے ذوالجناح کی گردن پر تکیہ فرمائے ہوئے ہیں ۔ بزدلوں نے ہزاروں کی تعداد میں تیر اور نیزے برسانا شروع کئے لیکن اس پر بھی کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ حضرت کے قریب آئے حضرت زخموں اور شدت پیاس سے مجبور ہوکر زمین پر بحالت بے اختیاری تشریف لائے اور پھر سنبھل کر سجدے میں تشریف لے گئے شمر لعین موقعہ دیکھ کر بارادۂ ذبح خنجر لئے قریب آگیا ۔ تیروں کا اسقدر حضرت پر انبار تھا کہ شمر قریب نہیں ہو سکتا تھا ملعون نے کئی تیر حضرت کے جسم مبارک سے خود نکالے اور ذبح کے لئے آمادہ ہو گیا ۔ لیکن دیکھا کہ حضرت کے لبہائے مبارک متحرک ہیں ملعون خیال کیا کہ شاید ہمارے حق میں بد دعا فرمارہے ہیں اپنا کان

حضرت کے قریب لے گیا۔ سنا کہ حضرت نے اپنے خالق حقیقی کا شکر فرما رہے ہیں کہ اے خدا میں تیرا ایک عبد فقیر ہوں فدیے تو بہت سارے تیری بارگاہ میں پیش کئے اور خود بھی ابھی حاضر ہوتا ہوں لیکن تیرے لائق میرا کوئی فدیہ نہیں ہے۔ اب یہ تیری بندہ نوازی پر موقوف ہے کہ تو ان میرے فدیوں کو قبول فرمالے۔ مالک میرے میں نے تیرے فضل سے اپنا وعدہ پورا کیا اب تو اپنا وعدہ پورا کر میرے نانا محمد مصطفیٰؐ کی امت کو بخش دے۔ بجز صبر و شکر اور اپنے نانا کی امت کو دعائے خیر سے یاد فرمانے کے کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے روز عاشورہ کے انتہائے مظالم اٹھانے پر بھی کبھی بد دعا فرمائی ہو بلکہ اپنے جانشین اپنے صاحبزادہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو آخری رخصت کے وقت اور اپنی عزیز بہن ثانی زہرا جناب زینبؑ کو یہ وصیت فرمائے کہ خواہ کیسے ہی مظالم تم پر ٹوٹ پڑیں لیکن بد دعا کرنا بعد شہادت امام علیہ السلام جب شمر ملعون مع اپنے ماتحتین کے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو جو شدت بخار سے فرش تھے۔ سنگین سنگین دوہری بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑنے لگا۔ جناب زینب علیہ السلام سے دیکھا نہ گیا۔ آپ چاہتی تھیں کہ بال کھول کر بد دعا فرمائیں لیکن اُس حالت پریشانی میں جناب امام زین العابدین نے اپنی پھوپی جناب زینب علیہ السلام کو جو نصیحت فرمایا ہے اُس کو شاعر نے بطرز نوحہ نظم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کیسا صبر اور کیا تحمل آل محمدؐ نے پایا تھا اور کتنا خیال امت محمدؐ کا تھا۔

دیتے تھے عابدؑ صدا بال نہ کھولو پھوپی ⁂ تم کو میرا واسطہ بال نہ کھولو پھوپی۔

کام رسالت کا ہے دھیان شفاعت کا ہے ⁂ بن کے بگڑ جائے گا بال نہ کھولو پھوپی

یہ شان ہے آل محمدؐ کی کیا کوئی قوم کیا کوئی تاریخ ایسی تمثیل پیش کر سکتی ہے۔ خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے اسلام اور پیروان اسلام کو امام حسینؑ جیسا ہیرو عطا فرمایا ہے جس پر اسلام کو فخر ہے، روز قیامت تک ایسا ہیرو پیدا نہیں ہو سکتا۔

مدع، ب،،
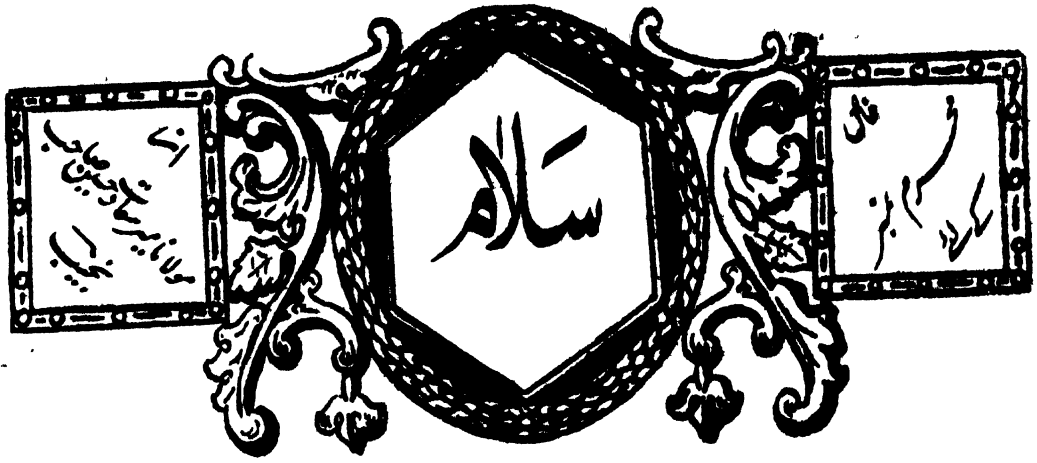
قیامت ہے کہ پانی بند ہو آلِ محمدؐ پر
رہے جاری طیور و وحش پر، اور دام پر دد پر

دُرِ اشکِ غمِ سرور کی آب و تاب کیا کہنا
تفوق ہے اُسے یاقوت پر لعل و زمرد پر

وہ دل ٹکڑے ہو جس میں غم نہ ہو اولادِ حیدرؑ کا
وہ آنکھ اندھی ہو، جو گریاں نہ ہو آلِ محمدؐ پر

نہ وہ عظمت ہی خسرو کی نہ وہ شوکت ہی دارا کی
اُداسی ہے کہ بس چھائی ہوئی ہے اُن کے مرقد پر

ارے غافل تجھے تو خاک میں اک روز سونا ہے
نہ کر منعم غرور اتنا رواق و طاق و گنبد پر

ترقی خود کرو تم اکتسابِ علم و حکمت سے
وہ ناداں ہیں جو ہیں بھولے ہوئے نامِ اب و جد پر

ملاقاتِ احبا چار دن کی زندگی تک ہے
نہیں آتا کوئی، بھولے سے بھی افسوس مرقد پر

بناتا گر نہ حضرت کو تو یہ عالم ہی کب ہوتا
ظہورِ قدرتِ حق، حصر تھا تخلیقِ احمدؐ پر

بوقتِ جنگ عباسؑ جری کو تھی یہی حسرت
کہ شمرِ بے حیا اے کاش آ جائے کہیں زد پر

ورودِ ابنِ شیرِ حق سے فوجوں کا یہ عالم تھا
کہ جیسے آہوؤں کا حال ہو ضیغم کی آمد پر

دلِ سجاد کی حالت یزیدِ نحس کیا جانے
خبر آزاد کو کیا جو گذرتی ہے مقید پر

جوانوں کی نگاہیں دید سے جنکی جھپکتی تھیں
عجب کچھ شان تھی طفلی میں بھی عون و محمد پر

شہادت پائی جب شہ نے تو گردوں سے ندا آئی
جگر شبیرؑ ہی کا تھا تحمل ظلمِ بے حد پر

نشانی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کے خونِ ناحق کی
نہیں ہیں یہ شفق کی سرخیاں چرخِ زبرجد پر

یہ کیسا انقلابِ دہر ہے کیا قہر ہے گردوں
زمیں پر سیدِ سجاد اور تاری ہو مسند پر!

کہوں کس منھ سے حضرت کے لگے تھے زخم کس کس جا
قدم سینہ پہ بازوؤں پر، ناصیہ پہ فرق پہ خد پر

چڑھا جب شمرِ بد شاہِ والا پر تو شور اٹھا
یہ کیسا ظلم، کیا بیداد ہے بے جرم سید پر

غضب ڈھایا ستمگر نے کہ شہ کو کر دیا عریاں
کوئی بجلی گرا دیتا فلک تھا اِن مرتد پر

تصدق تیری رحمت کا مجھے بھی بخش دے یارب
خداوندا تری بخشش ہے یکساں نیک و بد پر

نجیبِ خستہ جاں کے دل میں بھی شوقِ زیارت ہے
الٰہی اسکو بھی پہنچا شہِ والا کے مرقد پر
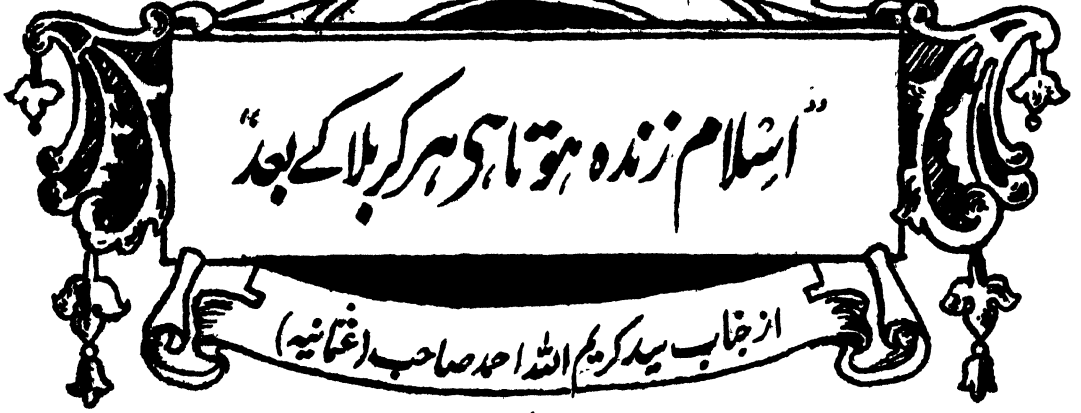
شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کا جانگداز واقعہ ۶۱ھ کا ہے۔ یہ وہ حادثۂ جانکاہ ہے کہ اگر ہر مسلمان غم امام میں آنسو بہائے تو باعث ثواب ہے۔ کیونکہ امام عالی مقام کے پیارے نانا نے جبرئیل علیہ السلام سے شہادت کی پیشگوئی کو سماعت فرما کر آنسو بہائے تھے۔

امام عالی مقام شہنشاہ کونین تاجدار مدینہ کے لاڈلے نواسے تھے۔ اس محترم ہستی کے مقدس آغوش مبارک کو مقدس نبیؐ کے پاک ہونٹوں نے چوما تھا جن کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ جو حسین سے محبت رکھے وہ میرا محب اور جو ان کا دشمن وہ میرا دشمن ہے۔ یہ ارشاد نبوی حضرت امامؑ کی بزرگی و عظمت کی انتہائی دلیل ہے۔ رسول اکرم کا لاڈلا۔ فاتح خیبرؓ کا نور نظر۔ خاتون جنتؑ کا جگر گوشہ اپنے ہی نانا کی امت کے ہاتھوں دشت نینوا میں بھوکا پیاسا خدا کی مرضی کے مطابق اسلام کی عظمت و وقار کو قائم رکھنے کے لئے شہادت کبریٰ کا عظیم الشان رتبہ حاصل کرتا ہے۔

سیاست دانوں نے شہادت حسینؑ کے متعلق متعدد سیاسی حاشیہ نگاریاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ امام محترم نے تاج و حکومت کی خاطر بیعت یزید سے انکار کیا۔ مگر ان متعصب کوتاہ نظر سیاست دانوں کو کیا اسکا علم نہیں کہ ایک مرتبہ امام محترم نے بہ ایما و پیشکشی معاویہ کو ٹھکرا دیا تھا خدا پرستی یہ تھی کہ پا پیادہ پچیس حج کئے اور ایک ہزار رکعت روزانہ پڑھتے تھے۔

ایک سائل بارگاہ امام حسین کے دروازہ پر آیا اور یہ اشعار لکھ بھیجے ....

لم یبق لی مما یباع بجنسه ✤ فکفاک منظر حالتی عن مخبری

بقیت ماء وجه صنتها ✤ عن ان تباع فقد وجدت المشتری

یعنے میں بے وسیلہ مفلس ہوں اور جو خریدنے کے لئے بھی میرے پاس قیمت نہیں اب صرف عزت باقی رہ گئی ہے اور اُس کا خریدار نہ رہا کہ اب میں اس کو بھی بیچنے پر آمادہ ہوں ...... جواب آنے میں تھوڑی سی دیر ہوئی تو سائل نے مندرجۂ ذیل اشعار بھی لکھ کر روانہ کردئے۔

ماذا اقول اذا رجعت وقیل لی ✤ ماذا اصبت من الجواد المفضل

ان قلت اعطانی کذبت وان اقل ✤ بخل الجواد بماله لم یجمل

یعنے آپ کے دروازہ سے واپس ہوں گا تو لوگ پوچھیںگے کہ امام نے تجھے کیا عطا کیا میں کیا جواب دوں گا اگر ان سے کہوں کہ امام پاک نے مجھ سے سلوک کیا تو یہ جھوٹ ہے اور اگر یہ کہا کہ کچھ نہیں دیا تو مناسب نہیں .... غرض یہ وہ اشعار تھے سائل کے جس کی وجہ سے اس کی کلفت دور ہوگئی۔ اور ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شاعر عرب نے ایک نظم بارگاہ امام میں پیش کی امام علیہ السلام نے اسی وقت چار ہزار درہم مرحمت فرمائے۔

یہ شان سخاوت و بے نیازی رکھنے والا فرد کس طرح بھی دولت وحکومت کی لالچ نہیں کرسکتا۔ یزید سے بیعت نہ کرنے کا اصلی سبب صرف یہی تھا کہ آپ اسلام کی عظمت پر سیاہ داغ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ ساری دنیا پر روشن ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت امام حسنؑ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ حضرت معاویہ اپنی حیات تک شام کے بادشاہ رہیں گے اور ان کے بعد جمہور۔ جس کو خلیفہ منتخب کریں وہ بادشاہ ہوگا مگر امیر معاویہ نے معاہدہ کا لحاظ نہ کیا اور اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لوگوں سے کروائی اس طرح اس معاہدہ کی خلاف ورزی سے جذبۂ جمہوریت کو (جو اسلام کے لئے باعث فخر و ناز ہے) نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ دوسری بات یہ تھی کہ یزید فاسق و فاجر تھا شراب علانیہ پیتا تھا۔ اس کے اکثر اعمال خلاف شرع تھے۔ حضرت امام حسینؑ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ یزید کی بیعت سے اسلام کے جذبۂ جمہوریت کو مٹائیں۔ آپ کا ہرگز یہ منشا نہ تھا فاسق و فاجر ظالم و مغرور کے ہاتھوں بیعت کرکے استبدادیت کی لعنت اسلام میں شروع کریں چنانچہ اسی مطمح نظر کی خاطر امام عالی مقام نے مکہ و مدینہ چھوڑا۔ اسلام کی عظمت و محبت

آپکے قلب میں جگہ پاتا۔ کیوں نہ ہو آپ اس عالی مرتبہ نبی کے نواسے تھے جس نے راہ حق میں مصیبتیں جھیل کر نعرۂ حق و صداقت دُنیا کو سنائی۔ اور محنت شاقہ سے پیام حق کی اشاعت کی اور دُنیا کی ظلمت کو دور کیا۔ اسلام کی جڑوں کو مضبوط کر دیا۔ کیا اس عالی مرتبہ شہنشاہ کونین کے پیارے شہزادہ کا فرض نہیں تھا کہ باغ اسلام کی آبیاری اپنے پاک خون سے کر کر اس کو جملہ آلائشوں سے پاک کر دیتے

امام عالی مقام نے مکہ معظمہ کو اس وجہ سے نہیں چھوڑا کہ یزید کی افواج کا ڈر تھا۔ بلکہ آپ نہ چاہتے تھے کہ آپ کی وجہ سے افواج یزیدی کعبہ کی بیحرمتی کریں۔

مدینہ طیبہ کو آپ نے خیرباد اسوجہ سے نہیں کیا کہ آپ پر یزید کا رعب طاری تھا بلکہ اس لئے کہ روضۂ نبوی کی بے ادبی ہوگی۔ آپ حکومت و فرمانروائی سے اسقدر بیزار تھے کہ آپ نے یزید کو کہلا بھیجا کہ بیعت پہ مجبور کرے اور آپ کو ہندوستان کی طرف جانے کی اجازت دیدے۔ مگر یہ کیسے ہوتا۔ خدا کو تو یہ منظور تھا کہ قربانی کی مثال مسلمانوں کے لئے قائم کر دے۔ چنانچہ ویسے ہی اسباب قدرت نے پیدا کئے۔ اہالیان کوفہ نے حضرت امام علیہ السلام کے ساتھ وہ دغا کی کہ مسلمانوں کے ماتھے پر ہمیشہ کے لئے یہ کلنگ کا ٹیکہ رہیگا کہ نانا کے امتی اس کے نواسہ کو دھوکا دیں۔ افسوس۔ کوفہ والوں نے آپ کے پاس ڈیڑھ سو خطوط روانہ کئے کہ اگر آپ کوفہ تشریف لائیں تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ چنانچہ جب یہ اطلاع ملی کہ کوفیوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو امام محترم جانب کوفہ چلے۔ مگر دعوت دیکر مہمانوں کے ساتھ کوفیوں نے دغا کی۔ جب امام عالیمقام کوفہ کے قریب پہنچے تو سارے کوفی یزیدی فوج میں شامل ہو گئے۔ آپنے ذرہ برابر بھی پریشانی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ اہلبیت سے ارشاد عالی ہوا کہ۔ الحمد للہ مشیت الٰہی کی تکمیل کا یہی مقام ہے۔

دریائے فرات کے کنارے دشت نینوا یعنی کربلا کے مقام پر امت محمدی کو زندہ جاوید کرنے والا امام۔ عالم اسلام پر صدق و حق کا اعلان کرنے والا امام۔ فسق و فجور کا صبر کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرنے والا امام اپنے نانا کی امت کے گناہوں کے مقابلہ میں بھوکا و پیاسا شہید ہونیوالا امام برضا و رغبت خود حق کی پیشنگوئی کی تکمیل کے خاطر خیمہ زن ہوا۔

میدان حق و صداقت کے نبرد آزما صرف (۷۲) تھے۔ اور بقول ناسخ التواریخ صـ ۲۳۶

ابن زیاد کی فوج کم از کم بیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ اکیاون ہزار تھی۔ اہلبیت کا ایک فرد اکہتر اشقیا سے مقابلہ کرنے آمادہ تھا۔ ۷ محرم سے ظالموں نے مظلوم اہلبیت پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ بیعت یزید کرو ورنہ قتل کئے جاؤگے محبان حسینؑ اندازہ کرو کہ اگر موسم گرما میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈا پانی نہ ملے تو ہمارا کیا حال ہوتا ہے۔ تو دشت عرب کے لق و دق میدان میں جہاں کی گرمی و تپش آفتاب مشہور ہے پانی نہ ملے اور پھر جبکہ دریائے فرات کا صاف و شفاف پانی سامنے موجیں مار رہا ہو تو پیاس کی شدت کا کیا حال ہوگا۔ مگر صبر و رضا کا شہزادہ انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ حق و صداقت کی خاطر تکالیف و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دس محرم کو زوال کے بعد جنگ کا آغاز ہوا۔ امام علیہ السلام نے ابن زیاد کی افواج کو مخاطب کر کے نہایت ہی عالمانہ خطبہ دیا۔ عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ ظلم و شقاوت کو چھوڑنے کی طرف متوجہ کیا۔ آل رسول و اہلبیت امام کی عظمت یاد دلائی مگر ظالموں کے کان پر جوں بھی نہ رینگی بلکہ نہایت ہی شقاوت قلبی کے ساتھ نوجوان اور بوڑھوں کو یکے بعد دیگرے جام شہادت پلایا۔ حتی کہ اصغرؑ پیارا چھ مہینہ کا دلارا پیاس کی تکلیف میں نشانۂ تیر بنا۔ آسمان و زمین پر ایک تہلکہ بپا تھا۔ کہ اسلام کی صداقت پر دنیا میں دوسری قربانی ہو رہی ہے ایک وہ قربانی تھی جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا لقب دلائی مگر یہ سچی قربانی ہے جو ۱۰ محرم کو دشت کربلا میں ظہور پذیر ہوئی۔

خاتم النبیینؐ نانا کے عظیم الشان نواسےؑ کو شہادت کبریٰ کا مرتبہ ملا دنیا کے سامنے اطاعت الٰہی صبر و رضا کی بہترین مثال پیش کر دی جو قیامت تک اسلام کی روح بنی رہے گی۔ اور اسلام جیسے آج تیرہ سو سال سے اس صبر و رضا کے مجسمہ کی یاد تازہ رکھ کر ہر سال نئی روح اپنے جسم میں محسوس کرتا ہے ویسے ہی انشاء اللہ تا قیامت اس رسول پاک کے نواسے کے صدقہ میں اسلام زندہ رہیگا۔ اس نظریہ کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

مذہب اسلام صبر و رضا صداقت حق پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت کا فرض ہے کہ مشیت الٰہی پر گردن خم کر دے صبر و رضا اپنا مسلک قرار دے۔ حق و صداقت مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہو اگر آل رسول کا یہ درخشاں ستارہ ان اوصاف اسلامی کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا۔ صداقت یزید کی بیعت کر لیتا۔ آزمائش خداوندی کے وقت صبر و رضا کو چھوڑ دیتا تو یقیناً اسلام کو وہ دوامی زندگی نصیب نہ ہوتی جس پر آج ہم مسلمانوں کو فخر ہے۔ خداوند حقیقی کو یہ منظور تھا کہ وہ جیسے رسول محترم کی زندگی کو مسلمانوں کے لئے نمونہ بنا دیا ویسے ہی رسول کے محبوب ترین نواسہ کو شہادت کا تاج پہنا کر اسلام کی عظمت کو برقرار رکھے۔

مسلمانو! شہادت حسینؑ پر سیاسی حاشیہ نہ چڑھاؤ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو عین رضائے الٰہی کے موجب ہوا۔ جس کے ذریعہ یہ بتا دیا گیا کہ وہ ہستیاں جو اسلام کی سچی محبت رکھتی ہیں کس طرح مذہب کا وقار و احترام قائم رکھنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ اہلبیت کے معصوم بچے پاک و اطہر بیبیاں جس صبر و استقلال کے ساتھ مشیت الٰہی کے سامنے جھک گئیں ہم مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے بہترین درس ہے۔ اگر اس کا عشر عشیر بھی ہم اپنے مذہب کے خاطر ایثار کریں تو الحمد للہ بیڑا پار ہے۔

خداوندا بطفیل رسول ہاشمی و شہدائے کربلا ہمیں جلسہ ہمت۔ ایثار و صداقت۔ و ایمان عطا فرما۔ آمین۔

ضروری اطلاع:- "محرم نمبر"

ماہ مئی و جون کا یکجائی نمبر ہے۔ لهذا آیندہ مہینہ کے پرچہ کا انتظار نہ فرمائیے۔ جولائی میں "سفینہ" "میلاد نمبر" شائع کریگا۔ رجب میں "سالگرہ نمبر" اور اس کے بعد ہی نونہال نمبر نکلے گا۔ "میلاد نمبر" کے بہترین مضمون پر ایک طلائی تمغہ پیش کیا جائیگا۔ تفصیل "احوال ما" میں ملاحظہ۔

مینیجر

جگر میں داغ دل میں الفتِ شبیرؑ رکھتے ہیں ٭ ہم اک پہلو میں قرآں ایک میں تفسیر رکھتے ہیں

زمیں پر ہاتھ پہلے ٹیکے یعنی زلزلہ روکا ٭ تہِ خنجر گلا اب حضرتِ شبیرؑ رکھتے ہیں

جدھر کروٹ بدلنی چاہتے ہیں حضرت عابدؑ ٭ اوٹھا کر ہاتھ سے پہلے اودھر زنجیر رکھتے ہیں

شہید اپنا کفن خاکِ شفا سے ہمنے لکھا ہے
دکھا دیں گے سرِ محشر کہ یہ تحریر رکھتے ہیں

رؤیائے ابراہیمؑ

منیٰ (مکہ معظمہ) کے معمہ کا حل دشتِ کربلا (عراق) میں

از جناب اختر قریشی صاحب (مدیر معاون)
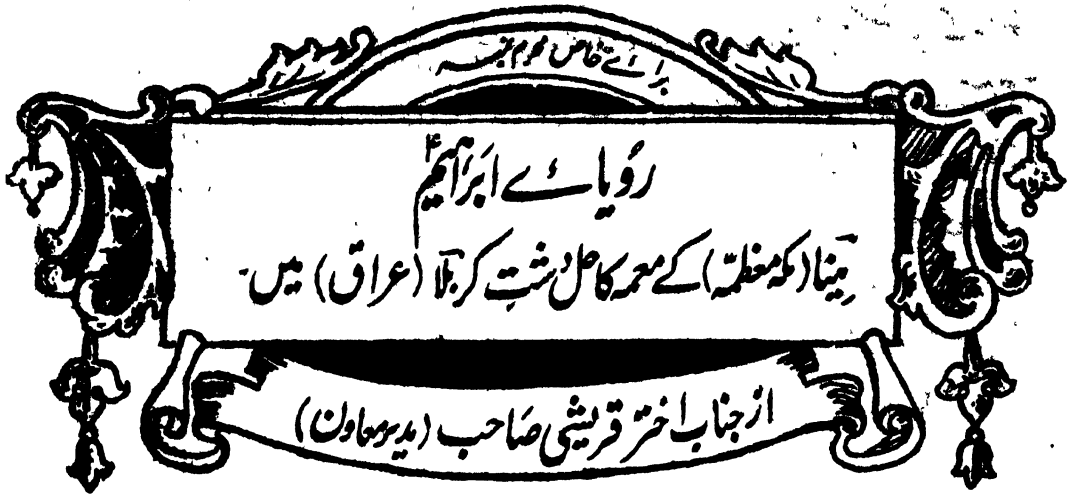
حضرت ابراہیمؑ اجمال تھے، اور حضرت محمد مصطفےٰؐ اس اجمال کی تفصیل۔ حضرت اسمٰعیلؑ ایک آرزو تھے اور ایک عزم، اور حضرت امام حسینؑ اس عزم آرزو کی عملی تعبیر۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو شہید ہونے سے اس لئے بچا لیا گیا کہ اُن ہی سے ایک نسل پیدا ہونے والی تھی، لیکن جب اُس نسل یا اُمت کو خطرہ لاحق ہوا تو حضرت امام مظلومؑ کی قربانی منظور کر لی گئی۔ جس اُمت کے لئے جگر گوشۂ ابراہیمؑ کو بچایا گیا۔ اس کی بقا اور سرسبزی کے لئے حضرت محمد مصطفےٰؐ کے خون کا آخری قطرہ قربان ہو گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ عزم جہاد کا غنچۂ ناشگفتہ تھے، اس لئے محفوظ رہے، حضرت حسینؑ ایک شاداب پھول بن کر میدان میں آئے اور توڑ لئے گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کا ولولۂ قربانی، حضرت حسینؑ کی شہادت پر منتہی ہوا۔ اور اُمت کی بقا کا راز یہ ہوا کہ مسلمان خواہ اسمٰعیلؑ کی طرح زندہ رہے اور خواہ حسینؑ کی طرح (راہ حق میں) شہید ہو، اس کی زندگی، اور موت دونوں ملت کے لئے ہوں۔"

مینا کے غیر آباد اور ویران میدان میں، ایک صبح، جب کہ ساری دنیا نیند کے میٹھے میٹھے مزے لے رہی تھی، ہاں! اسی وقت جبکہ خورشید خاور اپنی تمازت انگیز روشنی کے ساتھ رونمائی کیا چاہتا تھا! ...... کہ ایک ضعیف لیکن مقدس ہستی جو عجیب و غریب ہتیار سے مسلح تھی، نمودار ہوئی، اس دلی صفت ہستی کے وارد ہونے کے اسباب غیر ظاہر تھے! کسی نہ کسی مضمون کے گہرے انہماک کی وجہ اس کو تھوڑا سا آرام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُس کی ظاہری حالت اس کے دلی جوش اور ولولہ کی آئینہ دار تھی اور شکل سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنے فرض کی انجام دہی میں ایک لحظ کی تاخیر بھی اس کے لئے باعث صد اضطراب ہو رہی ہے۔ آیا وہ اپنی ذاتی اغراض کے انجام پر تلا ہوا تھا، یا کسی دشمن سے انتقام لینا چاہتا تھا، یہ اس کے بشرے سے عیاں نہ ہو سکا!

مگر نہیں! ...... میں وہاں کیا دیکھ رہا ہوں! .... ایک بچہ! ...... ایک نوجوان!!....
رب السمٰوات آخر یہ کون ہوں گے؟

ضعیف:- "میرے پیارے بچے! یہ کس قسم کی تاخیر ہے؟"
نوجوان:- پیارے آبا! نہیں کسی قسم کی تاخیر نہیں۔ خدا کے لئے عجلت فرمائیے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں کسی طرح کا تامل نہ کیجئے، ......

آہ! ...... باپ اور بیٹا ...... ! الٰہی ...... یہ کیا معاملہ ہے؟ .... یہ ہتیار کس لئے؟ ...... یقیناً بعید از فہم! ...... اور سراسر!!

اُس مقدس ضعیف کا نام اور کام غیر ظاہر تھا۔ وہ نو عمر لڑکا بخدا ...... خوبصورتی، نوجوانی، ایثار اور دلیری کی کیسی سچی عدیم النظیر مثال تھی۔ کیا؟ .... یہ قربانی کی تیاری تھی؟ کسی آسمانی حکم کی تعمیل میں! الٰہی! ایک نوجوان، خوبصورت، اور کمسن، اور یہ جوش سرفروشی ....
ننھا سا دل اور بڑھی ہوئی اُمنگیں! شمشیر سے گھائل ہونے کی پرواہ نہیں۔ اپنی عزیز ترین جان کو آسمانی حکم کی تعمیل میں قربان کرتے ہوئے ذرہ برابر بھی ہراس کا اظہار نہیں!!!

یہ میرے لئے ایک معمہ تھا، ایک چیستان، جس کا حل ...... میں نے خیال کیا کہ قریب کی جھاڑیوں میں چھپ جاؤں ...... ہاں! اور دیکھوں کہ کیا ہونے والا ہے؟ اس لئے کہ اُس محترم ضعیف کا ہر ایک فعل مافوق العادت اور عمیق ترین راز کا حامل تھا! ......

یہ کیا ......؟ لڑکا کمال عقیدت اور سچے دل کے ساتھ اپنی تھوم تا اپنی سر بسجود ہوا!.... اور باپ!! ...... اے حاکم الحاکمین! ...... کیا عجیب منظر! ...... شمشیر بُرّاں لختِ جگر کے حلقوم کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی ہے .... اُف! کیسا بھیانک منظر! ..... (میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا) اُوہ ...... کیسا مہیب واقعہ! پناہ بخدا! کس قدر ہیبتناک نظارہ!——

مجھ سے رہا نہ گیا ..... قریب تھا کہ چلا اُٹھوں! "خبردار! خبردار!! اے بزرگ محترم! بس، بس ہاتھ روک لو، ورنہ ...."

اُس ضعیف نے اپنی تلوار کو زمین پر انتہائی غصہ کے ساتھ پھینکدیا، اور اس کو بیوفا اور بے ایمان کہنے والا ہی تھا کہ تلوار سے یہ صدا اٹھی "اے خلیل اللہ! تو مجھے حکم دیرہا ہے کہ ذبح کروں اور اس خالق ذوالجلال کا (جس کے حکم کی تعمیل کو تونے اپنا فرض جانا) میرے لئے یہ حکم ہے کہ ذبیح کو ایک خراش بھی آنے نہ پائے"!۔

اب بھی یہ سارا معاملہ میری سمجھ اور عقل سے بالاتر رہا۔ آخر میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ یہ ایک قدرتی راز ہے، اس میں دخل دینے کی کس میں جرأت ہوسکتی ہے .... مجھے منتظر رہنا اور دیکھنا چاہئے کہ کیا ہونے والا ہے! ...... دفعتہ ...... آسمان سے ایک مقدس بھیڑ، قدرتی نور اور روشنی کے ساتھ اس جگہ اُترا .....

کیا یہ تمام خواب تو نہیں تھا ...... نہیں! ہرگز نہیں!! ..... تعجب اور حیرت کا کون مقام ہے، جس نے اس مشت خاک کو جان اور قوت تکلم عطا کیا ہے، وہی اس تلوار کو بھی گویائی کی طاقت بخشا، اور آسمان سے زمین پر بھیڑ اُتار رہا ہے۔

اُس محروم بندگ نے بھیڑ کو لئے ہوئے اُسی جگہ واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُس کا لاڈلا بچہ ان تمام مضبوط بندھنوں سے بالکل آزاد کر دیا گیا ہے، جن میں وہ اس آسمانی تحفہ کو پکڑ لانے سے قبل بندھا تھا۔ اور لڑکا بالکل آزاد کھڑا ہے........ ضعیف کو یہ نظارہ نہ بھایا........ اُس کی آنکھوں سے حیرت اور ندامت کے آنسو رواں ہوئے ۔
یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا......

چاروں طرف بالکل خاموشی طاری تھی ! ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہر چیز سے گویائی اور حرکت نابود ہوتی جا رہی ہے !...... لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ہوا کی سنسناہٹ نے زمین اور آسمان میں ایک شور برپا کر دیا .... یہ شور بڑھتا ہوا ایک صدا...... ایک غیبی آواز...... میں مبتدل ہو گیا۔ آواز دور..... اور بہت دور سے آ رہی تھی........ ندا آئی..... "اُے میرے خلیل ! تو اب آہ و زاری نہ کر، کیوں کہ تو اپنے جگر گوشہ اسمٰعیل کو ذبح نہ کر سکا ! بجائے اس کے میں نے تیری ہی نسل میں سے ایک کی قربانی کو دین ملت کی فلاح کے لئے منظور کر لیا ہے......
اُس کی یہ قربانی "شہادت عظمیٰ" ہوگی...... !"
اب ضعیف کے ہوش و حواس درست ہو چکے تھے......
ہاتفِ غیبی نے سوال کیا " اے اللہ کے دوست ! تو کس کو زیادہ عزیز رکھتا ہے"؟
ابراہیمؑ نے بصد ادب عرض کیا " خلاق عالم ! جو تیرا محبوب ہے "
ندا آئی کہ " کیا محمدؐ کی آل و اولاد و ذریات کو بھی تو عزیز رکھتا ہے "
ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا " پروردگار ! میں اپنی آل و اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں "
وحی نازل ہوئی کہ " اے ابراہیمؑ اوپر دیکھ ! !
اس حکم کی تعمیل میں ابراہیمؑ نے آسمان کی طرف دیکھا.....
آسمان اور زمین کے درمیان جو مجازی پردے حائل تھے، وہ حکم رب سے یک دم اٹھا لئے گئے اور ابراہیمؑ نے وہاں کیا دیکھا؟......

فکشف الغطا یوم عاشورا

(پردے ہٹا دئے گئے، اور ابراہیمؑ نے وہاں عشرہ کا دن دیکھا۔)

آفتاب کی تمازت سے جلتے ہوئے میدان کربلا میں تیروں کی بارش کے باوجود ابراہیمؑ نے تمام مسلمانوں کو خدائے واحد کی عبادت میں مشغول دیکھا۔ خورد سال بچے شدتِ تشنگی کی وجہ اپنی سوکھی زبانوں سے ہونٹوں کو تر کر رہے تھے۔ اور شہیدوں کے سردار حضرت امام حسین علیہ السلام کے وفادار اور اُن کے شیر دل بھائی حضرت عباسؑ، ان کے نوجوان اور حسین فرزند حضرت اکبرؑ دشمنوں کی فوج کو کاٹ کر آگے نکل جانے اور اُن معصوم اور پردہ نشین مظلوموں کے لئے تھوڑا سا پانی لانے کی دلیرانہ سعی کر رہے تھے یہانتک کہ ان شجاعانِ میدان میں سے ایک ایک نے یزید کی فوج کے ہزارہا آدمیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر دلیرانہ انداز میں حسینؑ کی امانت، حق کی پاسبانی، اور خدا کی راہ میں شہادت کا جام نوش کیا۔ ان تمام مصائب و آلام میں حضرت سید الشہداء حسینؑ کا غیر متزلزل اور عظیم ترین صبر قابل قدر تھا۔ اور باوجود آپ کے عزیز ترین اقربا، کی شہادت و نیز چھ ماہ کے خورد سال معصوم علی اصغرؑ کی موت کے آپ نے صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اُن شقی القلب دشمنانِ دین کے دل کسی طرح بھی پسیجنے نہیں پائے اور اُن کی طرف سے امام ہمامؑ پر مزید مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جانیکا ارادہ ہو رہا تھا۔

حضرت حسینؑ کے رفقاء کے رونے اور آہ و بکا کے فلک شگاف نعرے، اور میدان جنگ کے خونین مناظر نے حضرت ابراہیمؑ کے جسم کا خون منجمد کر دیا۔ اور میدانِ کربلا کے خونی تالاب میں شہداؑ کے سروں کا تیرنا، اور اپنی آیندہ نسل کے بے سر جسموں کو یزید پلید کی وحشی فوج کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے کچلا جانا دیکھ کر آپ بے اختیار ہو گئے، آنکھوں میں بجائے آنسو کے خون اتر آیا...... ہاتھ یکبارگی آسمان کی طرف بلند ہوئے...... اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بارگاہ رب میں اس کے دوست کا یہ عروضہ پہنچا کہ "اے رحمان و رحیم اس کی امت کو بخشدے!" اُسوقت کائنات کا ہر ذرہ خوفناک اور مہیب صداؤں کو محسوس کر رہا تھا...... کہ...... مہیب اور ہیبتناک آوازیں تمام فضا میں گونج اٹھیں اور شہیدوں کے سردار حضرت امام حسینؑ...... کی شہادت کا اعلان کرنے لگیں...... بخدا! قیامت تک...... امام مظلوم انسانی تاریخ کے خونین اوراق پر ایک عدیم النظیر...... ایک عظیم ترین شہید کے لقب سے مشہور رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ❊ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔ (ترجمہ)

(عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی)

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے ∗ ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی ∗ غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستہ میں بے تیغ و سپر ∗ ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی ∗ ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے ∗ نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے ∗ ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں ∗ پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں
بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعتِ مقصد سے میں ∗ آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں
تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور ∗ دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور
جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے ∗ جن کی ضو ناآشنا ہے قیدِ صبح و شام سے

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

(ماخذ)

امام حسینؑ کی مصیبت ہے جس میں تمام عالم، آسمان وزمین، عرش وکرسی، لوح وقلم، حور وغلمان، حیوانات ونباتات اور اشجار وانہار روئے ہیں اور تا قیامت روتے رہینگے۔

اے آقائے مظلوم کے رونے والو! روز عاشورا اس غم سے ہوا میں تموج پیدا ہو گیا۔ آفتاب میں گہن لگ گیا۔ ملائکہ نے تسبیح وتہلیل چھوڑ دی ارض واشجار سے خون جاری ہوا آسمان وزمین کے درمیان تاریکی چھاگئی زمین کو زلزلہ ہوا پہاڑ مضطرب اور شق ہوگئے دریا تلاطم میں آگئے۔ اور مچھلیاں دریا سے باہر نکل پڑیں تھیں۔

اے عزائے امام مظلوم میں اشک خونین بہانے والو! ضبط گریہ ماتم سبط خیر الوریٰ شہید جور وجفا مظلوم دشت کربلا میں کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم صفی اللہ سے لیکر آجتک امام حسین علیہ السلام جیسا کوئی غریب شہید، مظلوم صفحہ ہستی پر نہ گزرا ہے نہ گزریگا۔ خیال تو کیجئے کہ مولاؑ نے روز عاشورا صبح سے عصر تک کیسے کیسے صدمے اٹھائے مسلم ابن عوسجہؓ حبیبؓ ابن مظاہر، حرؑ ابن ریاحی، وہبؑ کلبی، عونؑ ومحمدؑ، قاسم ابن حسنؑ، عباسؑ علی اکبرؑ جری، اصغرؑ معصوم، عبداللہؑ صغیر، اس طرح (۷۲) عزیز وانصار کا مرنا دیکھا ان کی لاشیں اٹھائیں۔ چنانچہ ان مصیبتوں کو سرزمین پاک ایران کا ایک جلیل القدر شاعر کہتا ہے جس کا ہر شعر اک دلخراش مرثیہ ہے۔ ....

مرثیہ

گردشِ چرخ کجا صاحبِ توقیر کجا
تا نگہ کرد کجا شدتِ تعزیر کجا

ہر چہ بر آلِ نبیؐ آمدہ روزِ عاشور
تابِ تقریر کجا قوتِ تحریر کجا

گشتہ پامال تہ سُمِ ستوراں قاسمؑ
گل کجا صرصرِ آتشکدہ تاثیر کجا

قطع شد بازوے ہر زور ز مشک آب ریخت
جہدِ عباسؑ کجا خواہشِ تقدیر کجا

رفتہ بر باد شباب علی اکبرؑ بہ سناں
داغِ فرزند کجا آں پدرِ پیر کجا

بر کفِ شاہ علی اصغرؑ ناداں جاں داد
تیر سہ شعبہ کجا گردنِ بے شیر کجا

بود شبیرؑ سراپا ز جراحت پر درد
آں تنِ نرم کجا نیزہ و شمشیر کجا

از لعابِ دہنِ احمدِ مرسلؐ پرورد
لب کجا سنگ کجا حلق کجا تیر کجا

"مس کبرا حبیب اللہ بلبلی"

میلاد نمبر کے پہلے

بہترین مضمون پر "منجانب ادارہ" ایک طلائی تمغہ پیش کیا جائیگا۔ مقابلہ میں صرف خواتین ہی شرکت فرما سکیں گی، تفصیلی حالات "احوال ما" میں پڑھیے۔

لاشِ اصغرؑ پہ یہی کہتی تھی ماں پیٹ کے سر! میرے بے شیر پسر!!
تو تو دنیا سے گیا ماں کو بنایا مضطر! میرے بے شیر پسر!!
تو نہ دنیا میں جیا۔ ستم اعدا نے کیا

میرے بے شیر پسر

تجھ کو پانی نہ دیا۔ خون گردن پہ لیا
کمسنی پر تری ظالم کو نہ رحم آیا ذرا۔ اے مرے ماہِ لقا
تیر بھی مارا جدا تن سے کیا تیرا سر! میرے بے شیر پسر
تھا تو محنت سے پلا۔ آئی تجھ پر یہ بلا

میرے بے شیر پسر

ہائے کچھ بس نہ چلا۔ چھد گیا تیرا گلا
سوتا اب کیوں ہے پڑا دھوپ میں میرے جانی۔ تجھکو کیا پانی
جھولا خالی ہے پڑا آ! کہ سلائے مادر۔ میرے بے شیر پسر
خوں بھرا کرتا اتار۔ مجھ کو ماں کہہ کے پکار

میرے بے شیر پسر

ماں ہو لاشے کے نثار۔ میرے بھولے دلدار

کوئی منت بھی بر آئے نہ خیالی تیری تھی یہ حسرت میری
کہ بناؤں تجھے نوشاہ جناب حیدر امیرے بے شیر پسرا!

سال بھر کا نہ ہوا۔ اے میرے ماہ لقا
میرے بے شیر پسر

کہا گئی تجھ کو قضا۔ ہائے بھولا نہ پھلا
پھر مرے پاس کب آئیگا ذرا منھ سے تو بول۔ اپنی آنکھوں کو تو کھول
ننھی سی لاش کے ماں صدقہ ہو میرے دلبرا میرے بے شیر پسرا!

شب کو ڈرتا نہ کہیں۔ اے مرے ماہ جبیں
میرے بے شیر پسر

اے میرے ماہ مبیں۔ اے میرے طفل حسین
اوس کے جو کچھ کہ مقاصد ہیں وہ سب بر لا دے کہہ کے پیغمبر سے
متفکر ہے بہت اب تیرا ذاکر قیصر امیرے بے شیر پسرا!

معزز معاصر رہبر دکن

کی رائے ہے کہ "ادارت سفینہ" نسوانی ترقی کو، مشرقی قابل غور روایات نسائی کے ساتھ وابستہ رکھنا چاہتی ہے۔ اس لئے یہ پرچہ ہماری لڑکیوں کے لئے ضرور مفید ثابت ہوگا۔ ایسے پرچوں کی ناقدری قومی خودکشی کے مرادف ہوگی......

(رہبر مورخہ ۱۶ تیر ۱۳۴۱ف م ۲۱ مئی ۱۹۳۲ء)
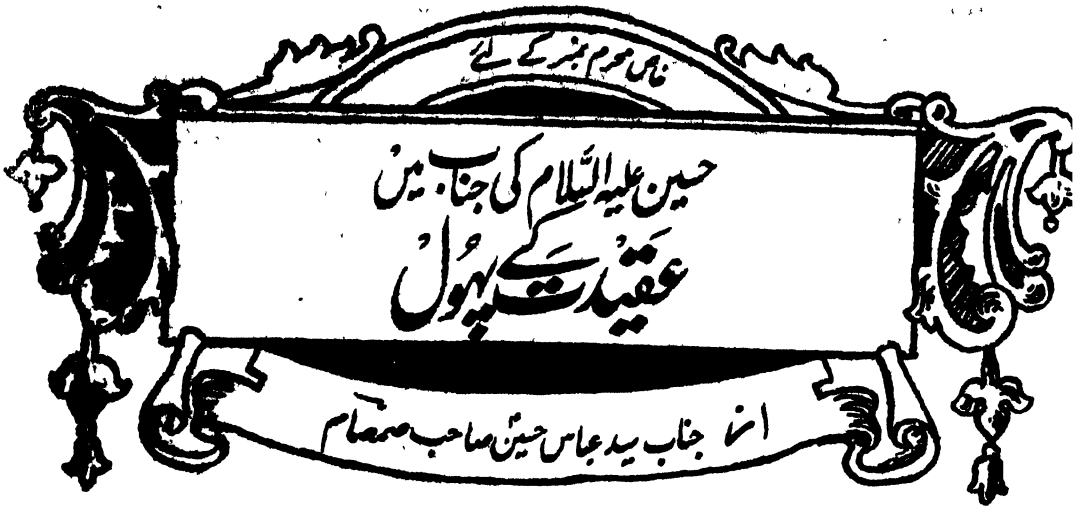
اس کشتیٔ امت کو غرقاب بلا سے بچانے والے! اے ارض نینوا میں مصیبت پر مصیبت اٹھانیوالے! اے اپنے عزیز اور رفقا کو راہِ حق میں کٹانے والے اور صدیقۂ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بھرے گھر کو دو پہروں میں لٹانے والے! اپنے دوستوں اور عزاداروں کا سلام لے۔

اے باغ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھول، اے جانشین رسولؐ! اے یادگار زوجِ بتولؐ! دنیا تیرے اور تیرے نام کے شرف بزرگی کی قائل رہی ہے اور رہے گی واقعا جو اتمام تو نے دشت کربلا میں کیا ہے وہ صفحۂ روزگار پر یادگار رہیگا اور تا قیام زمین و آسمان خون کے آنسو رولاتا رہیگا۔ حسینؑ آقا تیرے صبر و رضا پر صرف بشر ہی کیا سارے جن و ملک فدا و نثار ہیں اے شہیدوں کے سردار! اے بہترین طاعت گزار! اے خدائے پاک کے فرمانبردار! تیری عبادت، عبادت تیرا تقویٰ، تقویٰ تیرا صبر، صبر تیری رضا، رضا اور تیری وفا، وفا ہے تو نے مولا! خداوند پاک کی وہ اطاعت و فرمانبرداری کی کہ ملائکہ مقربین سے نہ ہو سکی تو نے میدان کربلا میں صبر کے وہ جوہر دکھائے جنھوں نے انبیائے ماسلف کو حیران و پریشان کر دیا۔ اگر تیرے بزرگوار غیر فرار حیدر کرار نے زور شمشیر سے اسلام کے نام کو روشن فرما کر دنیائے اسلام پر احسان کیا تو تو نے بھی اس نام کو برقرار رکھنے کے لئے جو خدمات عالیہ بجالائے وہ تا قیامت یاد رہیں گے۔

اے اوّلین مجاہد اسلام! اے مومنین و مومنات کے امام! اے مالک خدائی! اے اسلام کے فدائی! تو نے رسول مقبول کی گنہگار امت کی بخشائش کے لئے درگاہ ایزدی متان میں کیسے کیسے گراں بہا لئے کہ عقل انسانی دنگ اور حیران ہے۔ مولا تو نے ایسے اصحاب جو جناب رسالتمآب کے اصحاب سے کسی طرح کم نہ تھے۔ قاسم ابن حسنؑ جیسے بھتیجے عونؑ و محمدؑ جیسے بھانجے عباسؑ جیسے برادر اور علی اکبرؑ جیسے فرزندوں کی قربانی ہم گنہگاروں کے لئے قبول فرمائی۔

اے سید معصوم! اے آقائے مظلوم! افسوس صد افسوس کہ ہم سے تیرے خدمات عالیہ کا شکریہ جو کسی طرح ان خدمات کے لائق ہو کیونکر ادا ہو سکے۔ یہ ہماری ناپاک آنکھوں کے آنسو جو تیرے غم میں جوش محبت سے بہا رہے ہیں۔ اور بہاتے رہیں گے ان سے تیرے اُن خدمات عالیہ کا جن سے دنیا کی تاریخیں بھری پڑی ہیں ہرگز شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

رُباعیات

از جناب پنڈت راج نارائن ارمانؔ دہلوی

آئینہ قلب کو جلا دیتا ہے ؛ سب ہستی اوہام مٹا دیتا ہے
عرفاں میں کرامات ہے ارماںؔ ایسی ؛ یہ عبد سے معبود بنا دیتا ہے

اس درد کا کوئی نہ مداوا نکلا ؛ دل خون ہوا تو درد دل کا نکلا
تھی جان سو اب وہ چلی ہے ارماںؔ ؛ اچھا ہوا ایک یہ بھی کانٹا نکلا

سرِ سرورؑ کو جو نیزہ پہ چڑھایا ہوگا ؎ مجرئی خلق میں محشر نظر آیا ہوگا۔
متولد ہوئے حیدرؑ حرمِ خالق میں ؎ یہ شرف اور کسی نے نہیں پایا ہوگا
قولِ معصوم ہے واجب ہے بہشت اُس کے لئے ؎ جس نے آنسو غمِ سرورؑ میں بہایا ہوگا
فوج جسطرح سے چھائی تھی شہؑ والا پر ؎ نہ کبھی ابر بھی اس طرح سے چھایا ہوگا
دیکھ کر سوئے فلک کہتی تھی رو کر صغراؑ۔ ؎ پھر بھی ملنا مجھے بابا سے خدایا ہوگا!
ایک بجلی سی شہؑ دیں پہ گری ہوگی ضرور ؎ نیزہ اکبرؑ نے کلیجہ پہ جو کھایا ہوگا
سینۂ شاہؑ پہ سوتی تھی سکینہؑ ہر دم ؎ چین بالائے زمیں کیا اُسے آیا ہوگا
اہلِ کوفہ کی طرح اور کسی امت نے ؎ آل کو اپنے نبیؐ کے نہ ستایا ہوگا

خوف قیصرؔ تجھے کچھ مرقد و محشر کا نہیں
تیرا حامی اسد اللہؑ کا جایا ہوگا۔

———— (؎) ————
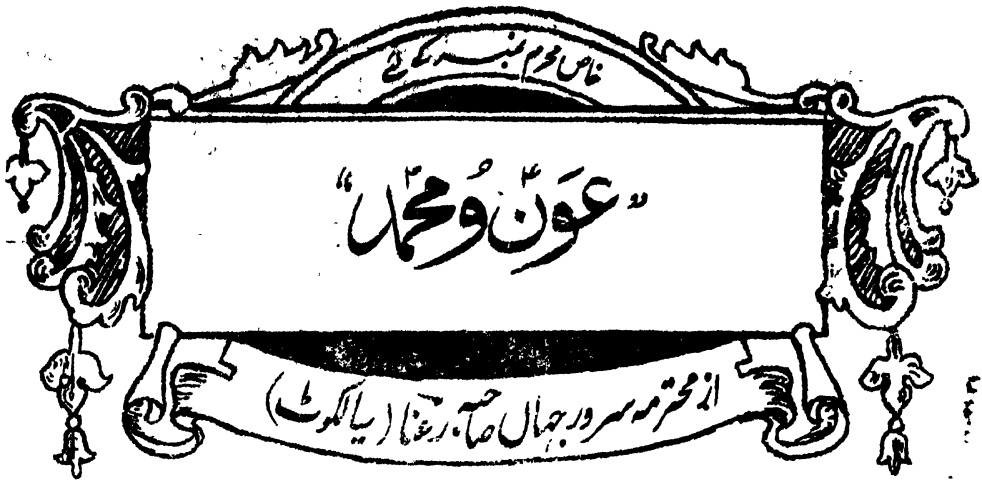
آہ! کون ایسا شخص ہوگا جو کربلا کے قیامت انگیز واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہوگا۔ اس مصیبت خیز سفر میں امام حسین علیہ السلام کی خواہر محترمہ بی بی زینبؑ معہ اپنے دونوں چاند سے بچوں عونؑ و محمدؑ کے ہمراہ تھیں۔ بچوں کی عمریں اس وقت نو اور دس برس سے متجاوز نہ تھیں۔ لیکن شہادت حاصل کرنے کا وہ پاک جذبہ جو خاندانِ سادات نے ہر فرد کے سینہ میں مشتعل ہو چکا تھا۔ ان دونوں معصوموں کے بحرِ دل میں بھی طوفان بپا کر رہا تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام کے متعدد ہمراہی جامِ شہادت نوش کر چکے۔ اور اپنی شیریں جانیں شمع صداقت پر پروانہ وار نثار کر چکے تو عونؑ محمدؑ کے سینوں میں جو چشمہ دیر سے اُبل رہا تھا۔ پھوٹ نکلا۔ دونوں بھائی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت حاصل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ اتنے میں فضّہ لونڈی حاضر ہوئی۔ اور عرض کی ——

"آپ کو بی بی زینبؑ یاد فرماتی ہیں"۔ دونوں لال ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن دیکھا ماں کا چہرہ غصّہ سے تمتما رہا ہے۔ دست بستہ کھڑے ہو گئے اور ناخفگی کی وجہ دریافت کی۔

بی بی زینبؑ نے کہا۔

"میں صبح سے تم دونوں کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ کہ اب آتے ہو اور شہادت کی اجازت اماں سے طلب کرتے ہو۔ لیکن دوپہر ہونے کو آئی۔ اور تمھیں اس کا بالکل دھیان نہیں! خاندانِ سادات کے شگفتہ پھول ظالم یزیدیوں نے پاؤں تلے مسل ڈالے۔ امام کے فدائیوں نے اپنی جانیں ان پر

نثار کردیں۔ پیارے بھائی کی اولاد اپنے باپ پر فدا ہوگئی۔ مجھے آرزو ہے کہ تم بھی اپنے سروں کو ماموں پر فدا کردو۔"

یہ سن کر عونؑ و محمدؑ نے معصومانہ انداز سے جواب دیا۔ "پیاری امی! ہم تو صبح سے شہادت کیلئے تڑپ رہے ہیں۔ ہمت نہیں پڑتی۔ کہ ماموں سے اذنِ جنگ حاصل کرسکیں۔ اچھی امی! آپ ہمارے حال پر رحم کریں اور ہمیں ماموں سے اجازت دلا دیں۔"

بی بی زینبؑ معصوم بچوں کے اس جذبہ سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ آنکھوں سے سیلابِ اشک بہ نکلا۔ بچوں سے کہا۔ "چلو میں اجازت دلوا دیتی ہوں۔" دونوں کو لیکر بھائی کے پاس گئیں اور عرض کی۔

"بھائی! بہن ایک عرض لیکر آئی ہے۔ امید ہے کہ بے آس نہ کروگے۔ پیارے بھائی! اسوقت میرے پاس اور کچھ نہیں۔ جس سے آپ کی مدد کرسکوں۔ مرد نہیں جو میدانِ جنگ میں جا کر دشمنوں کو ان کی شرارتوں کا مزہ چکھاؤں۔ یا مشکیزہ لیکر دریا سے پانی لاؤں۔ اور تشنہ لبوں کی پیاس بجھاؤں البتہ اسوقت یہ دونوں بچے حاضر ہیں۔ ان کو شرکت جنگ کی اجازت دو۔ اور ماں جائی کا دل رکھ لو۔"

امام عالی مقام بہن کی اس دلدوز تقریر سے آبدیدہ ہوگئے۔ "بہن ان شگوفوں کو اچھی طرح کھلنے دو۔ تاکہ یہ اپنی معنبر خوشبو سے دنیا کو مہکا سکیں۔ ان کی عمریں نیزے کھانے کی نہیں ہیں۔ ماں کے گھر پر انہوں نے جو تکالیف برداشت کیں وہ کیا کم ہیں۔"

لیکن زینبؑ نے بصد عجز و انکساری بھائی کو رضامند کر ہی لیا۔ اسوقت بی بی زینب نے دونوں بچوں کو دیکھا اور کہا۔

"جگر کے ٹکڑو! سدا ہار وا خدا تمھارے ان ننھے ننھے ہاتھوں میں اتنی طاقت دے کہ عمر و شمر کے سر قلم کرو۔"

آہ! کس قدر روح فرسا سانحہ تھا! کہ ایک فوج کثیر کے مقابلہ میں دو چاند سے بچے مصروف جنگ تھے۔ جو اپنی ہمت سے بڑھ کر شجاعت دکھلا رہے تھے۔ بلور سے بازو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے مہتاب سے چہرے زخمی ہوگئے۔ ظالم یزیدیوں نے خاندانِ سادات کے ان قیمتی موتیوں کو بھی جلدی ہی چکنا چور کر دیا۔ اور اس طرح ایک وفا شعار بہن نے اپنے لخت جگر بھائی پر نثار کرکے اُف تک نہ کی ۔ ؎

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے ؛ حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔

جب مدینہ میں نہ پایا کچھ بھی چین ؛ گھر کو چھوڑا، آرے گئے بن حسینؑ
واں بھی پہنچے گھات میں اہل نفاق ؛ تب کیا قصد آپ نے سوئے عراق
یہ خیال آیا کہ ہو کر قتل عام۔ ؛ ہو نہ ضائع حرمت بیت الحرام
الغرض گذرے سفر میں پانچ ماہ ؛ بستیوں میں تھی نہ جنگل میں پناہ
یوں رہے کوہ و بیاباں میں رواں ؛ آج اس منزل پہ ٹھہرے کل وہاں
پوچھتا رستہ میں زاہد جب کوئی ؛ ہے کدھر کا قصد اے سبط نبیؐ
آپ فرماتے تھے جاتا ہوں اُدھر ؛ حق تعالےٰ کی مشیت ہے جدھر

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(منقول)
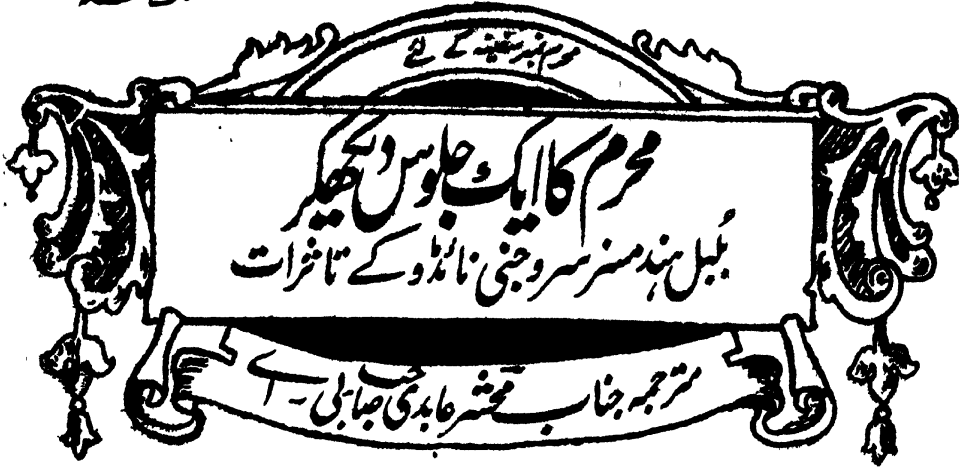
(نوٹ) عرصہ ہوا جب میں نے "ٹائمز آف انڈیا" (ویکلی) کے کسی پرچہ میں مسز سروجنی نائیڈو کی ایک نظم بعنوان بالا پڑھی۔ جو محرم کے زمانہ میں شائع ہوئی تھی۔ شاعرۂ باکمال نے یہ نظم محرم کے کسی ماتمی جلوس سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ مجھے یہ نظم بہت پسند آئی۔ میں اس کا ترجمہ پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ تاکہ پبلک کو معلوم ہو سکے کہ "محرم" کے غمناک واقعات ایک غیر مسلم ہستی کے دل میں کسقدر گہرے تاثرات پیدا کر دیتے ہیں۔ میں نے نظم کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ البتہ ترتیب میں ردّ و بدل کی گئی۔ تاہم انگریزی نظم کا کوئی لفظ ایسا نہیں چھوڑا جس کا مطلب یا ترجمہ اس نظم میں نہ آگیا ہو۔

محشر

تاریکیٔ شب کی طرح سیہ، ملبوس میں ننگے پاؤں سے ✤ کرتے ہیں تجھے جب یاد غم و آلام سے سب شیدائی ترے
اور سوچتے ہیں قربانی کو، جو دین کی خاطر تو نے کی ✤ سیلاب کی مانند آنسو کی آنکھوں سے جھڑی ہے لگ جاتی
کر دیتے ہیں دھندلا آنکھوں کو یاد آ کے ترے افسانے ✤ اور مرثیوں کو پڑھ پڑھ کر ہو جاتے ہیں سب دیوانے

پھر پیٹ کے سینوں کو اپنے شدت سے وہ ماتم کرتے ہیں
فوارۂ خوں رہتا ہے رواں حسینؑ و حسنؑ سب کہتے ہیں
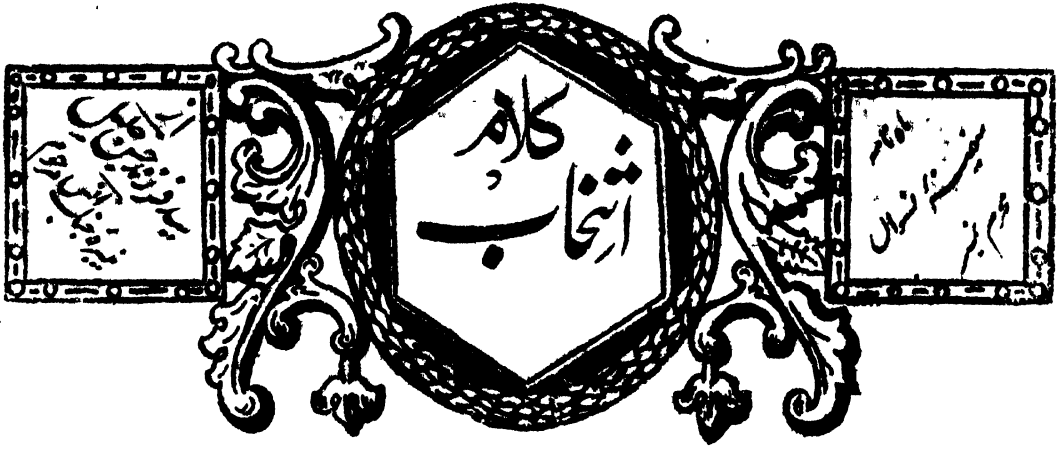
یہ بند اس مقام کے ہیں کہ جناب امام حسینؑ بعد شہادت علی اصغرؑ خیمے میں اہل حرم سے رخصت ہو کر جناب سکینہؑ کو لیکر جناب سید سجادؑ بیمار کربلا کے پاس آخری رخصت کے لئے تشریف لاتے ہیں۔

---

(۱)

لگا کے چھاتی سے بیٹی کو پھر بچشم پرآب　چلے وہاں سے لئے اُس کو مضطر و بیتاب
جہاں تھے سید سجادؑ واں پھر آئے شتاب　تپ شدید سے بیمار کا تھا حال خراب
کہا کہ لشکرِ غم ساتھ لائے ہیں سجادؑ!　اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں سجادؑ!!

(۲)

ہلا کے شانہ کہا پھر یہ با دلِ ناشاد　کہ غش سے آنکھ تو کھولو ہم آئے ہیں سجادؑ
خبر تو لو کہ پدر پر ہوئی ہے کیا بیداد　ہمارے سر کے طلبگار ہیں ستم ایجاد
عزیز اور رفقا قتل ہو گئے پیاسے!　نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ نہ عباسؑ!!

(۳)

سنا جو غش میں ہوئی گوش زد صدائے پدر　تڑپ کے کھول دیں عابدؑ نے آنکھیں گھبرا کر
پڑی جو باپ کے چہرہ پہ خستہ جاں کی نظر　ادب سے ہاتھ کو رکھا اٹھا کے ماتھے پر
کہا کہ تپ نہیں فرطِ عطش سے آنکھ کھلی　اٹھایا آپ نے آکر تو غش سے آنکھ کھلی

(۴)

تپ شدید سے اور درد سر سے ہوں بیتاب زباں بھی خشک کئی روز سے ملا نہیں آب
مصیبت آپ کی سُنکر دلِ حزیں ہے کباب نہیں مجال کہ اٹھکر پھروں میں گردِ جناب
مدد کو آپ کی میداں میں جا نہیں سکتا! پڑا ہوں ایسا کہ سر بھی اٹھا نہیں سکتا!!

جواب میں جناب امام مظلومؑ فرماتے ہیں

کہا حسینؑ نے روکر خدا کا شکر کرو۔ نہ رنج و غم میں ہو مضطر خدا کا شکر کرو
گلہ نہ لاؤ زباں پر خدا کا شکر کرو دُکھوں میں صبر ہے بہتر خدا کا شکر کرو
بشر کو اس بلاؤں سے ل نہیں سکتا! خدا نہ چاہے تو پتا بھی ہل نہیں سکتا!!

ذوالفقار کی تعریف

جہاں میں صاعقہ کردگار ہے یہ تیغ ہے شعلہ بار مگر آبدار ہے یہ تیغ
بلند مرتبہ گردوں وقار ہے یہ تیغ جو اتری چرخ سے وہ ذوالفقار ہے یہ تیغ
عدیل اس کا جہاں میں نہ اس کا ثانی ہے علیؑ کو دی ہوئی اللہ کی نشانی ہے

سبکروئی ذوالجناح کی تعریف

خرام وہ ہے کہ سبزہ بھی پائمال نہ ہو فرس گیا ہے ادھر سے یہ احتمال نہو
پھر آئے سارے جہاں میں تو خستہ حال نہ ہو چمن میں بار قدم بھر گل و بال نہ ہو
نہ کیسے پھول کی پتی بھی پاؤں سے پس کے
اسی کے نقشِ قدم ہیں گلوں پہ نرگس کے

(نیرنگ خیال)

(نوٹ)
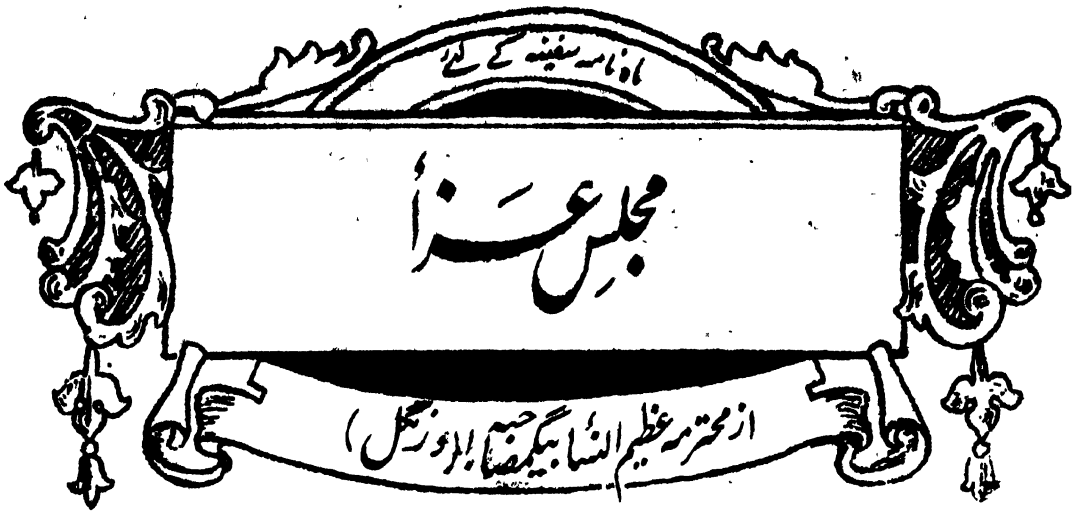
محترم بہن مدیرہ سفینۂ نسواں کی حسب خواہش امید ہے کہ کافی سے زاید مضامین واقعات کربلا و سیرت شہیدانِ کربلا کے متعلق لکھے جائینگے۔ لیکن میں نے یہ ارادہ کیا کہ جب کثرت سے اس قسم کے مضامین درج رسالہ ہوں گے تو مجھے کچھ اصلاحی مضمون لکھنا چاہئے۔ یقین ہے کہ میری یہ کوشش مشکور ہوگی۔

ممانی جان کہنے لگیں چلو! جلدی تیار بھی ہو۔ سنتی ہو! آٹھ بج رہے ہیں۔ اور بیوی تم ابھی تک کپڑے ہی بدل نہ چکیں۔

"میں بالکل تیار ہوں" میں نے جواب دیا۔ اور اس کے دس منٹ بعد میں اور ممانی جان دونوں ایک مقتدر نواب صاحب کے گھر پہونچے۔ یہ میرے لئے بالکل پہلا موقعہ تھا کہ میں دکن کی کسی مجلس عزا میں شریک ہوی۔ ممانی جان مجھے اپنے ساتھ لئے ہوے ایک بہت بڑے ہال میں پہونچیں جو حیدرآباد کی بیگمات سے پُر تھا۔ میں سرتاپا دریائے حیرت میں غرق ہوگئی۔ جب میں نے انھیں ریشمی ملبوسات میں بنے ٹھنے دیکھا۔ گو کپڑے سبز و سیاہ رنگ کے تھے اور اکثر بیگمات آبی اور [illegible] رنگ کے کپڑے پہنے ہوے تھیں۔ مگر سب کے چہروں پر بہ افراط پوڈر ملا ہوا تھا۔

ہو رہے ہیں چاند سے چہرے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے ہیں۔...... آہ ! ان ایام میں صحرا کے جانور بھی گھر نہیں چھوڑتے۔ نازوں کے پالے پھول سے بچے شدتِ گرمی سے کمھلا گئے ہیں۔ شبیر کی پیاری سکینہ کئی بار خوف و ہراس سے غش کھا چکی ہے۔ کبھی رو رو کر اپنے نازبردار بابا سے سفر کے اختتام کے بارے میں استفسار کرتی ہے۔ کبھی گھبرا کر محل سے صحرا کی جانب تکنے لگتی ہے۔ پھر خوف سے مغلوب ہو کر پھوپی کی گود میں سر ڈال دیتی ہے۔

اُف ! کربلا کا میدان نظر پڑتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اس میدان میں تھوڑی دیر کے لئے قیام کرنا پسند کرتے ہیں، خبر نہ تھی کہ یہ قیام ہمیشہ کا قیام ہوگا۔

"شاہ دیں" نے رات عبادت میں بسر کی۔ دسویں محرم الحرام کی سحر ایسی منحوس سحر تھی جس نے بھرے گھر کی صفائی دکھا دی۔ نہ دولت رہی نہ بضاعت، باپ سے بیٹے، بھائی سے بھائی جدا ہو گئے۔ بھوکے پیاسے پانی کی بوند کو ترستے شہید کئے گئے۔ دریا پر تا پاک یزیدیوں کا پہرہ تھا۔

حضرت عباس علیہ السلام سکینہ کی تشنہ لبی دیکھی نہ گئی۔ مشکیزہ لے کر دریا پر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن بی بی کو چچا کی جدائی گوارا نہ ہوئی۔ اندیشہ تھا کہ ظالم راستہ میں شہید نہ کر دیں۔ چچا کا دامن پکڑ کر بصد عجز کہا۔

"پیارے عمو ! مجھے پیاس منظور ہے۔ لیکن آپ کی جدائی منظور نہیں۔ مجھے بابا کا مددگار اب کوئی نظر نہیں آتا۔ جان سے پیارے بھائی ظالموں نے شہید کر دئے۔ نہ پیارے چچا جان ! پیاس اچھی ہے لیکن آپ کا جانا اچھا نہیں"۔

نادان سکینہ کو کیا خبر تھی کہ شہادت چچا کی قسمت میں ازل سے لکھی جا چکی ہے۔

دسویں محرم کا آفتاب نصف النہار سے قدم آگے بڑھا چکا تھا۔ امام حسینؑ کے سب عزیز و رفیق جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ اب ان کی باری تھی۔ اپنی پیاری بہن زینبؑ سے رخصت ہونا امام علیہ السلام کے لئے نہایت دشوار تھا۔ تاہم دل کو قابو میں کیا اور بہن کو صبر و ضبط کی تلقین کی اور کہا۔

"ماں جائی ! اب نہ رو۔ صبر کرو۔ صابر کا رتبہ اعلیٰ ہے۔ عزیز بہن۔ کیا بھائی کے غم میں جان گنوا دو گی ؟ اگر تم نے رو رو کر جان کھو دی تو گھر بالکل خالی ہو جائیگا۔ جان سے پیاری سکینہ اس صدمہ جانبر نہ ہو سکے گی۔ علی اکبر کے صدمہ نے ہی تم کو بے حال کر دیا ہے۔ زیادہ رنج نہ کرو پیاری زینب !

ہیں مر کر بھی تمہارے احسان نہ بھولوں گا۔ کون بہن ہے۔ جو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بھائی پر قربان کر دیتی ہے۔ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ بس اب یہی بہتر ہے کہ ہمت کو کام میں لاؤ۔ اور مجھے جانے کی اجازت دو دیر ہوتی ہے۔ اچھا ہمشیرہ خدا حافظ و ناصر!!"

پھر غم و یاس کی مجسمہ سکینہ کو قریب بلایا۔ سینہ سے لگایا۔ پیار کیا۔ امام زین العابدین کو جو بوجہ علالت جام شہادت سے محروم رہ گئے تھے۔ پند و نصیحت فرمائی۔ سیدانیوں کو ان کے سپرد کیا۔ بیوی پر آخری نگاہ ڈالی خیمہ سے رخصت ہو گئے۔ ....

آہ! اس کے بعد کیا ہوا؟ ملعون یزیدیوں کے خنجر نے جناب سکینہ کو ہمیشہ کے لئے بابا جان کا داغ یتیمی دیکر بے یار و مددگار کر دیا۔ شوہر پہلے ہی شہادت کا جام پی چکا تھا۔

اُف! وہ وقت آگیا جب آپ کو مظلوم باپ کے ساتھ، اپنے پیارے شوہر کی لاش بھی کربلا کی خاک پہ چھوڑ کر یزید بن معاویہ کے سامنے جانا پڑا۔ اس واقعہ پر اس جگر خراش سین کو دیکھ کر مسلمان جسقدر بیتاب ہوں بجا ہے۔ کہ سید الشہداء کا سر مبارک ایک سنہری طشت میں یزید کے سامنے رکھا ہے۔ وہ چھڑی سے آپ کے دندانِ مبارک پر ضربیں لگا رہا ہے۔ خاندانِ سادات کی غم زدہ بی بیاں اسی حالت میں پیش کی جاتی ہیں جن میں سب سے آگے جناب سکینہ نے اپنے پیارے بابا جان کا سر اس حال میں دیکھا۔ دل بے قابو ہو گیا۔ منہ سے ایک چیخ نکلی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آیا۔

یزید کو قدرے اپنی سفاکانہ غلطی کا اعتراف ہوا۔ جناب سکینہ سے معذرت چاہی اور کہا کہ "اگر میں معرکہ کربلا میں موجود ہوتا تو ہرگز یہ انجام نہ ہوتا۔

کربلا کے دلدوز واقعہ کے بعد آپ بھی سیدانیوں کے ہمراہ مدینہ تشریف لائیں۔ آپ کو یہ صدمات ایسے پیش آئے تھے کہ کسی وقت ان کو فراموش نہ کر سکتی تھیں۔ ہر وقت وہی سین نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ تاہم آپ میں ضبط و استقلال حد سے زیادہ تھا۔ باوجود ان سب واقعات کے آپ نے ان دنیاوی مصائب کو، ہیچ اور ناچیز خیال کیا۔ اور اس عالم جاوداں کے اجر جمیل پر بھروسہ کر کے ہمیشہ اپنی زندگانی اطمینان سے بسر کی۔

ان دنوں اسلام اور اس کے سادے عملی دور میں بیوہ کا نکاح کلنک کا ٹیکہ نہ تھا۔ اس بنا پر جناب سکینہ کے متعدد نکاح ہوئے۔

زرین اقوال

از عزیزہ ک، ف بیگم صاحبہ
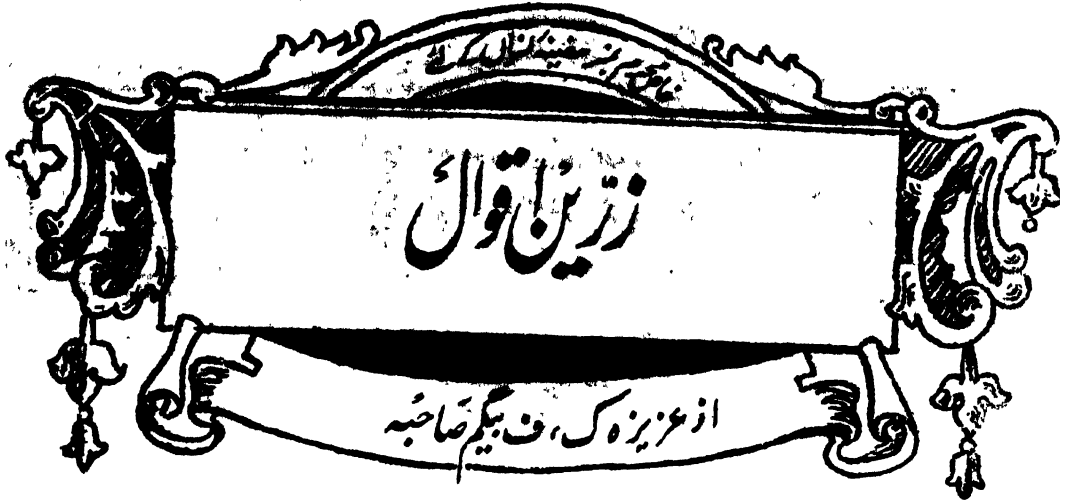
(۱) ہر شخص اپنی قسمت کا آپ خود معمار ہے۔

(۲) طلوع سحر سے پہلے ہی گھری تاریکی چھا جاتی ہے۔

(۳) زندگی ایک شمع ہے۔ ایسا شمع جس کو ہوا کا ایک ادنیٰ سا جھونکا بجھا سکے۔

(۴) بگڑی ہوئی قسمت بن سکتی ہے۔ مگر بگڑا ہوا چلن سدھرنا محال ہے۔

(۵) بزرگوں کا ادب اور چھوٹوں کی عزت تمھیں ہر دل عزیز بنا دے گی۔

(۶) صابر اور شاکر کی زندگی ایک خوشحال زندگی ہے۔

(۷) اپنے آپ کو اوروں پر فوقیت دینا گویا دنیا کی نظروں میں خود ذلیل ہونا ہے۔

(۸) ہر چیز کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے مگر محبت اور "ایثار" دونوں لاقیمت چیزیں ہیں۔

(۹) "سچی محبت" وہ پاک جذبہ ہے، جس سے انسان معبود حقیقی تک کو پا سکتا ہے۔

(۱۰) "سچی محبت"، کی ایک نظر سارے تکالیف اور کلفتوں کو بھلا دیتی ہے۔

(۱۱) جسم فانی ہے، مگر روح اور عمل غیر فانی!

(۱۲) دنیا میں کسی کے کام آؤ کہ تمھارے بعد تمھارا نام باقی رہے۔

(۱۳) خدا اس نیک دل کا بھلا کرے جو میرے محبوب کو بطور تحفہ میرے پاس بھیجتا ہے۔ — ک، ف بیگم

اے مردِ خدا! فتنۂ اغیار سے ہشیار[۱]　　ہشیار ہو! ہشیار ہو! ہشیار ہو! ہشیار
ہم تجھ سے نہ کہتے تھے کہ ہونے کو ہے پیکار　　لے، آگئی وہ سر پہ چمکتی ہوئی تلوار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہے پھر فتنۂ چنگیز جہاں میں　　اور تو ہے ابھی تک اثرِ خوابِ گراں میں
صیّاد کمینوں میں ہے، ناوک ہے کماں میں　　پیشانیٔ دوراں پہ ہیں شبخون کے آثار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

اب تک روشِ خدمتِ اغیار نہ چھوڑی　　تو نے رسنِ سبحہ و زنّار نہ چھوڑی
آشفتگیٔ اندک و بسیار نہ چھوڑی　　افسوس ہے! اے جنسِ غلامی کے خریدار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

شیون کبھی بلبل کو گوارا نہیں ہوتا　　جب تک گلِ رنگین کا اشارا نہیں ہوتا
بے آگ جو چڑھتا ہے وہ پارا نہیں ہوتا　　بے وجہ نہیں کشمکشِ سبحہ و زنّار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

مرہم ہے بہت دور ابھی زخم رسیدہ　　افسوس ہے! اے صاحبِ اوصافِ حمیدہ
گرگِ دہن آلود، و یوسف نہ دریدہ　　اے مصر کے بازار میں جلوے کے خریدار

[۱] جوش صاحب کی یہ نظم بہت دیر سے وصول ہونے کی وجہ آخری صفحات میں جگہ پا رہی ہے، جس کا "ادارہ" کو افسوس ہے۔

آڑی ترچھی مانگیں نکلی ہوئی تھیں۔ اور اکثروں کے کان بھی بالوں سے بالکل ڈھکے ہوئے تھے اور جوڑے باندھے ہوئے تھے۔ زینت دوبالا کرنے کے لئے "ہیر پن" بھی آگے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا آگے کی طرف جو نظر پڑی تو ع

اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

دو تین بیگموں کی چوٹیاں ہی بالکل ندارد تھیں۔ میں نے ممانی جان سے پوچھا کہ آیا یہ بیمار ہو گئی تھیں یا کیا سبب ہے کہ چوٹیاں ہی ندارد ہیں۔ ممانی جان نے کہا۔ "بیٹا! نئی فیشن کی لیڈیاں اب اس طرح بال کٹوانے لگی ہیں۔"

"بال کٹوانے لگی ہیں"! خیر شکر خدا کا کہ ناکیں تو بچائے رکھی ہیں۔

ایک معزز بیگم نے ممانی جان سے پوچھا۔ یہ کون ہیں! ممانی جان نے جواب دیا۔ میری بڑی نند کی لڑکی ہے۔ ایک ہفتہ ہوا ان کو یہاں آئے ہوئے۔ سیالکوٹ ضلع پنجاب میں ان کے میاں جج ہیں۔ اتنے میں ایک بیگم جو لباس سے لکھنوی معلوم ہوتی تھیں۔ ممبر پر حدیث پڑھنے کیلئے تشریف لے گئیں۔ مجلس شروع ہوئی اور اسی طرح ختم بھی ہو گئی۔ مگر کسی بیگم کے آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی گرتا ہوا معلوم نہ ہوا۔ سب کے سب اختتام مجلس تک خاموش بیٹھی رہیں۔ اس کے بعد تبرک تقسیم ہوا۔ اور ہم گھر واپس ہوئے۔

میں جب گھر واپس ہوئی تو بالکل سست و مغموم اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹ گئی۔ بڑی آپا مجھے خلاف معمول اس طرح لیٹے ہوئے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ سلطانہ! کیوں آج سست کیوں ہو؟ کیا خدانخواستہ دشمنوں کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ یا مجلس میں کسی سے جھگڑ آئیں۔"

میں نے کہا۔ آپا! میں اب ایسی بھی پاگل نہیں ہو گئی کہ ایک ایک سے لڑتی پڑی پھروں گی۔ میں مجلس عزا میں گئی تھی نہ کہ لڑنے کے لئے۔ آپا کہنے لگیں۔ تو باہر نکلکر بیٹھو۔ کچھ باتیں کرو۔ دل بہلیگا۔ میں نے کہا آپا محرم کے مہینے میں دل بہلانے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ ہم کو تو ہر وقت واقعات کربلا و مصیبت سید الشہداء کو یاد کر کے مغموم رہنا چاہئے۔ آپا نے کہا۔ تو اچھا تھوڑی دیر حدیث ہی پڑھو ہم سب سنیں گے۔ تمھیں ثواب ملیگا۔

میرے دل میں بات نہ رہ سکی۔ میں نے کہا۔ آپا! یہاں کا دستور بھی کچھ تم نے دیکھا۔ اے ہے کیا

تم بھی آج مجلس میں جاتیں تو وہاں کی بیگمات کے بناؤ سنگار کو دیکھ سکتیں۔!
آپا نے پوچھا۔ بناؤ سنگار؟ یہاں کی بیبیاں بناؤ سنگار کرکے مجلس عزا میں آتی ہیں؟
ہاں اور کیا۔ ممانی جان کہنے لگیں۔ یہاں کا دستور ہے۔
اچھا دستور ہے۔ ایسے دستور کو پانچ سلام۔ میں کبھی اب کسی مجلس میں نہ جاؤں گی۔ وہاں جانے سے تو گھر میں بیٹھ کر حدیث وغیرہ پڑھ لینا لاکھ درجہ بہتر ہے۔ توبہ۔ لاحول ولا قوۃ! کیا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ عزاداران امام اور اس طرح بناؤ سنگار کریں۔ نام کو مجلس ہوتی ہیں۔ بس اور کچھ نہیں۔
نہیں بیوی! ممانی جان نے کہا۔ اکثر بڑی بوڑھیاں جو ہیں وہ بہت سوگ کرتی ہیں۔
مگر وہ بہت ہی کم ہیں۔ جب ہم امام کے عزادار ہیں تو ہم کو سچے دل سے ان کے غم میں گریاں اور غمگینوں کی طرح رہنا چاہئے۔ فرض کیجئے ممانی جان! اگر میں مر جاؤں تو کیا آپ میرے دسویں بیسویں میں اسی طرح بناؤ سنگار کرکے آپا کے پاس جا بیٹھیں گی؟ بلکہ جب کبھی ہمارا، کوئی رشتہ دار خدانخواستہ مر جاتا ہے تو ہم اسکا اتنا غم کرتے ہیں گویا اب ہم بھی اسی کے ساتھ مر جائیں گے۔ بناؤ سنگار تو ایک طرف شاید ہمارے غم کے تبدیل لباس بھی کرنا بھول جائیں گے۔ آپا! جب ہم ادنی انسانوں کا اتنا ماتم کرتے ہیں تو ہمیں اپنے محترم رسول اکرم کے عزیز نواسے کا حد سے زیادہ غم کرنا چاہئے۔ اور میں تسلیم کرتی ہوں کہ ہم روزانہ بے شمار مرثیئے نوحے اور حدیث پڑھتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں۔ ماتم کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح ہم کو ماتم و غم کرنا چاہئے وہ ہمیں بالکل معلوم نہیں۔ غم امام میں ہم کو پریشان احوال اور غمگینوں کی طرح رہنا چاہئے۔ کیا مجلس و ماتم کرنے سے ہی ہم عزادار کہلا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ہم کو سچے دل سے امام کا غم کرنا چاہئے۔ ذرا یاد کیجئے۔ جب ہم واقعات کربلا کو پیش نظر رکھیں گے اور تین دن کی بھوک پیاس میں سبط رسول اکرم کو بے یار و مددگار شہید ہوتا ہوا خیال کریں گے۔ اور حرم محترم کی بربادی و تباہی کا منظر پیش رکھیں گے تو کس کا دل بناؤ سنگار کرنے کو چاہے گا۔ بناؤ سنگار تو خوشی کی تقریبوں میں زیب دیتا ہے۔ غم کی مجلسیں ہیں نہیں اور مجلس بھی کس کی! جس نے لاانتہا مصیبتیں اٹھا کر امت کی بخشش کے لئے اپنی اور اپنے اعزا و احباب کی جانیں راہ خدا میں قربان کیں جس نے ہم گنہگاروں کے لئے اپنی جان دی۔ کیا ہم کو اس کا ماتم اس طریقہ سے کرنا چاہئے!
ممانی جان کہنے لگیں ———

"اور بیوی جو ذرا کپڑے ٹھیک سے نہ پہنو تو کوئی ہماری پرواہ بھی نہ کریگا۔ بات کرنا تو الگ۔ ماتم زدوں کی سی صورت بنانے والوں کی دنیا میں عزت نہیں"۔

نہ ہوا کرے عزت۔ دنیاوی عزت کے خواہاں بیوقوف ہیں۔ ہم کو تو ہر صورت میں وہی کام کرنا چاہیئے۔ جس میں خدا اور رسول کی خوشنودی ہو۔

بُو نہ ہو تو رنگ کیا؟

یگانہ آرٹ

سنتا ہوں کہ ہم زبان ہیں تو پوچھو
پنہاں ہے معرفت کا پہلو پوچھو
وہ راز بھی کیا زبان سے ہے اسرار
جب سیر گل ہو تو پھر نہ بو پوچھو

حضرت میرزا یگانہ لکھنوی
سب رجسٹرار عثمان آباد
(دکن)
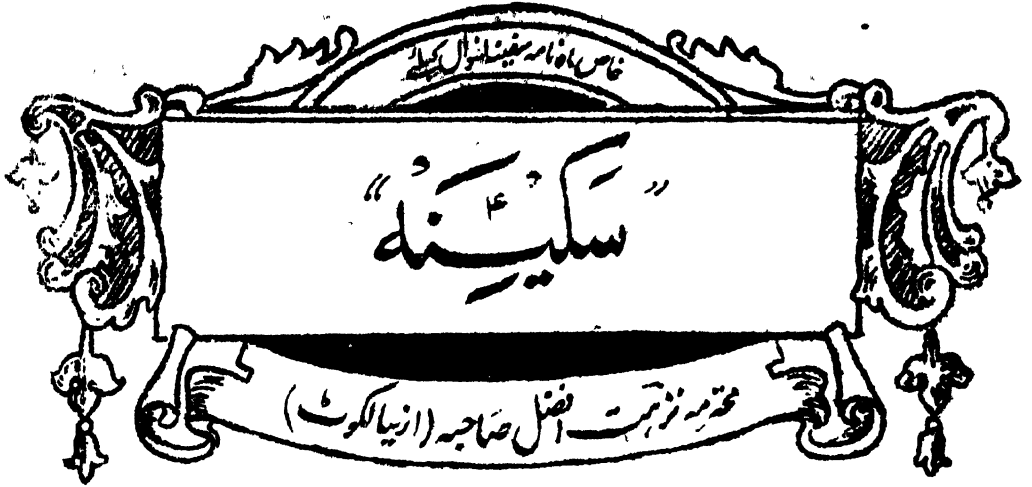
جناب سکینہؓ سیدنا امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں کہ رباب بنت امراء القیس کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ خدا نے آپ کو لاثانی حسن و جمال دیا تھا۔ آپ کو نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلائی گئی تھی۔ جس نے آپ کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دئے تھے۔ اسوقت آپ خاندان نبوت کی ایک واجب التعظیم اور شائستہ خاتون ہونے کے علاوہ بہت بڑی اور اس پایہ کی شاعرہ بھی ثابت ہوئی ہیں کہ وہ مشہور شعرائے عرب جنکا مثل آج تک عربی نظم کو نصیب نہیں ہوا۔ اپنی باہمی "لڑائی" شاعری کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور اپنے کلام کو آپ کے سامنے پیش کرتے تھے۔

سیدنا امام حسینؓ کو آپ سے خاص اُنس تھا۔ کسی حالت میں آپ کو جدا کرنا گوارا نہ کر سکتے تھے۔

جناب سکینہؓ کا عقد امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے سے ہوا۔ افسوس ابھی اس مبارک عقد کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ کربلا کا واقعہ پیش آیا۔

کون مسلمان ہے جو واقعہ کربلا سے ناآشنا ہے؟ موسم گرما کے دن جبکہ تمازت آفتاب کی وجہ سے گھر سے قدم نکالنا دشوار ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نواسہؓ، اللہ کا پیارا اپنے خاندان کے بلا افراد اور چند مخلص ارباب کے ہمراہ کوفہ کی طرف جاتا نظر پڑتا ہے۔ گرمی کے دن خوف کا راستہ پانی کی کمی پہاڑوں کی غضبناک دھوپ۔ اور صحرا کی جھلستی ہوئی لو سادات کے اس چھوٹے قافلہ کے ارادہ میں حائل نہیں ہوئی۔ نہ منزل پر راحت ملتی ہے۔ نہ راستہ میں آرام نصیب ہوتا ہے۔ پسینہ میں تر بتر

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

ابتک تری محرومیِ تقدیر وہی ہے — بدلے ہوئے الفاظ ہیں تقریر وہی ہے
گو روپ تو زلفوں کا ہے زنجیر وہی ہے — ہر حلقۂ کاکل میں ہے زنجیر کی جھنکار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

ہشیار ہو! اے مومنِ آشفتہ مقدر — ناواقفِ مردانگیٔ آلِ پیمبرؐ
چلتا نہیں کیوں طرزِ حسینؑ ابن علیؑ پر — اے سب سے بڑے صاحبِ ہمت کے عزادار!

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

جگنے میں یہ لذت ہے نہ مرنے میں مزا ہے — ہنسنے میں یہ راحت ہے نہ رونے میں مزا ہے
جو حق کے لئے جان کے کھوتے میں مزا ہے — سنتا بھی ہے اے عمرِ دو روزہ کے خریدار!

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

ناداں ترے حصے میں نہ دنیا ہے نہ عقبیٰ — افسوس ترے سر میں ہے جس راہ کا سودا
اس راہ پر اے رہروِ افسردہ تمنا — نایاب ہے نقشِ قدمِ حیدرِ کرار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

منبر پہ ترے یہ نظر آتے ہیں جو ذاکر — باطن میں ہیں بشاش، پریشاں ہیں بظاہر
یہ چست عباؤں میں ہیں لپٹے ہوئے تاجر — ان اہلِ تجارت سے خدا کیلئے ہشیار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

یکرنگ جو ہے، جیت ہے دنیا میں اُسی کی — اے صید کشاکش! یہ دورنگی نہیں اچھی
یا اپنے کفِ پا میں لگا بیٹھ کے مہندی — یا جامۂ ہستی کو بنا خون سے گلزار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

دم بھر تو کبھی غور کر اے خفتہ مقدر — مادہ تجھے قدرت نے بنایا ہے کہ یا نر
یا اوڑھ لے اے زہرہ جبیں مقنع و چادر — یا کھینچ لے اے مردِ خدا! میان سے تلوار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

یا بزمِ تمنا میں دکھا عشوۂ پُر فن — یا رَن میں کچھ اس شان سے آ گونج اُٹھے رن
یا گوندھ کے چوٹی کو، پہن ہاتھ میں کنگن — یا سر سے کفن باندھ کے مرنے پہ ہو طیار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

یا بزمِ عروسی میں بنا کاکل و گیسو — یا عرصۂ جرأت میں دکھا قوتِ بازو
یا رقص کی محفل میں بجا ناز سے گھنگرو — یا جنگ کے میداں میں سُنا تیغ کی جھنکار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

معزز معاصر سالار (ہفتہ وار) بمبئی کی رائے

نقد و نظر

سفینۂ نسواں کے نام سے ماہواری رسالہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ہے۔ ہمارے سامنے اس کا پہلا نمبر ہے۔ مقصد اعظم یادگار ازدواج و مواصلت خاندان آصفی و آلِ عثمانی کو قائم رکھنا ہے۔

اس نمبر میں ۵ عدد بلاک کی عمدہ تصاویر دی گئی ہیں۔ اور رسالہ کو محنت سے ایڈٹ کیا ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ ۲۰×۲۶/۴ پر مشتمل ہے۔ ہم اس رسالہ کی ترقی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ عورتوں میں علمی، ادبی، اخلاقی، مذاق پیدا کرنے کے لئے سفینہ کا اجرا ملکی خدمت ہے۔
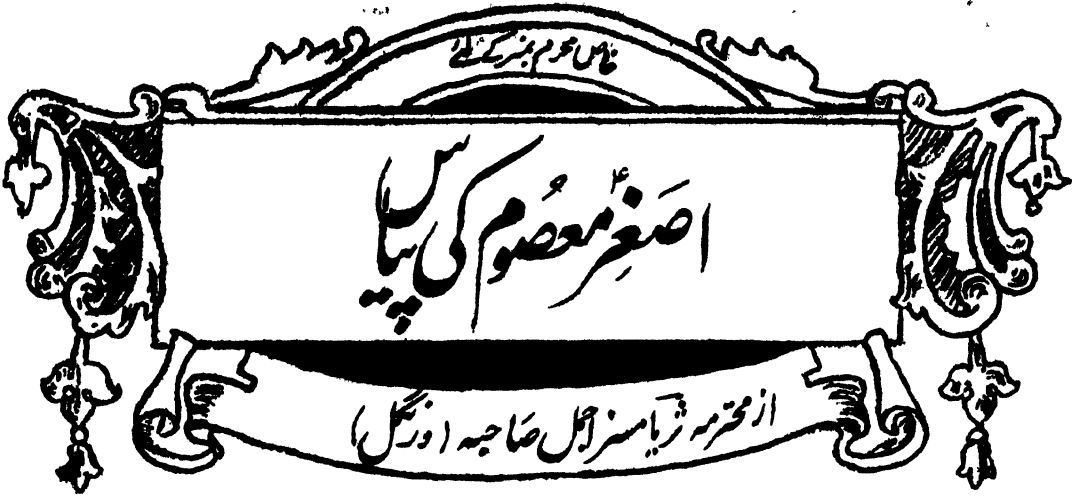
شہر کوفہ ہے اور خدا کے پیارے نبی صلعم کے جگر پاروں پر الم انگیز ساعتیں گذر رہی ہیں لعینوں نے زمین کربلا کو میدانِ حشر کر دکھانے کی ٹھان لی ہے۔ نہر فرات پر اشقیا نے اپنا پورا پورا قبضہ جمالیا ہے۔ شہر کے ہر کوئیں اور ہر چشمہ پر یزیدیوں کا تسلط قائم ہے غضب ہے کہ خدا کی نعمت سیال جو خالق کون و مکان نے اپنی مخلوقات کے لئے بہم پہنچائی ہے، اور جس کے تصرف کی ہر ذی روح کو آزادی ہے، لعینوں نے غصب کر کے اپنی بنالی ہے۔

اصغرؑ معصوم کا شدت تشنگی سے بُرا حال ہے۔ اس کی ننھی سی زبان پر پیاس سے کانٹے پڑ جاتے ہیں اور وہ باہر کھینچ آتی ہے۔ اور اپنی گلاب کی پنکھڑی جیسی زبان اپنے نرم و نازک ہونٹوں پر بار بار پھیرتا ہے، لیکن جب پیاس نہیں بجھتی ہے تو روتے اور بلکنے لگتا ہے اور اس کا چاند سا چہرہ پانی کے لئے مجسم سوال بنجاتا ہے اپنے جگر کے ٹکڑے کا یہ براحال دیکھکر ماں کی آنکھوں کے تارے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اُس کی روح غش کرنے لگتی ہے۔ اس کے دل کے ٹکڑے اڑجاتے ہیں۔ وہ جگر مسوس کر رہجاتی ہے۔ گویا خدا کی اتنی وسیع کائنات میں پانی کی بوند بھی اس کے لئے ناپید ہے۔

آہ اے میرے معبود کسقدر غم انگیز امتحان ہے! وہ ننھی سی جان تشنگی سے جبلاتی ہے۔ آسمانوں پر قیامت برپا ہے۔ افلاک لرز رہے ہیں، عرش کانپ رہا ہے، فرشتے تھرارہے ہیں

رضواں گرم گرم آنسو بہا رہا ہے، غلماں ماتم کر رہے ہیں، حوریں داڑھیں مار مار کر رو رہی ہیں۔ نیلے اور فیروزی نقرئی صراحیاں لئے ہوئے آب کوثر بھرنے دوڑتی ہیں۔ فرشتے بلوریں سبو میں سلسبیل بھر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زمین پر اتر کر اصغر معصوم کی پیاس بجھائیں۔ لیکن روک دئے جاتے ہیں اجازت نہیں ملتی۔

آہ! اے میرے مالک کتنا اندوہناک امتحان ہے۔!!

چمنستان آقائے دوسرا کی ایک نوخیز کلی ایک قطرۂ آب کے لئے منہ کھول دیتی ہے! یہ روح فرسا منظر دیکھ کر ابر باراں کا ایک ٹکڑا بالائے آسمان تھرانے لگتا ہے، اس کے دل میں ایک دریا شدت گریہ سے موجیں مارنے لگتا ہے۔ وہ برس پڑنے ہی والا تھا کہ روک دیا جاتا ہے۔ اجازت نہیں ملتی۔

آہ! میرے خدا کس قدر الم انگیز امتحان ہے!!

اس عالم امکان میں ایک ننھی ہستی پانی کے لئے ترس رہی ہے۔ رو رہی ہے، پیاس سے زبان خشک ہو گئی ہے۔ حلق سوکھ گیا ہے، آواز بھرا گئی ہے۔ اس جگر پاش نظارے سے مادر زمین کا دل ہل جاتا ہے، اس کے سینہ میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے اور ساتھ ہی پانی کا ایک چشمہ ابلتے ابلتے رہ جاتا ہے کیونکہ اجازت نہیں ....

آہ اے میرے اللہ کتنا جانگداز امتحان ہے!!

اصغر معصوم پیاس سے تڑپ رہا ہے، منہ سے آواز نکل نہیں سکتی۔ آنکھ سے پانی طلب کرتا ہے۔ سمندروں میں طوفان برپا ہے۔ موجوں میں تلاطم ہے، نہریں ساحل سے سر ٹکرا رہی ہیں۔ ایک سیلاب عظیم امنڈ آنے کو ہے مگر اجازت نہیں۔

آہ اے میرے کردگار کس قدر صبر لیوا امتحان ہے!!

اب وہ پیاس سے نڈھال اور نیم جان ہو جاتا ہے۔ آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔ پتلیاں ٹھہر جاتی ہیں، کیونکہ ان میں حرکت کی سکت تک باقی نہیں رہتی۔

اس حال زار کو دیکھ کر ایک نوجوان شہسوار تڑپ کر اٹھتا ہے۔ تیغ و سپر، نیزہ وغیرہ سے مسلح ہو جاتا ہے، ایک مشکیزہ کندھے سے لگا لیتا ہے اور ایک مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کی فوج میں گھس پڑتا ہے، صفوں کو چیرتے اور درہم برہم کرتے اور کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے

نہر فرات پر صحیح و سالم پہنچ جاتا ہے۔ وہ مشکیزہ کو پانی سے بھر کر مردانہ وار واپس ہوتا ہے۔ اس دلیری اور بہادری کو دیکھ کر دشمنوں کی زبانوں سے پہلے لمحہ میں بے اختیار نعرہ ہائے تحسین بلند ہو جاتے ہیں، دوسرے لمحہ میں اس یزیدی لشکر میں ایک ہلچل برپا ہوتی ہے۔ اور چار جانب سے اس شہسوار پر تیروں کی بارش ہوتی ہے وہ ہمہ تن جوش و خروش بنا ہوا تیروں کو روکتا ہے اپنے سے زیادہ مشکیزہ کو بچاتا ہے۔ دشمنوں کی صف کو کاٹتا ہوا سرعت سے نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ہر طرف سے گھیر لیا جاتا ہے وہ مشکیزہ کی حفاظت میں بُری طرح زخمی ہو جاتا ہے۔ بالآخر تیروں کی پیہم بوچھار سے مشکیزہ چھلنی چھلنی ہو جاتا ہے اور پانی کا ایک قطرہ بھی بچتا نہیں اب وہ جوش غضب میں آکر زخمی شیر کی طرح حملہ آور ہوتا ہے ایک ایک وار میں کئی کئی لعینوں کے سر کٹ کٹ کر گرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سروں کی بارش ہو رہی ہے۔ یہ دیکھکر یزیدیوں کے حواس نکل جاتے ہیں۔ غیب سے ایک آواز آتی ہے کہ "بس! تیرے صبر و رضا کی آزمایش مقصود ہے" اس کا سر جھک جاتا ہے اور ہاتھ سست پڑ جاتے ہیں، دشمنوں کو موقع ملتا ہے ہر جانب سے ایک جان پر پیہم وار ہوتے ہیں۔ وہ شہسوار گھوڑے سے نیچے آتا اور جام شہادت نوش کرتا ہے۔ اس کی خبر خیمہ میں پہونچتی ہے، جہاں قیامت میں قیامت برپا ہو جاتی ہے۔

آہ۔ اے میرے پروردگار کتنا محشر انگیز امتحان ہے!!

شدت تشنگی سے جگر پارۂ حسین علیہ السلام کی جان سارے جسم سے سمٹ کر لبوں پر آجاتی ہے۔ گردن کا منکا ڈھل جاتا ہے۔ صرف لبوں پر خفیف سی حرکت باقی رہتی ہے، جس سے پانی پانی کی صدا مترشح ہوتی ہے۔

اس الم انگیز نظارہ سے باپ کی روح تڑپ جاتی ہے۔ وفور درد و کرب سے اٹھتے ہیں بچے کو اپنی گودی میں لیکر باہر تشریف لاتے ہیں اور دونوں ہاتھوں میں بچے کو لیکر بچشم تر ایک درد بھری آواز میں جو التجائے رحم کے تاثرات سے پُر ہوتی ہے۔ یزیدیوں سے پکار کر فرماتے ہیں " اے خدا کے بندو اگر تمھارا کوئی قصور کیا ہے تو ہمنے کیا ہے نہ کہ اس معصوم نے، دیکھو یہ ننھی جان پیاس سے دم توڑ رہی ہے خدا کے قہر سے ڈرو، اس معصوم ہستی پر رحم کھاؤ، للہ اب تھوڑا سا پانی اس بچے کے حلق میں ٹپکا دو کہ اسکی جان بچ جائے"۔ اس کے جواب میں لعینوں کے ترکش سے ایک تیر سنسناتا ہوا چھوٹتا ہے اور اصغر معصوم کے ننھے حلق سے پار ہو کر اسکی تشنگی ہمیشہ کے لئے بجھا دیتا ہے۔ آہ۔ اے میرے معبود کیا ہی قیامت خیز امتحان ہے۔!!
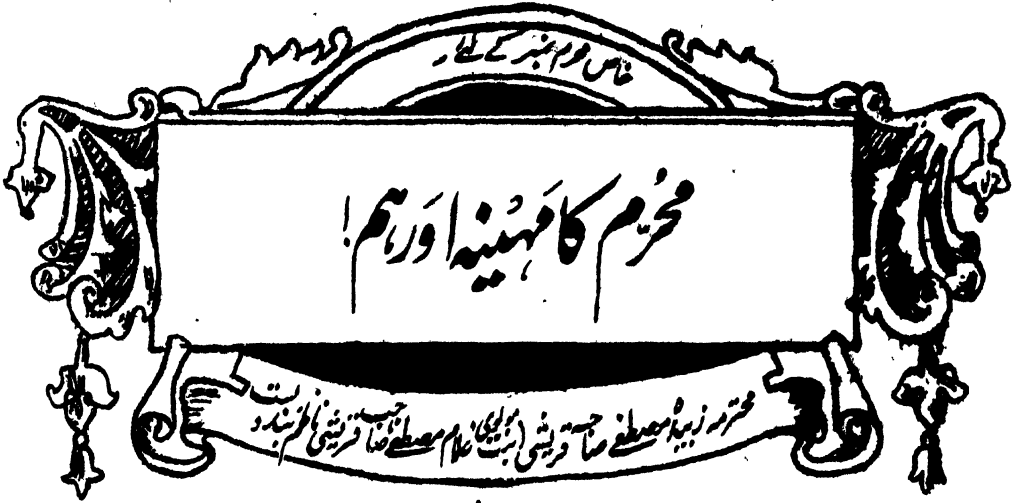
محرم کا مہینہ ہمارے ہاں اکثر گھرانوں میں غم کا پیام پہنچانے کے بجائے نوید مسرت لاتا ہے۔ کس قدر تعجب اور افسوس ہے کہ اس سراپا غم کے مہینہ میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔

محرم ایک ایسا مہینہ ہے جس میں ہمارے پیارے نبیؐ کی آل اطہار پر طرح طرح کے مصائب توڑے گئے، کونسی مصیبت تھی جو نہ برداشت کی گئی، اور کیا آفت تھی جو نہ جھیلی گئی۔ ان الم انگیز واقعات اور حادثات کو پڑھیے تو دل کے ٹکڑے اڑ جائیں آنکھ سے خون رواں ہو، مگر میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے ہاں بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ خوشیاں منائی جاتی ہیں اور رنگین کپڑے پہننا، شربت بنانا، کھچڑی پکانا ہی گویا ماہ محرم کا مقصد وحید قرار پاتا ہے۔

حیرت ہے اس بے موقع خوشی کے کیا معنیٰ۔ ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے۔ کوئی شربت بنانے کی تیاری میں مصروف ہے کوئی اپنے بچوں کو فقیر کرنے کے لئے جھولی ڈال کر بھیک مانگنے نکلے ہیں کوئی بچوں کو فقیر کر کے انعام مانگنے لائے ہیں۔ غرض ہر طرح کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ بچیاں ہیں کہ ماں کے پاس مچل رہے ہیں کہ ہمکو نیا لباس بناؤ تاکہ ہم فقیر ہوں دوسرے سب نیا پہن رہے ہیں۔ ہم کیسا پرانا پہنیں؟

لیجئے کیا خوب امام حسینؑ کا غم کیا جا رہا ہے۔ کسی کے آنکھ سے ایک غم کا آنسو نہیں گرا اور کسی نے درود شریف پڑھ کر نہیں بخشا۔ مگر سب ہیں کہ امام حسینؑ کے نام پر بچوں کو فقیر کرنے اور شربت کے

مطلبیا بنا بنا کر شہدائے کربلا کو خوش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر ان کی جو سچی خوشی ہے۔ اسکو پورا کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ کیا فاتحہ شربت پر ہی ہوتی ہے؟ اگر آپ ایک پیسہ کی شکر منگا کر صدق دل سے فاتحہ دلائیں بھی تو ہو سکتی ہے۔ اور اگر دو سو بھی خرچ کئے جائیں تو وہی ہوگا۔ مگر ثواب تو ہر دو کا ایک ہی ہے۔ لیکن ہمارا دل تو اچھے اچھے پکوان پکا کر کھانا چاہتا ہے۔ نہیں بلکہ اپنے رشتہ داروں کو کھلانے میں مزا آتا ہے۔ مگر کسی غریب محتاج کو امام حسینؑ کے نام پر کچھ دینے دل نہیں ہوتا۔ اگر ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں تو قرض لیا جائیگا، مگر شربت کھچڑی اور فقیر ہونا نہیں رکیگا۔ اور بغیر دھوم دھام کی فاتحہ کئے کے وہ فاتحہ ہی قبول نہ ہوگی۔

اگلے سال کا ذکر ہے کہ ایک ماما ہمارے پاس نوکر تھی وہ محرم کی سات تاریخ کو میرے پاس آئی اور کہا بی بی اگر آپ بیگم صاحبہ سے کہکر اس ماہ کی تنخواہ پیشگی دلادیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ میں نے کہا۔ "ابھی تم کو تنخواہ لیکر ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا۔ پھر تنخواہ پیشگی مانگ رہی ہو۔ ایسی کیا سخت ضرورت ہے"۔ اس نے کہا۔ "وہ تنخواہ تو بچی کی فقیری کے کپڑے بنانے میں خرچ ہو گئی۔ اب شربت کھچڑی وغیرہ کے لئے روپیہ کی سخت ضرورت ہے"۔ اس بیچاری کی تنخواہ آٹھ روپیہ تھی۔ میں نے اس کو بہت سمجھایا کہ اس طریقہ سے روپیہ بیکار مت برباد کرو۔ اگر ایکدم دو ماہ کی تنخواہ یوں خرچ کردوگے تو کیسا ہوگا۔ مگر اس نے سنا ہی نہیں اور کہا کہ بی بی امامؑ مدد ہوں گے۔ آپ ایسا مت بولو میں ہر سال کرتی ہوں اگر اس سال نہیں کی تو کوئی ایک مصیبت میں پھنس جاؤں گی۔ میں نے اس کو ہزار طریقہ سے سمجھایا بہت ساری مثالیں دیں اور خود ہماری بھی تمثیل پیش کی کہ دیکھو ہم کچھ نہیں کرتے سوائے فاتحہ دلانے اور غریب و محتاج لوگوں کو کھلانے کے۔

بجائے اس فضول خرچی کے تم کچھ پڑھکر حضرت امام حسین علیہ السّلام کی جناب میں بخشو اور حسب مقدور کچھ خیرات کرو۔ کیا امام حسینؑ نے ایسا فرمایا ہے کہ قرض کرو۔ مگر زعفران ڈالا ہوا کھویا کا شربت روٹ کھچڑی وغیرہ پکا کر فاتحہ دلاؤ۔ وہ تو صبر و شکر کے بندے تھے۔ بھلا اُن کو روٹ اور شربت کہاں نصیب ہوا۔ وہ تو ایک ایک بوند پانی کے لئے تڑپ گئے، اور اپنی عزیز جانوں کو ہم گنہگاروں کے بخشائش اور امت کی سرسبزی کی خاطر فدا کردیا۔

ہاں! فاتحہ اور خیرات کا صحیح مصرف یہ ہے کہ جو کچھ بھی میسر ہو اس کی فاتحہ دلائے، اور بجائے

اپنے عزیزوں کو کھانے کے غریبوں کو کھلائیے روپیہ پیسہ سے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کیجئے۔ اُن کے اس نازک وقت کو یاد کیجئے اور آنسو بہائیے۔ سوچئے کہ انھوں نے ہماری خاطر کیا کیا مصیبت جھیلے اور کیا کیا تکالیف برداشت کئے اور اپنے جگر گوشوں تک ہم سیہ کاروں کی خاطر قربان کر دیا۔ اگر وہ چاہتے تو ان کے لئے کیا کچھ نہ تھا۔ مگر اُنہوں نے رضائے الٰہی کو مقدم جانا اور اسی پر تکیہ کئے رہے۔

بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ ہم محرم کے دس دن تک قرآن شریف کی تلاوت کریں درود پڑھیں روزہ رکھیں ہر وقت شہدائے کربلا کی مصیبتوں کو پیش نظر رکھیں۔ میں دل سے دعا کرتی ہوں کہ خدا ہم کو راہِ نیک پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم اپنے بزرگوں کی مبارک زندگیوں پر چلکر ان کے بتلائے ہوئے طور و طریق پر عمل پیرا ہو کر سارے عالم میں پھر اسلام کا ڈنکہ بجا دیں آمین!

ہمعصر نظام گزٹ (ہفتہ وار) حیدرآباد دکن کی رائے

تقدو تبصرہ

"سفینۂ نسواں" ہمارے ہاں اس نام کا ایک ماہوار رسالہ تنقید کے لئے وصول ہوا ہے اس رسالہ کے مضامین میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے طبقۂ نسواں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کیا جائے۔ حیدرآباد میں آئے دن نئے نئے جرائد نکل رہے ہیں جس سے یہاں کی علمی ذہنیت کی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔

ہمجولی کو نکلکر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کے اب ہمیں ایک نئے رسالہ کو دیکھنے سے مسرت ہوئی۔ یہ رسالہ شکل و صورت میں ہمایوں لاہور کی سائز پر ہے۔ اس کے مضامین زیادہ تر طبقۂ نسواں کے ہیں اور اس میں تصاویر کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت دولہن دردانہ بیگم صاحبہ اور حضرت دلہن فرحت بیگم صاحبہ کے تصاویر خاص ہیں۔ جو اب تک کسی ہندوستانی جریدے میں شایع نہیں ہوئے۔

کہ کیا ہم میں اب وہ استقلال اور وہ جوش قومی باقی ہے؟ کیا ہم میں صبر و ضبط اور رضائے الٰہی پر راضی رہنے کا وہ مادہ موجود ہے، جو ہمارے بزرگوں میں تھا؟ مگر نہیں! ہم کو اتنی فرصت ہی کہاں جو ان کا مطالعہ کریں ہم کو اپنا عیش اتنی مہلت ہی کب دیگا، جو ان مبارک زندگیوں سے اپنی موجودہ خراب خستہ حالت کا مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ ہم کیا تھے، اور کیا ہو گئے؟

یہ سچ ہے، جب کسی قوم پر ادبار و افلاس کی گھٹا چھا جاتی ہے، تو اس کے افراد میں کچھ ایسی بے حسی پائی جاتی ہے، کچھ اس طرح کا جمود گھر کر لیتا ہے کہ پناہ بخدا۔!! اُن کے مستقبل پر جب نظر جاتی ہے تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا جاتا ہے، دل کانپ اٹھتا ہے کہ الٰہی خیر ہو!! جس مقدس مذہب کے سنگ بنیاد کو، اس کے بزرگوں نے، اپنے جگر گوشوں کی ننھی ننھی لاشوں پر رکھا ہو، اپنے برابر کے بھائیوں اور عزیزوں کو خود اپنے ہاتھوں آغوش لحد میں دیکر اسکو مستحکم بنایا ہو، جس پاک دین کے استحکام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی، اور زبردست سے زبردست ایثار کو قبول کیا ہو جس خدائی مذہب کی دیواروں میں مٹی کے ساتھ، بجائے پانی کے، اپنا اور اپنے عزیزوں کا خون ملایا ہو جس دین متین کی آبیاری اصغر بیارے جیسے ننھے کے خون نے کی ہو، کیا؟ اُس مقدس مذہب کی دیکھ بھال ایسی ہی ہونا چاہئے۔ کیا، اس کا وقار ایسے ہی قایم رکھا جائیگا؟ کیا اس کی عظمت اور برتری کا قیام، اس غفلت اور جمود میں ممکن ہے؟ اس پودے کو جس کی جڑیں خون پی پی کر، سارے عالم میں پھیل گئی ہیں، اگر پانی تک بھی نہ دیا جائے تو پھر اسکا سرسبز اور شاداب ہونا محال نہیں تو پھر کیا ہے؟ ایسے درخت کے بارور ہونے کی توقع عبث، اور ایسی تمنا یقیناً فضول! خدا کے لئے جاگو! اٹھو!! اور دیکھو!! کہ آج ہماری کیا حالت ہو گئی ہے۔ ہماری ملت کا "سفینہ" کس گرداب بلا میں جا پھنسا ہے؟ مصیبتوں کا دریا ہمارے اطراف موجیں مار رہا ہے، باد مخالف ٹوٹے پھوٹے "سفینہ" کو ہچکولے دے رہی ہے، زمانہ ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر، ہمارا مذاق اڑاتے ہوئے، ترقی کے اعلیٰ مدارج بہ سرعت طے کرتا جا رہا ہے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور اب سے نہیں کوئی ایک صدی سے ہم پر تازیانے پڑ رہے ہیں مگر ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھتا نظر نہیں آتا ہم کچھ ایسی بے خبری کی نیند سو رہے ہیں کہ نعوذ باللہ قیامت کا صور ہی شاید ہم کو جگائے۔ اگر بے حسی، غفلت، اور جمود کی یہی کیفیت کچھ دنوں اور رہی، تو وہ وقت بھی قریب کچھ عجب، اسلام، در بدر بھٹکتے ہوئے کہتا پھریگا ؎

من از بیگانگاں، ہرگز نہ نالم — کہ بامن، ہر چہ کرد، آں آشنا کرد

خدارا عزیز بہنو! غفلت کی نیند بس ہو چکی، اب اٹھو اور متحد ہو کر راہ عمل پر گامزن ہو ؎

مصیبت میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں، نہ تقدیریں
جو ہو جوش عمل پیدا، تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں } سر اقبال

کسی کا کیا بہتر خیال ہے کہ "عورت ہی ملک کی قسمت ہے" اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ملک یا قوم کے بننے یا بگڑنے کا مدار عورت اور صرف عورت پر ہے ۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو راہ نیک پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم میں وہ اگلا سا جوش پیدا ہو۔ آمین

کثرت کار کی وجہ گذشتہ پندرہ دن سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ۔ بخار اور نزلہ کی شدت نے ناک میں دم کر رکھا ہے اگر میں کچھ دنوں کامل آرام نہ لوں تو خوف ہے کہ یہ سلسلہ طویل ہو کر مجھے اپنے طبقہ کی خدمت سے محروم رکھیگا ۔ اسی لئے میں نے "محرم نمبر" کو مئی و جون کا یکجائی نمبر قرار دیا ہے ۔ آیندہ مہینہ کے پرچہ کا انتظار نہ فرمائیے، انشاءاللہ جولائی میں "میلاد نمبر" نکال کر میں اس کی تلافی کر دوں گی ۔ امید کہ ہمدردانِ "سفینہ" مجھے معاف فرمائیں گے ۔

میلاد نمبر کی تیاری ابھی سے شروع کر دی گئی ہے، اور مضامین ختم جون تک دفتر پر پہونچ جانا چاہئے اس خاص نمبر کے پہلے بہترین مضمون پر جناب "ادارہ" ایک طلائی تمغہ پیش کیا جائیگا ۔ مضامین فلسکیپ سائز کے کم از کم ۱۰ صفحات پر خوشخط لکھے جانے چاہئیں ۔ حسب ذیل عنوانات میں کسی ایک پر آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیے۔

(۱) اسلام میں عورت کا درجہ ۔ — اس عنوان کے تحت یہ دکھلانا ہوگا ۔ کہ قبل رسالت دنیا میں عورت کی کیا حالت تھی؟ اور جب اسلام نے اس مظلوم طبقہ کو اپنی آغوش میں لے لیا تو اسکو کیا درجہ ملا؟ اور وہ کن مراعات سے سرفراز کی گئی ۔

(۲) مسلم خاتون کا ماضی، حال اور مستقبل! — یعنی مسلم خواتین کا ماضی کیا تھا، اور موجودہ حالت کیا ہے؟ اور ان دونوں کے تقابل سے آیندہ دور کی نسبت اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرنا ہوگا ۔ ماضی سے مطلب وہ دور ہے جب ہمارے کچھ پہلے دن تھے ۔

(۳) عورت کی زندگی کے تین دور ! — عورت بحیثیت ایک خدمتگزار فرمانبردار بیٹی کے، ایک وفا شعار اور ملنسار بیوی کے، اور ایک شفیق و رفیق ماں کے، اگر عورت اپنے ان تینوں دور کو کامیابی کے

کے ساتھ گذارنا چاہے تو اس کو کن طریق کار پر
عمل پیرا ہونا چاہئے ۔ اپنی تجاویز پیش کرنی ہونگی ۔

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ اس مقابلہ میں صرف خواتین ہی شریک ہوسکیں گی ۔ اس خصوص کے تمام مضامین کم از کم ۲۰ ۔ جون تک میرے نام آنے چاہئے ۔ تاکہ "ادارہ" کے انتخاب کے بعد قطعی فیصلہ کے لئے ذیل کی محترم خواتین کے ہاں بھجوائے جاسکیں ۔

محترمہ و معظمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب (ایم ، بی ، سی ، ایچ ، بی اڈنبرا)
" " مسز مولوی غلام مصطفے صاحب قریشی (ناظم بندوبست ، سرکار عالی)
" مکرمہ مسز صوفی صاحب ایم ۔ اے علیگ (لکچرار محبوبیہ گرلس اسکول)
" " " "ج" نقوی صاحبہ ۔
" " بدر النساء بیگم صاحبہ (معلمہ) منشی فاضل (مددگار گورنمنٹ زنانہ ٹریننگ کالج بلدہ)

کوشش کی جارہی ہے کہ منتخبہ مضامین کے علاوہ تمام مضامین درج رسالہ ہوں ۔ میری یہ خواہش ہے کہ "میلاد نمبر" کے مضامین کی فہرست میں صرف خواتین ہی کا نام نظر آئے ۔ اگر ملکی بہنیں توجہ کریں تو یہ امر کوئی مشکل نہیں ۔

میں نے گزشتہ دفعہ "نونہال نمبر" کا تذکرہ کیا تھا ، اس "خاص نمبر" کا مطالبہ بھی ملک کے گوشہ گوشہ سے ہورہا ہے ۔ مگر یہ میرے بس کی چیز نہیں ۔ جب تک ایسے نونہالوں کے تصاویر (جو تندرستی و شگفتگی کا مکمل نمونہ ہوں اور جن پر مادر وطن آئندہ فخر کرے گی) مجھے حاصل نہ ہوجائیں ۔ میں اس کو کیسے شایع کرسکتی ہوں! محترمہ بہن کریم النساء بیگم (پربھنی) سے کہتی ہیں کہ "نونہال نمبر" کا خیال بہت اچھا ہے ، ضرورت ہے کہ ہماری ملکی بہنوں کو بچوں کی پرورش کے طریقوں سے واقف کرایا جائے میں اس نمبر کی کامیابی کے لئے دعا کرتی ہوں ، آپ جو وقت چاہیں مجھ سے مجید کی تصویر طلب فرماسکتے ہیں ۔ جس کی عمر صرف ۴ سال ہے اور میرے خیال میں اس کی صحت بھی اپنی آپ نظیر ہے ۔ میں تمام بہنوں سے استدعا کرتی ہوں کہ وہ "سفینہ" کی ہر طرح مدد کرتی رہیں ، تاکہ ہماری ، باہمت بہن محترمہ مدیرہ رسالۂ مذکور کی حوصلہ افزائی ہو ۔ اور وہ ہر ممکن طریقہ سے ہمارے پسماندہ طبقہ کی اصلاح کرسکیں "نادار فنڈ" کے قیام سے تو آپ نے غریب

لڑکیوں کو شرمندۂ احسان بنایا ہے۔ دس روپیہ نادار فنڈ کے لئے بھیج رہی ہوں اور دس نونہال نمبر کی کامیابی کے لئے تاکہ "سفینہ" کو زیادہ زیر بار ہونا نہ پڑے۔ حقیر رقم اگر قبول فرمائی جائے تو ممنون ہونگی۔

عزیز بہن کریم النسا بیگم کی میں شکر گزار ہوں آپ نے حقیر "سفینہ" کی نسبت جن بہتر خیالات کا اظہار فرمایا ہے، وہ یقیناً میری حوصلہ افزائی کا باعث ہوئے۔ نادار فنڈ کی شرکت پر میں دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ بہتر ہوگا جو آپ چند غریب اور نادار لڑکیوں کے نام اور پتہ لکھ بھیجیں تاکہ ان کے نام رسالہ جاری کیا جائے "نادار فنڈ" کا مقصد صرف یہی ہے کہ آفتاب علم کی نورانی کرنوں کو ملک کے تاریک ترین گوشوں میں پہنچایا جائے۔ اس سے ایک تو غریب لڑکیاں مستفید ہونگی۔ دوسرے "سفینہ" کی توسیع اشاعت کا سوال بھی بآسانی حل ہوگا۔

"نونہال نمبر" کے مضامین کے لئے حسب ذیل عنوانات مقرر کئے گئے ہیں:۔

(۱) بچوں کی نگہداشت اور اُن کی پرورش کے طریقے!

(۲) یوروپین اقوام کی خوشحالی کا راز۔ بچوں کی ہر وقت دیکھ بھال اور ان کی بہترین پرورش میں مُضمر ہے۔

(۳) بچے کی پیدائش سے آٹھ برس کی عمر تک ماں کے کیا فرائض ہونے چاہیں۔

(۴) ملک و قوم کی قسمت کا دارومدار کیا اس کے نونہالوں پر نہیں؟

امید ہے کہ اہل قلم حضرات و خواتین ان عنوانات کے سوا اپنے بہترین تجارب اور قیمتی معلومات سے ملکی خواتین کو فائدہ پہنچائینگے۔ خصوصیت سے میں جناب ڈاکٹر لطیف سعید صاحب (ایم، بی، سی، ایچ، بی (ایڈنبرا) جناب ڈاکٹر محمد عثمان خان صاحب (رکن اعلیٰ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ) اور جناب ڈاکٹر محمد عبد الرحمان خان صاحب وغیرہ کی توجہ مبذول کرانے کی جرأت کرتی ہوں۔

بچوں کے تصاویر اور مضامین اگر مجھے ابھی سے ملنے شروع ہو جائیں تو انشاء اللہ **میلاد نمبر** کے بعد ہی نونہال نمبر پیش کروں گی۔

"نادار فنڈ" کے متعلق مکرم بہن عظیم النساء بیگم صاحبہ (مددگار مدرسۂ تعلیم المعلمات تلنگی ورنگل) تحریر فرماتی ہیں کہ رسالہ "سفینۂ نسواں" وصول ہوا، ہدیۂ تشکر قبول فرمائیے۔ اس کو اس آب و تاب اور کامیابی کے ساتھ نکلتا دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی "نادار فنڈ" کی تحریک سے مجھے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ اس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے، اور قوم کے ایک غریب طبقہ کو آپ کے دست مبارک سے فیض پانے کا موقع ملے۔ آمین۔

"چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیج رہی ہوں، نادار فنڈ میں شریک فرما کر ممنون فرمائیے انشاء اللہ تعالیٰ میں کوشش کروں گی کہ بہت سی ہمدرد بہنیں اس میں شریک ہوں، تاکہ انھیں ثواب دارین حاصل ہو"۔ بہن موصوفہ کی ہمدردیوں کی میں رہین منت ہوں۔

عزیز بہن "ج" نقوی صاحبہ تحریر فرماتی ہیں کہ .... "سفینہ" کی صوری و معنوی خوبیوں کی جو میری نگاہوں میں وقعت ہے، قریب قریب ہر نگاہ حقیقت بین کی نگاہیں وہاں تک پہنچ سکتی ہیں۔ جو چیز سراپا حسن ہو اس میں قبیح کی تلاش جستجوئے گرد احمر سے کم نہیں۔ اب بتائیے کہ خرابی کہاں سے لاؤں۔ جس پرچے کی ابتدا اس خوبی و اہتمام سے ہو اس کا انجام سوچنے کی بھی کیا ضرورت؟ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جبکہ "سفینہ" بام رفعت کی باکمال بلندیوں پہ چمکتا نظر آئیگا"۔ بہن ممدوحہ کے عنایات پیہم سے سبکدوش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔ "سفینہ" کے بارے میں آپ کا یہ فرمانا ہے کہ جو چیز سراپا حسن ہو اس میں قبیح کی تلاش جستجوئے گرد احمر سے کم نہیں" یہ سچ ہے "بھلے آدمیوں کو ہر چیز بھلی لگتی ہے"۔

محترمہ بہن بدر النساء بیگم صاحبہ (مددگارہ گورنمنٹ زنانہ ٹریننگ کالج بلدہ) رنجیدہ ہیں کہ دکن کا ایک مخصوص "تنگ نظر اور کوتاہ بین طبقہ "سفینہ" کو اپنی خاص نظروں سے دیکھتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جہاں دس بیس خیر خواہ پیدا ہوں وہاں دو چار بدخواہ بھی ضرور نکل آتے ہیں۔ میں مسرور ہونگی اگر محترم بہن کی رنجیدگی حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کے اس مصرع سے دور ہو جائے۔

بدم گفتی و خرسندم، عفاک اللہ، نکو گفتی

"مدیرہ"

محترمہ و کرمہ مصطفائی بیگم صاحبہ (مددگارہ محبوبیہ گرلس ہائی اسکول حیدرآباد) نے امسال مدراس یونیورسٹی کے امتحان "منشی فاضل" میں کامیابی حاصل کی ہے۔

آپ حیدرآباد کی پہلی خاتون ہیں، جن کے سر مذکورۂ امتحان کی کامیابی کا سہرا بندھا ہے۔ میں صدق دل سے بہن موصوفہ کی خدمت میں اس کامیابی پر ناچیز "ہدیہ مبارکباد" پیش کرتی ہوں۔

مدیرہ

جناب سید کریم اللہ احمد صاحب (رائچور) نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

ہمارے ملک کی خوش نصیبی ہے کہ اب وہ دن قریب آرہے ہیں جبکہ دکن کی عورتوں کو علمی سامان کی فراہمی کیلئے بیرون ملک للچائی ہوی نظروں سے دیکھنا نہ پڑیگا۔ الحمدللہ "سفینہ" ملک کے دریائے صحافت میں کامیابی کے کنارے عنقریب پہنچ جائیگا اور ملکی مستورات ساحل مراد پر آلگیں گی۔ بشرطیکہ خدا اسکو نظر بد سے بچائے۔

آپ کے رسالہ کے مقاصد سے مجھے دلی ہمدردی ہے، انشاءاللہ تعالیٰ بشرط فرصت اپنی بساط کے موافق آپ کی ہمنوائی کروں گا۔

خواتین دکن کے لئے تعمیری کام کی ضرورت ہے، آپ کے رسالہ سے توقع بندھتی ہے کہ وہ زمانہ قریب میں اس خصوص میں رہنمائی کرے۔ میرے گھر میں میری اہلیہ و نسبتی بہن عصمت کا مطالعہ کرتی ہیں، مگر کل سے میں ان کے خیالات میں تغیر دیکھ رہا ہوں۔ "سفینہ" ان کی آنکھوں کا تارا ہو گیا ہے۔ میری اہلیہ بھی متمنی ہیں کہ وہ آپ کے رسالہ کی خدمت کریں۔ "نونہال نمبر" کی تیاری شروع ہو تو مطلع فرمائیے تاکہ میں اپنے بچے نورالحسن اختر کی تصویر روانہ کروں، جس کی صحت الحمدللہ بہت اچھی، اور اس کی پیدائش کا دن دکن کا عظیم الشان تاریخی یوم ہے۔ یعنی وہ یکم رجب کو جبکہ شہریار دکن خلد اللہ ملکہ کی سالگرہ مبارک اور شہزادگان والاشان کا عقد مسعود تھا، پنجشنبہ کی صبح پیدا ہوا۔

میں اپنے مکرم دوست کا احسانمند ہوں۔ "سفینہ"، جن اعلیٰ مقاصد کا حامل ہے، انشاءاللہ آپ کے اشتراک عمل کے ساتھ وہ اس میں ضرور کامیاب ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ نونہال جہاں طبقۂ نسواں میں مقبول ہوا وہاں آپ حضرات کی دلی ہمدردیاں بھی اس کے شامل حال ہو رہی ہیں۔ عزیز اختر کی تصویر یقیناً "نونہال نمبر" کی زینت کو بڑھائے گی، آپ ضرور روانہ فرمائیے جس کی تفصیل پھر کہیں ملے گی۔

"اختر قریشی"

گزشتہ نمبر میں "کراس ورڈز پزل" جو شریک تھا۔ اس کے نتائج حسب ذیل رہے :۔
(پہلا انعام) مبلغ عـہ روپیہ۔ مکرمہ جنابہ ادیب النسا بیگم صاحبہ بنت مولوی محی الدین احمد صاحب (سلطان پورہ)
(دوسرا انعام) سفینہ ایک سال کے لئے جاری رہیگا) مکرمہ جنابہ رقیہ بیگم صاحبہ (ہمشیرۂ محترمہ جناب مولوی رشید الدین احمد صاحب مہتمم تعلیمات صوبۂ ورنگل)۔
(تیسرا انعام) سفینہ چھ ماہ کے لئے جاری رہیگا) مکرمہ جنابہ بنت مولوی سید خواجہ محی الدین صاحب (دوم تعلقدار وظیفہ یاب کٹلمنڈای) ناپملی اسٹیشن روڈ)
محترمہ جنابہ مدیرہ صاحبہ تینوں بہنوں کی خدمت میں ان کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتی ہیں۔ براہ کرم اپنا پورا نام اور پتہ معہ رسید کے دفتر پر بھیج کر انعامات حاصل فرمالئے جائیں۔

اس خبر نے مجھے بے انتہا مسرور کیا کہ دکن کے مشہور ادیب و مزاحیہ نگار اور میرے کرمفرما مولانا تمکین کاظمی کی زیر ادارت ایک ماہوار رسالہ "شاہکار" کے نام سے جاری ہونے والا ہے۔ میں اس نیک ارادے پر صمیم قلب سے مولانا موصوف کی خدمت میں "ہدیۂ تبریک" پیش کرتا ہوں۔
میری دلی ہمدردی "شاہکار" کے ساتھ ہے۔ اور امید کہ یہ دکن کی سرد مہری اور ذوق ادب سے بیگانگی کے باوجود دنیائے صحافت میں نمایاں جگہ حاصل کرلیگا۔

"سفینہ" بہت جلد دکن کے ایک "ادیب جلیل" اور "حضرت" کے بعض ایسے خطوط پیش کریگا، جن سے پبلک کو یہ معلوم ہوگا کہ لاہوری ساختہ "ادیب جلیل" اور "حضرات" کی تحریرات کا دوسرا رُخ کیا ہوتا ہے اور ان کے "خاص" قلم کے نکلے ہوئے مضامین کا خود ان کی تحریر سے کتنی دور کا لگاؤ رہتا ہے۔
اسی سلسلہ میں بیرون دکن کے ایک "عظیم الشان" (ماہوار) رسالہ کے بعض تاریک پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

مجھے افسوس ہے کہ بزرگ محترم مولانا عبد الماجد صاحب (دریابادی) مدیر مجلہ "سچ" نے، باوجود متعدد یاددہانیوں کے ابتک کوئی تشفی یا غیر تشفی بخش جواب مرحمت نہیں فرمایا۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ

۶۔ میرا خاموش ہی رہنا مری گویائی ہے۔

تاہم اس سے قبل معزز معاصر رہبر دکن نے مولانا کا ایک جوابی مضمون شایع کیا تھا، گروہ بھی میرے اور دوسروں کے لئے ویسی ہی غیر تشفی بخش ثابت ہوا۔ خصوصاً نیاز صاحب کا مسیح اور مذہبی پردے کی آڑ نے اس کو (باوجود واضح ہونے کے) بعید از فہم بنا دیا۔ امید کہ مولانا ضرور ادہر توجہ دیں گے۔

حال میں ہمعصر رہبر دکن نے محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ کی ایک تحریر شایع کی ہے، جس میں محترمہ موصوفہ نے مولانا شوکت علی کی شادی اور مولانا عبدالماجد کے طلاق دینے پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس تحریر پر روشنی ڈالتے ہوے۔ ہمارے ہاں متعدد تحریریں وصول ہوئی ہیں جو انشاء اللہ بہت جلد درج "سفینہ" ہوں گی۔

"سفینۂ نجات" کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ بغرض تبصرہ ہمارے ہاں ابھی وصول ہوا ہے، جو نوحہ جات، سلام، اور مرثیوں پر مشتمل ہے، جسکو دکن کی مشہور مضمون نگار و انشاء پرداز خاتون عصمت مآب مسز صغرا ہمایوں مرزا (بیرسٹرایٹ لا) نے شایع کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جناب شیخ ابوالقاسم صاحب حسام کی ترتیب دادہ اسلامی جنتری بابتہ ۱۳۵۱ھ بھی وصول ہوئی ہے۔ جنتری مذکور کو متعدد قیمتی بلاک کی تصویروں سے زینت دی گئی ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ عدم گنجائش کے باعث ان دونوں پر کوئی مفصل تبصرہ نہ کیا جا سکا۔ انشاءاللہ کسی قریبی فرصت میں ان پر تنقیدی نظر ڈالی جائے گی۔

"سفینۂ نجات"، کی قیمت ۸ر ہے، اور صغرا منزل ہمایوں نگر (حیدرآباد دکن) سے مل سکتا ہے۔

"اسلامی جنتری" بمعاوضہ (کاغذ چکنا) ۶ر اور (کھرا) ۴ر میں مطبع حیدری چھتہ بازار سے طلب فرمائیے۔

اختر قریشی
(مدیر معاون)

صاحبزادہ میکش آغائی کا اظہار حقیقت

ہر چند روغن گلبہار کے متعلق توصیفی سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے ان گنت محبان وطن نے اپنے تجرباتی فوائد سے پبلک کو اطلاع دی ہے تاہم حقیقت آشنا دل مانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور عبارت آرائی کہاں چھوٹا منہ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو یدقدرت نے سحر قدرت نے سحر آفرین اعجاز و دیعت فرمایا ہے جہاں اسکی نگہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اس کی تاثیر بھی عدم النظیر۔ مشاہدہ شاہد ہے کہ اس کے استعمال نے بال گرنے موقوف کردئے درد سر زائل کردیا، تکلیف و نسیان دور کردی اسکی عطر افشاں خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی دماغ کے لئے فرحت اور سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ اس کے موجد ملکی ہاتھ ہیں۔ یہ ایجاد بلا مبالغہ موجد کے لئے باعث صد ناز و افتخار ہے تو ملک کے لئے سرمایۂ ناز روغن گلبہار سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں از دیاد جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہو سکتی ہے جس قدر کہ ذکور اہل ملک اور محبان وطن کا فرض ہے کہ وہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک ایسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کردیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہوں گے ان اصحاب مخلص کا شاکر ہوں جنہوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام ہیر آئیل کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھا جس کی طوفان بے تمیزی حشرات الارض کی طرح دن دونی رات چوگنی زیادتی رہے۔

المشتہر

منیجر: گلبہار کمپنی

افضلگنج حیدرآباد دکن

ڈی شین کا
وائی ٹو فوڈ
(مرد، عورت، اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے)
وائی، ٹو، فوڈ، گوشت کی نسبت آٹھ گنا زیادہ مقوی ہے
کمزور لوگوں کے وزن میں اس کے تین ہفتہ کے استعمال سے (۷) پونڈ کا اضافہ ہوا ہے اور دو دن کا
استعمال سے ۴ پونڈ وزن بڑھاتا ہے، انسانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے رگ پٹھوں کی ساخت کی
خاطر "سل سالٹ" کو مناسب غذاؤں کے ذریعہ مہیا نہیں کر سکتا تاکہ اس کے جسمانی ضروریات پوری
ہوں اور دنیا میں انسانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنی مرغن او ثقیل غذاؤں کو بخوبی ہضم نہیں کر سکتا
پس ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنی ضروری غذا کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور
دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کھاتے ہیں اسکو بخوبی ہضم نہ کر سکنے کی وجہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں اسلئے یہ
لازمی ہو گیا کہ جسم انسانی کو مصنوعی ذرائع سے جو قدرتی کے بالکل قریب قریب ہوں یہ غیر نباتی
نمک مہیا کئے جائیں۔ یہی "وائی ٹو فوڈ" کا عمل ہے۔ چنانچہ بچوں کے لئے، ضعیف او ناتوان
کے واسطے وائی ٹو فوڈ ایک بہترین غذا ہے۔ اوپر کے دودھ پر پرورش پانے والے بچوں
کے لئے بھی یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بیماروں کیلئے ایک بہترین غذا ہے۔ اس کا استعمال دق
اور اس کے مماثل دیگر امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ مرض کی حالت میں اس کا استعمال مریض
کے جسم میں سل (خانہ) کی عاملیت کو بڑھاتا ہے جس کی بدولت مریض جلد صحت پاتا ہے
قیمت فی ڈبہ خورد ۸ ر بذریعہ وی پی ۱۲ ر ڈبہ کلاں ۵ عہ بذریعہ وی پی ۱۳
ہر مشہور دوا فروش کے پاس سے دستیاب ہو سکتا ہے۔
جے اینڈ جے، ڈی شین کن
رزیڈنسی روڈ متصل اکسلسیر تھیٹر حیدرآباد دکن

دارالسلطنت دکن کا واحد صنعتی آرگن
ماہنامہ
سفینۂ نسواں
حیدرآباد دکن

سفینہ برگِ گل بنا لیگا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہوگا (سر اقبال)

ادارہ

(مدیرہ)

صادقہ قریشی

مدیرۂ اعزازی

محترمہ بیگم صاحبہ جناب مولوی محمد برہان الدین صاحب
(بی۔اے)

مدیر معاون

جناب اختر قریشی — جناب عزیز رشدی
جناب سید شبیر حسین قیس

مطبوعہ چشتی القادری پریس واقع کمان سالار جنگ بہادر
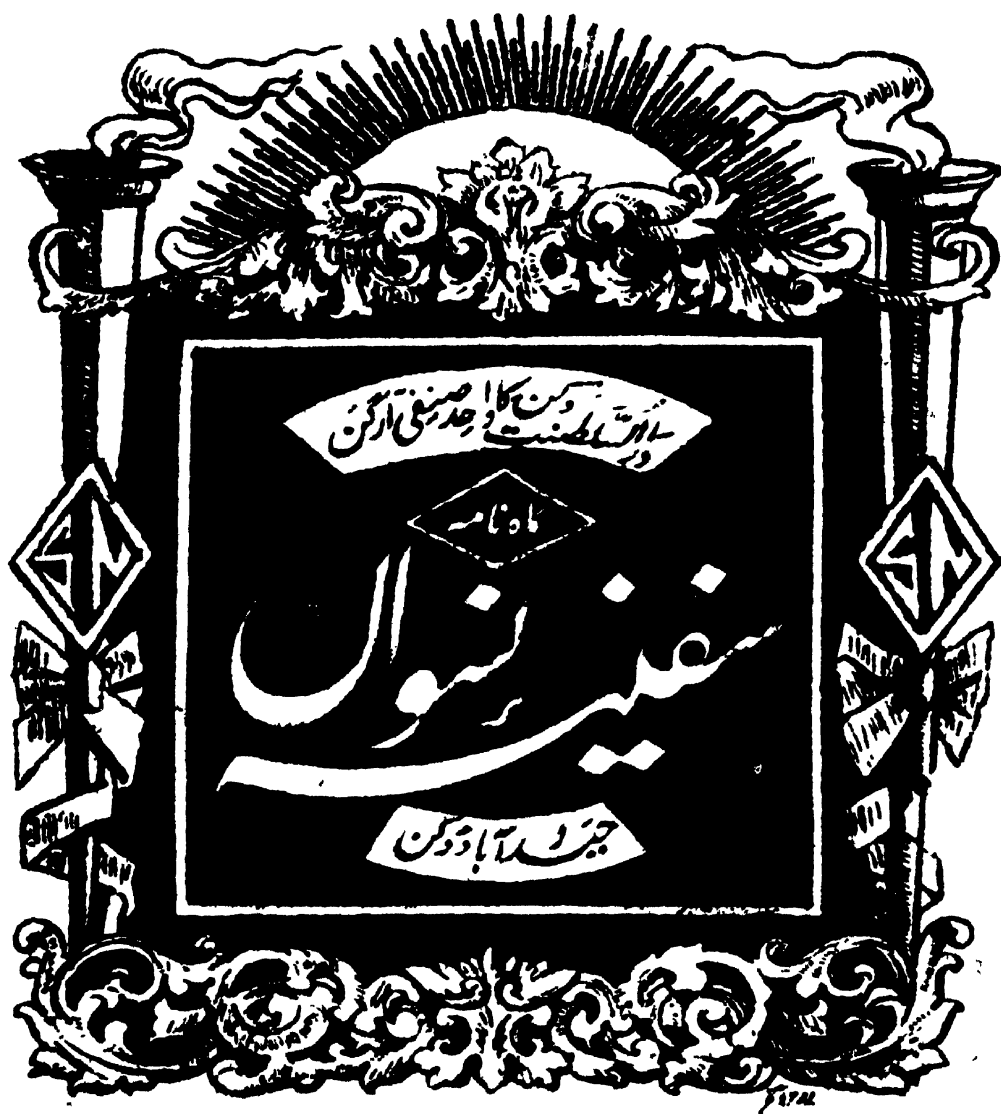
"SAFINA-I-NISWAN"

A REVIEW

The Peace-Maker (*Madras*) *Says*; -

SAFINA-I-NISWAN is a monthly Urdu Magazine for ladies published from Hyderabad, Deccan. India. It advocates the cause of women and aims at the improvement and betterment of the social, religious, mental, moral and intellectual aspects of the fair sex; the revival of the Islamic culture, literature, to infuse a spirit of action among women, to create an interest and make them more enthusiastic to take a greater part in the affairs of life and, last but not the least, to remind them of their duty to serve not only oneself, but humanity as a whole. It contains many instructive and thought-provoking essays which will prove highly beneficial and of immense value to the women folk at large in their every day life, whether young or old.

The most important point thet we note is that it is not in favour of the 'so-called women's struggle for freedom' which has proved more harmful to the wellbeing of society then ever before, resulting in the degradation of the ideal of womanhood, leading to the disruption of family, as is being witnessed in the West at the present day; the daily, if not hourly, divorces, the shooting down of husbands by wives, abandonment of home life, liquor and *smoke* habits among women are cases in point. No Muslim woman will be prepared for such a miserable sort of life. "Islamic History furnishes many an instance where women had proved equal to the men, if not more, in every walk of life, but still *obedient, dutiful and loving* both to the parents and husbands". *The best and the most perfect example of the ideal womanhood is to be found in the person of Lady Fatima,* (Salamullah-Alaiha) the beloved daughter of the great Prophet Muhammad (Peace be upon him and those of his House.)

Begum Naqavi has made a passing reference to this aspect of the question in her Essay on "The Habit of Idleness" in the first number of 'Safina-i-Niswan.' If this high and noble object is scrupulously kept in view, then we are sure that, in a very short time, it will become one of the foremost Ladies' Magazines in India. We hope our Muslim sisters will become its subscribers in large numbers ond avail themselves of the opportunities that this Magazine gives them.

The Hyderabad Bulletin Says :—

"SAFINA-I-NISWAN"

A REVIEW BY A. A. Q.

Started with a view to serve and promote the cause of women, educationally and otherwise, an illustrated monthly in Urdu has been published in Hyderabad under the name of *Safina-i-Niswan.* The Editor of the magazine is Sadiqa Quraishi Begum and her ability is well evidenced in the manner in which the magazine has been brought out. The periodical supplies a long felt want, particularly in view of the fact that Hyderabad is on a forward march in the matter of women's education in pursuance of the policy of its enlightened Ruler.

The first number of the "Safina" is before me and gives promise of an interesting future. The Editor and her band of enthusiastic assistants have evidently teken a good deal of pains in bringing out this magazine and deserve congratul t ons. From a glance at the first issue it is evident that the articles contained in it cover a wide and varied range. They are not only highly interesting but are instructive and are meant to improve the literary, scientific, ethical and social value of women. It also contains valuable notes on Sanitation, Cookery, Needlework and Domestic management. The Editor has set before herself an ambitious programme which she is sure to carry out provided she receives the patronage and support of enlightened men and women. The periodical is a welcome and useful addition to local journalism and I accord a cordial welcome and recommend it to one and all who are interested in the cause of women's education.

Marmaduke M. Pickthall Esqr. writes:—

CIVIL SERVICE HOUSE.
Somajiguda,
11th April 1932

Dear Sir.

I have to thank you very much indeed for your present of two copies of Safina-i-Niswân and for your letter which accompanied them. I shall myself make a point of reading the magazine. Please convey my congratulations to the Editress.

Yours sincerely,
M. PICKTHALL.

Mrs. H. Rustomji Faridoonji writes:—

HOTEL CECIL.
Simla s. w.
15th April 1932.

Dear Madam.

Thank you for your kind letter as well as the first copy of your Urdu Magazine "Safina-i-Niswan". I shall be glad to forward you any news about the Education of Indian women if you would like to translate it and publish it in the paper.

Yours truly,
MRS. H. RUSTOMJI FARIDOONJI.

استاذ السلطان حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل
قطعہ
(جو پیشگاہ جہانپناہی سے سرفراز فرمایا گیا۔)
ہم شہِ عثماں توئی ہم خلق را ماوے توئی
ہم فدائے مصطفےٰ صلِّ علیٰ شاہا توئی
صد ہزاراں عید و حج کعبہ قرباں باد
اکہ دائم در طوافِ گنبدِ خضرا

دارالسلطنت دکن کا واحد صنفی آرگن

ماہنامہ "سفینۂ نسواں"

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی

احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد (۱) نمبر (۲)

بابتہ ماہ اپریل ۱۹۳۲ء م ذیحجہ ۱۳۵۰ھ

فہرست مضامین

فہرست تصاویر

"احوالِ ما"

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست :: آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

"سفینہ" کا پہلا نمبر خدا کا شکر ہے کہ حد درجہ مقبول ہوا خواتین کرام اور معزز معاصرین نے جس فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کیا ہے اُس کی ہم احسان مند ہوں "سفینہ" کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بلاخوف یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۔

این سعادت بزور بازو نیست :: تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسرا نمبر آپ کے پیش نظر ہے مجھے افسوس ہے کہ جس کی اشاعت میں خلاف توقع بیحد تاخیر ہوئی۔ چند در چند دقتیں اس کا باعث ہوئے جن کو بیان کرنا اور بھی دردِ سر ہوتا ہے ۔ آیندہ سے یقین ہے کہ رسالہ بروقت شایع ہوگا ۔ دکن کی صحافتی مشکلات سے وہ حضرات کما حقہ واقف ہیں جن کا تعلق اس سے ہے، یا وہ جنہیں دکنی صحافت سے ہمدردی و دلچسپی ہے ۔

ہمدردانِ سفینہ یہ سنکر یقیناً مسرور ہوں گے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ علیا حضرت بادشاہ دکن و شہزادگان والا شان اور حضرت دلہن شہزادی دُر یکدانہ بیگم صاحبہ و حضرت دلہن شہزادی نزہت بیگم صاحبہ کی بارگاہ اقدس میں اس ناچیز و حقیر رسالہ کا پہلا نمبر پیش کرنے کی عزت حاصل کی گئی۔ ادنیٰ سفینہ کو ایک دوسرا فخر یہ بھی حاصل رہا کہ ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت نے از راہ عوالمف رسالہ کے حقیر ترین پیشکش کو نہ صرف شرف قبولیت بخشا بلکہ اپنے عالی قدر سرورح پرور کلام بلاغت نظام سے "سفینہ" کو مفتخر فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، اور جس دن اس ناچیز رسالہ کو یہ افتخار حاصل ہوگا، تب سمجھونگی ——

کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید ٭ خدا کرے کہ یہ عزت "سفینہ" کو ہمیشہ حاصل رہے۔ آمین

میں اپنی ان تمام مکرم و عزیز بہنوں کی شکر گذار ہوں جنہوں نے "سفینہ" کو اپنا جان کر توسیع اشاعت میں میری اعانت فرمایا۔ معزز بہنوں کی یہ عنایتیں اگر آیندہ بھی رسالہ کے ساتھ رہیں تو میں نے تہیہ کیا ہے کہ بہت جلد "سفینہ" کو ہفتہ روزہ کردوں، اور بہتر سے بہتر "لٹریچر" ملک کے آگے پیش کروں۔ ہر نیک ارادے میں خدا برکت دیتا ہے" عجب نہیں جو میری یہ خواہش بھی بہت جلد پوری ہو۔

حیران ہوں کہ معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خانصاحب (ام۔ بی، سی، ایچ، بی، اڈنبرا) میری محترم مسز مولوی غلام مصطفےٰ صاحب قریشی (ناظم بند وبست) عزیز بہن "ج" نقوی صاحبہ کے احسانات بیہم سے کیسے سبکدوشی حاصل کروں! ——

پچھلے نمبر میں میں نے اپنی عزیز بہن محترمہ اقبال جہاں نزہت (میاں کلیٹ) کی شادی خانہ آبادی پر ہدیۂ مبارکباد پیش کیا تھا، اب مجھے یہ سنکر بیحد مسرت حاصل ہوئی کہ سفینہ کی خیرخواہ اور میری معزز بہن اختر صاحبہ (بنت مولوی محمد احمد صاحب ناظم پیشی سرکار عالی) اور بہن محمدی بیگم صاحبہ (متعلمہ بی۔ اے فائنل) کا عقد مسعود اسی مہینہ میں ہوا۔ خدا کرے کہ دونوں بہنوں کی زندگی کا یہ نیا اور اہم دور عیش و عشرت اور راحت و مسرت میں تمام ہو۔ میری سینکڑوں دلی تمنائیں دونوں بہنوں کے ساتھ ہیں، دعا کرتی ہوں کہ —

زندگی کی بہار دیکھو تم ٭ عیش لیل و نہار دیکھو تم ٭ اس خوشی پہ ہی کیا رہی موقوف ٭ ایسی خوشیاں ہزار دیکھو تم ٭

اس تقریب سعید پر میں بجانب "ادارہ" عالیجناب ناظم صاحب پیشی (سرکار عالی) اور دونوں نئی دلہنوں کی خدمت میں حقیر تحفہ مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ ——

سفینہ کا آیندہ نمبر محرم نمبر ہوگا جس میں شہدائے کربلا کی تیرہ اور حالات نیز واقعات شہادت پر بہترین مضامین شریک رہیں گے۔ ربیع الاول شریف میں میلاد نمبر شایع ہوگا اور اس کے بعد ہی ایک دوسرا خاص نمبر نکالنے کا خیال ہے جو "نونہال نمبر" کے نام سے موسوم ہوگا۔ جس میں اُن نونہالوں کے تصاویر شایع ہونگے جنکی عمر ایک سے پانچسال تک کی ہے جو بیحد تندرست ہیں اور جن سے ماں اور دنیا کو آیندہ بہت سارے توقعات ہیں۔ اس خصوص میں اپنی تمام بہنوں سے امداد کی طالب ہوں اور امید کرتی ہوں کہ وہ اپنے ایسے ہونہار بچوں کی تصاویر معہ نام و عمر کے بہت جلد میرے پاس روانہ فرمائینگے۔ اس خاص نمبر کی مفصل اطلاع معہ قواعد انشاء اللہ آیندہ نمبر میں دونگی۔

محرم نمبر کی تیاری پوری سرگرمی کے ساتھ شروع کردی گئی ہے توقع ہے کہ اہل قلم حضرات و خواتین جلد از جلد اپنے گراں پایہ مضامین سے "ادارہ" کو مشکور ہونیکا موقع دیں گے۔ خواتین میں مضمون نگاری اور انشا پردازی کا ذوق بڑہانے کی خاطر "ادارہ" نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی مخصوص عنوان پر ہر تیسرے مہینہ ایک انعامی مقابلہ رکھا جائے جس میں صرف خواتین ہی شریک ہو سکینگی تفصیلی اعلان اور عنوان آیندہ نمبر میں دیکھئے۔

اسی مہینہ اکثر بہنوں کے اصرار پر میں نے "سفینہ نادار فنڈ" کے نام سے ایک ایسا فنڈ قائم کیا ہے جسکا مقصد غریب مستطیع لڑکیوں کی امداد کرنا ہے ابتک اس سلسلہ میں (صہ/۵) روپیہ وصول ہوئے ہیں اور بہنوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ بہت جلد اس فنڈ کو کامیاب بنائینگی۔ اکثر بہنوں کو شکایت ہے کہ اس فنڈ کے قیام کی انھیں اطلاع نہیں دی گئی۔ اور یہ واقعہ بھی ہے اسلئے کہ آجکل میری مصروفتیں اسدرجہ بڑھی ہوئی ہیں جنکا اظہار ناممکن ہے۔ بہرحال بذریعہ ہذا تمام ہمدرد بہنوں کو اطلاع دیجاتی ہے۔ اور امید کرتی ہوں کہ وہ اپنی خوشی و مسرت میں غم نادار بہنوں کو شریک فرمائیگی۔ جنہوں نے ابتک اس فنڈ کا عملی خیر مقدم کیا ہے۔ ان کے نام بصد شکریہ "بزم سفینہ" میں درج ہیں۔ میں اپنی عزیز بہن زبیدہ مصطفےٰ صاحبہ قریشی سے معافی کی خواستگار ہوں کہ اُن کا ایک بہتر مضمون "حصول علم اور اسکا ماحصل" اس نمبر میں شریک نہ ہو سکا۔ "مدیرہ"

مسلم خواتین اور ان کا مستقبل!

محترمہ حسن آرا بیگم صاحبہ حکم مترجمہ جناب اختر قریشی صاحب

ذیل کا مضمون میرے کرمفرما محترمی حمید حسن صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔بی (علیگ) نے خاص ماہنامہ "سفینۂ نسواں" کے لئے ارسال فرمایا ہے جس کے لئے میں بجانب "ادارہ" محترم موصوف کی خدمت میں "شکریہ" کا سا ادنیٰ تحفہ پیش کرتا ہوں۔

یہ مضمون در اصل اس تقریر کا ماخذ ہے جو "اسلامک کلچر سوسائٹی مدراس" کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۹ مارچ ۱۹۳۲ء میں محترمہ حکم صاحبہ نے کی تھی۔ جبکہ آپ "آل انڈیا ویمنس کانفرنس" کے اجتماع کے سلسلہ میں مدراس تشریف لائی تھیں

بیگم حسن آرا صاحبہ کی شخصیت کسی مزید تعارف کی محتاج نہیں۔ اس لئے کہ اسلامی دنیا خصوصاً ہندی مسلم خواتین آپ کے نام اور ملی خدمات سے بخوبی واقف ہیں۔ یوں تو ابتدا ہی سے آپ نے اپنی عزیز زندگی کو ہندی خواتین کی اصلاح معاشرت اور ان میں بیداری پیدا کرنے کے لئے وقف کر دیا تھا، مگر خصوصیت سے ۱۹۲۳ء میں جب آپ کے شوہر کا انتقال ہوا تو اس حادثۂ جانکاہ نے بہت اثر کیا جس کے بعد ہی قوم اور اپنے پسماندہ گروہ کی خدمت اور ان کی بہبودی کے سامان فراہم کرنے کا آپ نے تہیہ کر لیا۔ کلکتہ کا عظیم الشان "اینگلو مسلم گرلس سکول" آپ ہی کی مساعی [illegible] آپ کی زبردست لیاقت اور طبقۂ نسواں کی اصلاح و فلاح کے جذبہ کی زندہ اور شاندار مثال ہے

آپ اسلامی پردہ کی پابند اور تعلیم نسواں کی سب سے بڑی حامی ہیں اور خود بھی عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے سوا بہت ساری زبانوں کی یا تو ماہر ہیں یا ان میں اچھی طرح گفتگو فرماسکتی ہیں۔ محترمہ ممدوحہ چونکہ افغانی نسل اور جنوبی امریکہ کی پیدائش رکھتی ہیں، اس لئے وہ بنگال (جہاں کہ آپ مقیم اور اہل بیت خصوصاً طبقۂ نسواں کی فلاح و ہمدردی میں کوشاں ہیں) یا ہندوستان کو اپنا وطن مالوف نہیں کہہ سکتی ہیں، لیکن آپ کی ۵ سالہ ہندوستانی سکونت اور تعلیمی دلچسپیوں نے آپ کو مجبور کیا کہ اپنی ہندوستانی مسلم بہنوں کے آئندہ شعار کی نسبت اپنے خیال کا اظہار کریں۔

دراصل قدیمی روایات مشرقی سے دور اور مغرب زدہ مسلم خواتین کے مستقبل کی نسبت اظہار خیال کرنا ایک مشکل ترین اور پیچیدار مسئلہ ہے مگر محترمہ موصوفہ نے گذشتہ اور حالیہ دور کو آنیوالے زمانہ کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے، مسلم اور دوسری ہندی خواتین کو نیک راہ پر گامزن ہونے اور اسلامی تعلیم و تعلم کو حرز جان بنانے کے لئے موزوں اور دلچسپ پیرایہ میں اپنے وسیع معلومات اور دیرینہ تجارب کو پیش کیا ہے۔ میں چند در چند ترمیمات کے ساتھ ان گرانقدر خیالات کو، اردو جامہ پہنا کر ناظرین و ناظرات "سفینہ" کی خدمت میں پیش کرنے کی جراءت کر رہا ہوں۔

یقین ہے کہ میری یہ ادنیٰ سعی عوام کے قطع نظر ان محترم بہنوں کی دلچسپی کا باعث ہوگی جو طبقۂ نسواں کی صلاح و فلاح کو اپنی زندگی کا مطمح نظر قرار دے چکے ہیں۔

اختر قریشی

"ہماری مسلم بہنیں کن طریق کار پر مستقبل قریب میں عمل پیرا ہوسکتی ہیں"۔ یہ زمانۂ حال کا ایک اہم ترین سوال ہے جو اس حد درجہ کا مشکل بھی ہے اور آسان بھی! مشکل اس وجہ سے کہ اگر اس کو اس کے حقیقی معنوں میں نہ لیا جائے آسان اس طور پر اگر ہمارے بھائی اپنی کمزور بہنوں کی استعانت کا

ارادہ کرلیں!

مصائب ومشکلات ہمیشہ حیات انسانی کا خاصّہ رہے ہیں۔ یہ امر مسلّمہ ہے کہ صرف وہی اقوام زندگی کے مراحل اور ملک کی ترقیوں میں کامیاب وکامران رہے ہیں جنہوں نے علوہمتی اور پرجوش طریقہ پر عمل پیرا ہوکر مصائب وآلام کو برداشت کیا ہے اور پستی کو کبھی اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کی اعانت کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں۔ ہماری قدیم تاریخ کا مطالعہ ہم پر یہ صاف ظاہر کردیگا کہ کس طرح ہمارے متقدمین نے توسیع ملّت واشاعت دین متین میں ایثار سے کام لیا تھا۔ جنگ وجدال میں سربکف شرکت کرنیکی وجہ فتح ونصرت ان کا ساتھ دیتی تھی۔ کرۂ زمین کا کوئی حصہ ان کے لئے دور نہ تھا۔ سفر کے مصائب سے واقف ہونے کے باوجود (جو آج کل بہت آسان ہوگئے ہیں) وہ ایک براعظم سے دوسرے براعظم کا سفر اختیار کرنے میں ذرہ برابر پست ہمتی ظاہر نہیں کرتے تھے اور اسکی علوہمتی کا نتیجہ تھا کہ فتح ونصرت ان کے جلو میں رہتی تھی۔ حاضرین مجلس جو اس وقت یہاں جمع ہیں۔ ان کے اکثر اجداد بہت دور دراز ممالک سے یہاں آئے تھے اور ایسے اہم خدمات انجام دئے ہیں جن کی وجہ اسلام ان کا ممنون احسان ہے۔ ان میں سے بعض عربستان، ترکستان، ایران، افغانستان اور آفریقہ وغیرہ سے آئے تھے۔ اسلام کی ان بیشمار ترقیوں میں عورتیں مردوں کے پہلو بپہلو رہکر اسلام کے جدوجہد اور ایثار میں حصہ لی ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ ہماری خواتین قوم وملت کی کوئی خدمات انجام نہ دی ہوتیں تو ہمارے اجداد اس ارتقائی حالت یعنے آفتاب علم سے دنیا کو منور نہیں کرسکتے تھے۔

ان کارہائے اسلام سے نہ صرف متمدنہ ممالک متاثر ہیں بلکہ وہ اقوام بھی جو ابھی تک کسی قدر تمدن سے ہٹے ہوے ہیں وہ بھی اسلامی تعلیم سے مستفید ہورہے ہیں۔ آج ایک مقام سے دوسرے مقام پر سفر کرنا اتنا آسان ہوگیا ہے کہ ایک قوم کسی دوسری قوم کی حالت من حیث الکل آسانی تمام معلوم کرسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم کی مدنی زندگی اس تیز رفتاری کے ساتھ ترقی پذیر ہے اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ آمیز بیان نہوگا کہ تمام دنیا ایک ہی پلاٹ فارم پر جمع ہوگئی ہے اور ایک براعظم کے باشندے دوسرے براعظم کے باشندوں سے بلا کسی مزاحمت کے گفتگو کرسکتے ہیں

ان وجوہات کی بناء پر اکثروں کی یہ خواہش ہے کہ وہ ترقی اور تمدن کے دوڑ میں آگے نکل جائیں اور اس گروہِ عظیم کو پیچھے چھوڑ دیں جن کی مدنی حالت بالکل ناگفتہ بہ ہے۔ جن کے دوش پر حیات کا جوا رکھا ہوا ہے اور جو ابتدائے آفرینش سے بنائے تمدن اور باعث آراستگی عالم شمار کیا جا رہا ہے مہذب دنیا سالم کی سالم تباہی و بربادی کی طرف مائل نظر آرہی ہے۔ اور اس عالم مثیوںی میں ایک نئی دنیا کی تشکیل صورت پذیر ہو رہی ہے۔ دیگر انقلابات ملی ووطنی کے ماسوا فلاح نسائیت کی تشکیل بھی لازمی ہے۔ یہ وہی نسائیت ہے جو صدیوں سے اپنے حقوق سے محروم کر دی گئی ہے۔ جو ان کے بازگشت کی طالب ہے اور پرقوت تاثرات سے قوم کے انتہائی تخیلات و قسمت پر اثر ڈالنے لگی ہے۔

ہندوستانی خواتین جن کے ذاتی جوہر اور قوتیں صدیوں سے خفتہ تھے اب جاگ اٹھے ہیں اور ایسا نظر آرہا ہے کہ ایک ہی جست میں تعلیمی۔ معاشرتی اور سیاسی میدانوں کے صف اولین میں آکر کھڑی ہو رہی ہیں گی۔ وہ سب سے پہلے اپنی تعلیم اور اپنے بچوں کی تعلیم میں اپنی ذاتی رائے کی مدعی بن بیٹھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ان کے مساعی قابل داد ہیں۔ لیکن جب تک ان کی تعلیمی اخلاقی۔ جسمانی اور معاشرتی حالت درست نہو کسی ایسی ہل چل سے دلچسپی پیدا کرنا یا اپنا تعلق جتلانا جس کا سیاسیات سے تعلق ہو، باعث بدامنی و باعث ننگ و عار وطن ہوگا اور جس سے نہ صرف نسائیت کو ٹھیس لگے گی بلکہ امت مرحومہ ایسی جد وجہد کو بری نظروں سے دیکھے گی۔ اس لئے یہ میرا اپنا خیال ہے کہ پہلے اپنی مذکورہ حالت کے اصلاح کی طرف توجہ کی جائے۔

کہاں ہیں ہماری مسلم خواتین؟ ابھی ابھی اپنے خواب دیرینہ جو صدیوں پہلے مسلط ہو چکا تھا، جاگ رہی ہیں۔ انھیں جنکو اسلام نے وہ ارفع واعلےٰ حقوق عطا کئے تھے جنکا ذکر مقدس کلام مجید کے کامل ایک باب پر (صُورَۃ نِسَاء) خداوند ذو الجلال نے فرمایا ہے) آج چھین لئے گئے نہ صرف چھین لئے گئے بلکہ وہ اپنی حالت سے بھی بے علم ہو گئی ہیں ـــ یہ ایک انتہائی رنج کی بات ہے کہ مسلم خواتین جن کا پیدائشی حق تعلیم و تعلم تھا اسکو کھو بیٹھی ہیں! نہ صرف کھو بیٹھی ہیں بلکہ بھلا دی ہیں اس انقلاب عظیم کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ وہ اپنی قدیمی روایات کے تحفظ کے لئے کونسا طریق کار اختیار کر رہی ہیں؟ مستقبل قریب میں اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ اسکا جواب مجھے

خوف ہے کہ خاطر خواہ نہیں ملسکتا۔ ہمارے مسلم بھائیوں کا تجاہل ان تمام کا ذمہ دار ہے اور جسکی وجہ ہماری بہنیں اس خراب وخستہ حالت میں دکھلائی دے رہی ہیں۔

اسلام ہی ایک ایسا خالص مذہب ہے جس کے ذریعہ سے انسان فلاح ونجات دارین حاصل کرسکتا ہے اور انتہائی ترقیوں کا مالک بن سکتا ہے اور اس کو مخصوص مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں مذہب اسلام کی تخلیق دنیا میں اس لئے نہیں ہوی کہ تمام ترقیوں کی راہیں مسدود ہو جائیں اور ہم کو انسانی درجہ سے گرا کر ذلیل کر دیا جائے۔ اپنے اہل بحث یعنے مستقبل قریب میں مسلم بہنوں کے درجہ کے بارے میں میری اپنی سب سے پہلی اور اہم تحریک سلسلۂ تعلیم وتعلم ہے۔ خواتین بغیر علم کے اپنے فرایض کے جانچنے میں مجبور اور معذور ہوں گی اور اپنی ذات سے جو توقعات وابستہ ہیں ان کو معلوم کرنے میں دقت اٹھانی پڑے گی۔ اپنی اور اپنے ملک کی ارتقائی حالت کو سنوارنے میں جد وجہد نہ کرسکیں گی۔ کیونکہ یہ ایک عام مقولہ ہے کہ " خواتین کی تعلیم قومیت کے آراستگی کی ذمہ دار ہے، ان حالات کے مکاشفہ کے بعد غالبًا ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ہم ہر شئے کے بارے میں معلومات حاصل کریں؟ اس کا جواب بالکل آسان ہے یعنے بغیر معلومات کے ہم ترقی نہیں کر سکتے!

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں خواتین کی تعلیم پر زور دیا گیا ہے بر خلاف اس کے کسی مذہب نے تعلیم نسواں کو لازمی نہیں گردانا۔ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ "طلبُ العِلمِ فریضۃٌ علیٰ کلِّ مُسلمٍ وَّ المُسلماۃ" دیگر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اُطلبُ العِلمَ وَلَوْ کانَ بالسین۔

اس حدیث سے ہم کو یہ بشارت حاصل ہوتی ہے کہ "حصول علم کے لئے چین کا سفر بھی درپیش ہو تو اختیار کرو" چونکہ اُس زمانہ میں چین کا سفر آجکل کے قطب شمالی یا قطب جنوبی کے مقابلہ میں بہت دشوار گذار سمجھا جاتا تھا۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا جبکہ اسلامی تعلیمات کی ضیا پاشیوں سے دیگر اقوام متمتع ہوتے تھے یا اب ایسا وقت آگیا ہے کہ مسلمان بہ لحاظ تعلیم پست اقوام میں شمار ہونے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام نے اپنا سلسلہ درس وتدریس بھلا دیا ہے۔ اسلام کی شان وہ نہیں رہی جو قرون اولیٰ یا قرون وسطیٰ میں تھی۔ آمدم بر سر مطلب! علم کے بغیر کسی قسم کی ترقی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ دیگر اقوام کے کارہائے نمایاں دیکھئے! یہ سب علم کی ضیا پاشیاں ہیں!!

چونکہ زمانۂ مستقبل کی خواتین ایک ایسی قوم کی بنا ہوں گی جن پر تمدن کا بارِ گراں پڑنے والا ہے اس لئے تعلیمیافتہ مادرانِ وطن ہی پر اس آیندہ قوم کی کامیابی اور کامرانی کا انحصار ہے ہر طرح سے یہ لازمی ہے کہ اوروں کے بوجھ کو ہلکا کرنا ان کی زندگی کا فرضِ اولین ہو اور انہی مسلم خواتین سے توقع کی جاتی ہے کہ یہ اچھی تعلیمیافتہ - ملنسار، ہمدرد اور اپنی خراب و خستہ حال بہنوں کی حالتِ زار کی مصلح ہوں۔ ایک مشہور عام کہاوت ہے کہ "جو ہاتھ جھولا جھلاتے ہیں وہ گھر کی بادشاہت کرتے ہیں" یہ کسقدر صحیح اور شیریں الفاظ ہیں جنکو عامۃ الناس بغیر مانے نہیں رہ سکتے۔ اس میں خواتین کی مہمات کا راز مضمر ہے۔ اور کسی قوم کی خاتون اس قوم کی ہر نکتہ نظر سے زندگی کے اعلیٰ ترین طاقت اور تخیلات کا فوارہ ہوتی ہیں۔ سیاسی آزادی۔ اقتصادی ترقی اور مادی تقویت کے حصول میں ہماری تمام کوششیں اسوقت تک بیکار و رائیگاں ہوں گی جب تک ہماری ملکی خواتین خصوصاً مسلم بہنیں جہالت کی تاریکیوں میں غرق رہیں اُن پر خستہ حالی اور بے علمی کی نحوست سوار رہے۔ اوہام پرستی کی سی ذلیل گھٹائیں چھائی رہیں۔ ان تمام برائیوں کا لازمی نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ طبعاً بہت کمزور ہیں اور ان کے فطری جوش بہت پست ہو گئے ہیں - ان کی وسعت نظر گھر کی چار دیواری کے تنگ افق سے تجاوز نہیں کر سکتی - وہ سراسر محکوم اور مجبور ہو گئی ہیں - اور گھریلو فرائض کی انجام دہی کے لئے بالکل نا اہل اور ناکارہ ثابت ہو رہی ہیں - !

ان کے مکان اور ان کے بچے ان کو (ایسی خواتین کو) مایوسانہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں -!

ہماری خواتین کا آئندہ مطمح نظر ہماری بہنوں کی عام اصلاح اور ترقی رہے! جو تعلیم سے مستفید ہو چکی ہیں ان کو چاہئے کہ آیندہ کے لئے ایسا خاکہ تیار کریں جس پر اُن کی آیندہ زندگی کے فلاح و صلاح کا انحصار ہو!

سیاسیات میں حصہ لینا مسلم خواتین کے لئے ممنوع نہیں ہے! وہ اسی قدر اپنا مشورہ دینے میں آزاد ہیں جتنا کہ مرد تاریخ اور کتب ہائے اسلامیہ سے صاف ظاہر ہے کہ اکثر و بیشتر اوقات خواتین نے خلفائے وقت سے اکثر مسائل پر بحث و تمحیص کی ہے وہ سیاسیات میں اپنی آراء دی ہیں اور جنگ و جدال میں شریک رہی ہیں - وہ بڑی سفیر مانی گئی ہیں ان کی فلسفہ دانی کے اکثر نظایر موجود ہیں ان میں سے اکثروں نے بڑی شان کی حکومت کی ہے۔ اکثر مصنف اور شاعر بھی ہوئی ہیں - اسلام کی

سرسبزی اور آبیاری میں ان کی مساعدت نے بڑی حد تک کام کیا ہے۔ ہندوستان کی اقامت نے میری مسلم بہنوں کی حالت میں انحطاط اور انقلاب پیدا کر دیا ہے جس کی وجہ ان سے وہ تمام جوہر معدوم ہو گئے ہیں۔ جن پر اہل ملت کو ناز تھا اور دیگر اقوام کی خواتین ان سے سبق لیتی تھیں۔
ہندوستان کی رائج الوقت تعلیم نے ان کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں کی اس لئے موزوں تعلیم کی سخت ضرورت ہے خدا کا شکر ہے کہ بعض علاقے اور بعض ضلعے اس کو محسوس کر چلے ہیں اور اسی طرز کے مدنظر سلسلہ تعلیم و تعلم قائم کر رہے ہیں جن سے ان میں سچی مدنیت پیدا ہو اور اخلاق و آداب بجائے مغربیت کے اعلیٰ ترین ہوں ان کے کردار دنیا کے لئے نمونہ بنیں مسلم لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے جس اہم عنصر کی ضرورت ہے وہ کسی موزوں اور کارآمد چیز کی ہے جس کی وجہ سے وہ خاندان اور سوسائٹی میں صحیح حقوق حاصل کر سکیں اور کل وہ نیک خصائل بیویاں اور بہترین مائیں کہلائی جاسکیں۔

علوم کی ترویج سے تعلیمات کا رواج دینا بدرجہا بہتر ہے اس میں علم کی آراستگی اور وہ تمام عناصر پوشیدہ ہیں جو ترقی اور اصلاح اخلاق کے لئے لازمی اور ضروری ہیں جو انسانی ہستی عالم باعمل ہوگی وہ بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی اور اس کے خلاف جو بات ہوگی وہ ذلیل و خوار ہوگی۔

بحیثیت سچے مسلمانوں کے اولاً ہم کو شیریں کلامی۔ نیک افعال سے اسلامی تعلیمات کا سیکھنا اور اسلامی مسائل کی اتباع کرنی چاہیئے کہ ہم اپنا کھویا ہوا سلسلہ تعلیم و تربیت پھر سے حاصل کر لیں تا ان مساعی جمیلہ اور خداوند لایزال کی استعانت سے منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ ہم اپنی ذات کیلئے اسی سے کام لیں اور تمام ہمجنس بہنوں کو مساوات کی نظر سے دیکھیں۔ چونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں ذات پات یا فرقہ و عقاید کے بارے میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بدیں وجہ میں استدعا کرتی ہوں کہ میرے عزیز بھائی اپنی خراب و خستہ حال بہنوں کی آیندہ اصلاح و ترقی میں ان کا فراخدلی سے ہاتھ بٹائیں گے۔ اور دستگیری سے مایوس نہ ہونے دیں گے۔

آپ کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ تعلیمیافتہ مائیں قوم کی ایک عظیم ترین ملک ہیں اور آیندہ آنیوالی نسلوں کی تعلیمات کا انحصار ان ہی کے دوش پر ہے اور اُن کے تعلیمیافتہ ہونے پر ملک کی نجات کا دار و مدار ہے۔ اس مسئلہ کے حل پر یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ہمارا مستقبل

کسقدر منور اور درخشاں ہوگا۔

خدا کرے کہ سچا اسلامی جوش ہمارے بھائی اور بہنوں میں پیدا ہو تاکہ وہ ہر چیز کی اصلیت پر غور کر سکیں اور گم شدہ شان کو حاصل کرنے کی سعی کریں خدا کرے کہ ان کے ارادوں میں جوش عقیدت نصیب ہو۔

محترمہ موصوفہ نے اپنے کلام کا سلسلہ امت مرحومہ کو جوش میں لانیوالی اس نظم کے دہرانے کے بعد ختم کیا جو ذیل میں قارئین کرام کے ملاحظہ کے لئے درج کی گئی ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

یوں بھلانے کو تو ہم دل سے بھلاتے ہیں مگر ❊ یاد آتے ہیں ہمیں تیرے وہ اگلے جوہر

وہ بھی اک دن تھا کہ جس سمت سے ہوتا تھا گذر ❊ ساتھ چلتے تھے جلو میں ترے اقبال و ظفر

تو کبھی روم میں قیصر کو مٹا کر آیا ❊ کبھی یورپ میں نئے فتنہ اٹھا کر آیا

تھی نصیبوں میں ترے دولت و اقبال و حشم ❊ تیرے حملہ سے کبھی ڈرتا تھا سارا عالم

ایشیا کا جو کیا تو نے مرقع برہم ❊ جا کے یورپ کے افق پر بھی اڑایا پرچم

کون تھا جس نے کیا فارس و یونان کو راج ❊ کس کی آمد میں فدا کر دیا جیپال نے راج

کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و باج ❊ کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج

تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا ❊ یہ وہی ہے کہ رگوں میں ہے تری خوں جن کا

ہم نے مانا بھی کہ یہ دل سے بھلا دیں قصے ❊ یا سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے

کبھی بھولے سے سلف کو نہ کریں یاد مگر ❊ یادگاروں کو زمانے سے مٹائیں کیونکر

قرو شیراز و صفاہاں کے وہ زیبا منظر ❊ بیت حمرا کے وہ ایوان وہ دیوار وہ گھر

مصر و غرناطہ و بغداد کے اک اک پتھر ❊ اور وہ دہلی مرحوم کے بوسیدہ کھنڈر

اُن کے ذروں میں چمکتے ہیں وہ جوہر اب تک

داستانیں اُنھیں سب یاد ہیں ازبر اب تک

"Safina-i-Niswan"

حضور دلہن شہزادی دردانہ بیگم صاحبہ
وسط میدان حیدرآباد ٹیم کو انعامات تقسیم فرما رہی ہیں
(جس نے پرنس اولین چیمپین شپ پولو ٹورنمنٹ جیتا تھا)

Photo by :
Raja Deen Dayal & Sons,
Secounderabad.

By courtesy
Indian States & Zamindaries
Hyderabad

" SAFINA-I-NISWAN "

شہزادہ والاشان
حضرت ولیعہد
بہادر
(مغربی لباس ملبس)

حضرتہ دلہن شہزادی
دردانہ بیگم صاحبہ
(قدیم ترکی لباس ملبس)

حضرتہ دلہن **شہزادی دردانہ بیگم** صاحبہ

(یہ تصویر اس زمانہ کی ہے جب اعلیٰ حضرت سلطان عبدالمجید خان تخت خلافت پر متمکن تھے اور حضرتہ شہزادی صاحبہ کی عمر دس سال تھی)

ماہ نامہ "سفینہ نسواں"
حیدراباد دکن

By Courtesy
The Nizam Gazetted

خاتونِ ہند سے خطاب

از مولٰنا سید علی اختر صاحب ۔ اختر

اے سراپا حسن! اے غمگین دلوں کی چارہ ساز ✽ اے کہ تیری ذات پر ہندوستاں کو فخر و ناز
اے کہ ہے صہبائے آسائش ترے پندار میں ✽ اے کہ فردوسی ترانے ہیں تری رفتار میں
اے کہ تیرے عجز میں تکمیل ہستی کی نمود ✽ اے کہ تیرے درد سے تسکینِ عالم کا وجود
اے کہ تیرے ساتھ ہے فردوس ہستی کی بہار ✽ اے کہ تیرے ہاتھ ہے ناموس گیتی کا وقار
ٹوٹنے والا تھا، صہبائے محبت کا ایاغ ✽ بجھ رہا تھا، جبکہ یزدانی تجلی کا چراغ
چھپ رہا تھا ظلمتوں میں حسن کا قصرِ رفیع ✽ رات اپنے بازوؤں کو کرتی جاتی تھی وسیع
بزم میں رکنے کو تھا سازِ محبت یک بیک ✽ ماند پڑتی جا رہی تھی نورِ عصمت کی جھلک
ڈھل رہی تھی آگ کے سانچوں میں گلشن کی نمو ✽ دوڑتا تھا پھول کی نبضوں میں کانٹے کا لہو
کانپتی تھی سینۂ عصمت میں آزادی کی رو ✽ روح کو جھلسا رہی تھی شعلۂ مغرب کی لو
ہو رہا تھا مضمحل سلمائے گیتی کا شباب ✽ ڈوبنے کو جا رہا تھا سوئے مغرب آفتاب
اس فضا میں تو نے چھیڑا، نغمۂ عیشِ دوام ✽ تو نے پہنچایا حیات افروز فطرت کا پیام
اے چراغِ بزمِ ہستی، اے فروغِ کائنات! ✽ کسقدر تحسین کے قابل ہیں یہ تیری صفات
ٹمٹما تا رہ گیا تھا بزمِ نسواں کا چراغ ✽ تو نے اے مشرق کی دیوی رکھ لیا دنیا کی لاج
ہو چکے ہیں گرچہ اجزائے لطافت مضمحل ✽ تیرے سینے میں ابھی تک ہے وہی معصوم دل
اب بھی تیری روح پر ہے قدسیت چھائی ہوی ✽ آج بھی اٹھتی ہے تیری آنکھ شرمائی ہوی
تیرے دامن میں نہاں معصوم بچوں کا سرور ✽ تیری پیشانی پہ رخشاں عزت شوہر کا نور
گو بدلتی جا رہی ہے رسم و راہِ روزگار ✽ تیری قربانی کے نظارے رہیں گے یادگار
تیری بے طوری کے جو اوہام ہیں، اکثر نہیں ✽ تیری نافہمی کے جو الزام ہیں تجھ پر نہیں
تجھ سے وابستہ ہے ناموس و وقارِ کائنات ✽ سن! کہ شاعر تجھ کو سمجھا ہے اسرارِ حیات
"بزمِ مغرب واقفِ آئینِ غمخواری نہیں" ✽ یہ تو پیدا خواب ہے پیغامِ بیداری نہیں"

عصر جدید کی ہندی عورت کو مشورہ!

جناب سید کریم اللہ احمد صاحب (عثمانیہ)

عصر جدید کی ہندوستانی عورت ایک معمہ ہوگئی ہے۔ اس معمہ کو حل کرنے کے لئے ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی معروف ہے پھر بھی یہ عقدہ عقدۂ لاینحل ہی رہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایکطرف عورتیں اپنی ترقی کی جدوجہد میں معروف ہیں تو دوسری طرف مرد عورتوں کے حالات بہتر بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ غالباً طبقۂ ذکور کا یہ خیال ہے کہ کسی قوم یا ملک کی بھلائی اسی وقت ممکن ہے جبکہ نسل آدم کا نصف یعنی طبقۂ اناث ترقی یافتہ ہو۔

عورتیں اس امر کی دو ویدار ہورہی ہیں کہ ہم اپنے میں وہی قوتیں اکثر و بیشتر رکھتے ہیں جو دنیوی کاروبار کے لئے مردوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ساری دنیا کی عورتیں کوشش کر رہی ہیں عام طور پر وہ یہ سمجھی ہوی ہیں کہ ساری دنیا کی عورتیں ایک ہی اصول پر ترقی کرسکتی ہیں مگر یہ مانا ہوا مسئلہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک کے تمدنی۔ معاشرتی، اور سماجی حالات یکسانیت نہیں رکھتے۔ یہ امور وہاں کے باشندوں میں وطنی ماحول کے مطابق ہوا کرتے ہیں مغرب کی عورتوں کے خیالات عصر حاضرہ میں اس خصوص میں انتہائی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ وہاں زندگی کی ہر دوڑ میں عورت مرد کی ہمسر ہونا چاہتی ہے۔ اور یہ رفتار ترقی وہاں اس نوبت پر پہنچ گئی ہے کہ خود اقوام مغرب کا خیال ہے کہ "ہماری تباہی کا سب سے بڑا باعث آیندہ اگر ہوگا تو یہی ہماری ترقی یافتہ عورت ہوگی"۔ سب سے بڑی بات ہندوستان کی عورتوں میں جو آجکل ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ ان کی غیر مطمئن زندگی ہے۔ عورتیں اپنی موجودہ حالت کے لحاظ کرتے بجائے اسکے

کہ وہ بہتر حالات فراہم کرنے کی کوشش کریں مایوسی اور غیر اطمینانی کے گرداب میں مبتلا ہیں وہ زندگی کے چھوٹے بڑے شعبوں میں خواہ کوئی شعبہ ہو یہ سمجھی ہوئی ہیں کہ ان کی زیست مقید ہے جو کچھ وہ کرتی اور کرنا چاہتی ہیں ان کی مزاحمت کرنے والے موجود ہیں۔ گویا وہ اپنے کو ایک قیدی محسوس کرتی ہیں۔ خیال کا اثر بھی انسانی زندگی پر بہت کچھ ہوتا ہے۔ تصورات ذہنی کی تشکیل اعمال میں ہوتی رہتی ہے۔ اگر تصورات ذہنی اعلیٰ اور ارفع ہیں تو افعال بھی اسی پایہ کے ہوں گے اگر تصورات ارزل اور ادنیٰ ہیں تو اعمال بھی پست ہوں گے۔ گویا تصورات ذہنی کسی قوم کے اعلیٰ اور ادنیٰ حالت کے بہت کچھ ذمہ دار ہیں۔ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی انفرادیت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ہمارا تجربہ ہے کہ وہ افراد بام ترقی پر چڑھتے ہیں۔ جن کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر حالت اختیار کریں گے۔ گری ہوئی حالت ان کی ہوتی ہے جو ہر لمحہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بیکس ہیں "لاچار ہیں، مجبور ہیں" مگر سعی مستقبل کے نظام العمل کو نہیں بناتے۔

برخلاف اس کے ان اقوام کو دیکھئے جو ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔ عیوب کو نظر انداز کیجئے۔ خوبیوں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خصوص میں وہ لوگ بہت آگے ہیں۔ وہ مستقبل کے لئے نت نئے منصوبے باندھتے رہتے ہیں۔ ان اقوام کی زندہ دلی ان کی عورتوں کے بدولت ہے۔ شاذ ہی ایسے افراد ہوں گے جنکی زندگی عورتوں کی وجہ سے دوبھر ہو گئی ہو۔ وہاں کی عورتیں اپنا مطمح نظر نہایت ہی اعلیٰ رکھتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کا طریق عمل حصول مقصد کے لئے نتیجہ خیز نہ ہو۔ مگر خیالات کی بلندی ضرور قابل تعریف ہے۔ وہ پرسکون اور مطمئن قلب رکھتی ہیں۔ ہر حالت میں خوش ہیں۔ حالت اطمینان میں وہ ترقی کی راہیں نکالتی رہتی ہیں۔ گھر کی معمولی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی تک ان کی یہی حالت رہتی ہے۔ زن و شوہر مسرور زندگی گذارتے ہیں بچوں کی نگہداشت وہ صحیح اصول پر کرتی ہیں۔ انتظام خانہ داری بحسن و خوبی انجام پاتا ہے۔ غرض یہ سب نتائج ان کے اعلیٰ تصورات ذہنی کے بدولت موجود ہیں۔ آج ہم ہندوستانی آزادی کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے رہنمایانِ قوم اس چیز کو اہم قرار نہیں دیتے کہ قوم کی آزادی اور احساس قومیت میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے" وہ قوم ہرگز آزادی کی مستحق نہیں جس میں علاوہ فقدان قومیت کے اس کے نصف نفوس آزادی سے بے بہرہ ہوں۔ اور یہ وہ خصوصیات

جو احساسِ آزادی پیدا کرتے ہیں ان میں موجود نہ ہوں۔ اے! عالیشان روایات کی حامل ہندی دیویو! اب تمہارا فرضِ اولیں ہے کہ تم خودداری۔ اور بلند خیالی کی عادتوں کو از سرِ نو تازہ کرو تاکہ تمہاری قوم کا نخل تمنا بار آور ہو سکے۔ ہندوستانی عورتیں بجائے اس کے کہ آزادی کو صحیح اصول کے ساتھ حاصل کریں ایسی چیزوں کی نقالی میں مصروف ہیں جو آزاد روح کے پیدا کرنے کے منافی ہیں۔ آجکل کی عورتیں ترقی اس کو سمجھتی ہیں کہ پردہ نہ ہو۔ ازدواج کی عمر کا تعین ہو۔ یورپ کے فیشن کا لباس ہو۔ بال کترے ہوئے ہوں۔ گوَن پہنا جائے۔ سگریٹ جلائے جائیں۔ ناچ اور بال گھر کی رونق بنیں۔ شب کی تفریح گاہیں ان کے شمع حسن سے منور ہوں۔ سینما اور تھیٹر ان کے زرق برق لباسوں سے جگمگا اٹھیں۔ اے محترم بہنو! تمہارا احترام ان چیزوں سے قائم نہیں رہ سکتا۔ تمہارا مقصد ایسا ذلیل نہ ہونا چاہئے۔ اس کو بلند اور ارفع بناؤ۔

تم کو سچی آزادی اس طرح نہیں ملے گی۔ تمہاری قوم اسطرح دنیا میں نمایاں رتبہ حاصل نہیں کرے گی۔ بلکہ بداخلاقی۔ کج فہمی۔ اخلاقی کمزوری کی زیادتی تمہاری قوم کا منہ کالا کرے گی۔

مشرق میں مغرب کی تقلید جو عام طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اس کا بیج اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں بویا گیا۔ ہندوستانی اسوقت سے انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی معاشرت اختیار کرتے رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان میں یہ عالمگیر وبا پھیل گئی پہلے پہلے اسکا شکار مرد ہوئے اور رفتہ رفتہ یہ متعدی مرض عورتوں میں بھی چل نکلا۔ مگر افسوس اس امر کا ہے کہ باوجود تین چوتھائی صدی کی کورانہ تقلید کے ایک چوتھائی مغربیت بھی ہم میں نہ آسکی نہ رنگ بدلا۔ نہ جسم بدلا۔ نہ عادت بدلی۔ نہ لب و لہجہ بدلا۔ اور نہ ہماری زندگی بدلی۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ ادھر مغربی فیشن کے خاطر کچھ روپیہ اڑا اور ادھر مشرقی زندگی سنبھالنے کے لئے کچھ اخراجات ہوئے۔ ایک وہ قوم ہے کہ باوجود مختلف تہذیبوں سے ٹکرانے کے اپنی معاشرت نہیں بدلتی۔ اور ایک ہم ہیں کہ اپنی قدیمی روایات کے خلاف اوروں کی معاشرت اور طرزِ زندگی کے اختیار کرنے میں حد درجہ منہمک ہیں۔ ہمارا یہ انہماک ہم کو مصرف اور تہی دست بنا رہا ہے۔ ان چیزوں کی موجودگی میں آزادی کی تمنا عبث خصوصًا عورتیں تو لفظ آزادی کو

جانتی ہی نہیں۔

موجودہ دور میں عورتیں متفقہ خیال نہیں رکھتیں۔ ہر اس تحریک کو جو طبقۂ نسواں سے متعلق ہو۔ وہ بلا کسی سوچ بچار کے یہ سمجھ جاتی ہیں کہ یہ ان کی فلاح اور بہبودی کے لئے ہے نتیجہ الٹا ہو یا سیدھا۔ مذہب کی دلدادہ ہماری عورتیں تو ہیں مگر بے سمجھے بوجھے۔ بہرحال عصر جدید کی ہندوستانی عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قدیم روایات مشرقی کو نظر کے سامنے رکھکر اس امر کی کوشش کریں کہ مذہب کی سچی پیروی ہو۔ اور انتظام وامورِ خانہ داری سے بخوبی واقف ہوں۔ قدما کی زندگیوں کا مطالعہ کریں اور گھر میں اور سوسائٹی میں مشرقی ماحول پیدا کریں۔ مرد بیجا آزادی کے دلدادہ مشرقیت کو برقرار رکھنا چاہیں اور عورتیں مغربی طرز کی پرستار بنی رہیں۔ اور گھر میں مغربی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں تو مجموعۂ اضداد پروان نہیں چڑھ سکتا۔

ہوشیار! خاتونِ مشرق طعمۂ طوفاں نہو!

از

محترمہ خورشید آرا بیگم خورشید
دختر قاضی محمد قیام الدین صاحب (برار)

اے زنِ مشرق ہوشیار اے انداز جدید ❊ جرعہ کش صہبائے طرزِ غرب سے ناداں نہ ہو
آئینہ دار حیا۔ تصویر عفت۔ حلم خو۔ ❊ حامل حسن وفا۔ فیشن کی تو جویا نہ ہو
کیوں پسندیدہ ہے انداز لباس مغربی ❊ نیم عریاں۔ شرم خو۔ اے پیروِ قرآں نہو
مشرقی ہے تو زنِ امریکن و روسی نہ بن ❊ شوق میں تقلید کے بے پردگی ساماں نہو
افتخار مسلم ہندوستاں پر اک نگاہ ❊ صید دام فیشن و اسراف در داماں نہو
دائما۔ خذ ما صفا دع ما کدر پر ہو عمل ❊ علم مغرب سے فائز مغربی ساماں نہو
ہوں چراغ شرم سے روشن شبستانِ قلوب ❊ باد طرز مغربی پرور ترا بستاں نہو
شعلہ در آغوش ہے کاشانۂ خود کر نظر ❊ دل وہ کیا جو سوزِ دردِ قوم سے تفساں نہو
ہے ضرورت ملک کو تیرے ید امداد کی ❊ محو صد فیشن پرستی فرقۂ نسواں نہو
سیل طرز غرب ہے برباد ساز کشت شرق ❊ ہوشیار! خاتونِ مشرق طعمۂ طوفاں نہو
عرصۂ فیشن میں اسپ آرزو جولاں نہ کر ❊ گوئے اندازِ جدیدہ کے لئے کوشاں نہو
باعث تزئین فرق زن ہیں یہ گیسو ترے ❊ نذر حجاماں نہ کر۔ ہم صورت مرداں نہو
بادۂ تعلیم مغرب سے کیف ہو مگر ❊ بے نیاز مشرقی اوصاف اے ذیشاں نہو

"من نمی گویم کہ علم مغربی حاصل مکن"
لیک اے خورشید طرزِ غرب کی خواہاں نہو

چمن میں پھول چننا پھول والوں کو مبارک ہو!
یہاں بھی اے جنوں ٹکڑے گریباں کے ہیں پہن میں!!

۱۔ فرات کی طغیانی کے وقت آپ اس کی روانی کو روک سکیں گے، لیکن ایک دکھے ہوئے دل کے آنسو جب امنڈ نے لگتے ہیں ان کا روکنا مشکل ترین امر ہے!!

۲۔ خواہشات کے راستہ سے درگذرو تیر اطمینان قلب کا دروازہ کھل جائیگا۔

۳۔ جوں جوں آفتاب مائل بہ زوال ہوتا ہے۔ ہمارا سایہ بڑھتا جاتا ہے، اسی طرح جیسے جیسے ہماری زندگی اختتام کو پہنچتی جاتی ہے ہماری آرزوئیں پیر پھیلانے لگتی ہیں!!

۴۔ انسان اپنی قسمت کا آپ خود مختار ہے!!

۵۔ غرور تباہیوں کا پیش خیمہ ہے!!

۶۔ جس دل کی نشو ونما شرافت و عالی نسبی کے خون سے ہوئی ہو وہ کیا جانے کہ غرور، کس باغ کی مولی ہے!!

۷۔ مصیبت اور تکلیف کا ایک دن، خوشیوں اور شادمانیوں کے ایک سال سے زیادہ طویل ہوتا ہے۔

۸۔ ندامت کے آنسو۔ جرائم کے داغ دھبوں کو دھو دیتے ہیں۔

۹۔ ان پتھر کے دلوں کو شرم سے پانی ہو جانا چاہئے جو دوسروں کی مصیبت پر نہیں پگھلتے!!

۱۰۔ دنیا میں کسی کے دل پر ایسا زخم نہیں ہے جس کو رب السموات مندمل نہ کر دے!

۱۱۔ ادھر خوف و مصیبت کی گھڑی ٹلی کہ ادھر خدا کو بھولے!!

۱۲۔ جو عالم شباب اور "تندرستی" میں مرا اس کی موت قابل رشک ہے۔

۱۳۔ کالی اندھیری میں ہی ستارے زیادہ چمکتے ہیں، مصیبت و تکلیف کے بعد ہی راحت کی اہمیت کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ خدا کے محبوب بندے ہی مبتلائے آلام و مصائب رہتے ہیں!

۱۵۔ مرتے ہوئے لوگوں کے عیوب کا انکشاف مت کرو!

۱۶۔ قرض آزاد بندوں کو غلامی کے طوق میں جکڑ دیتا ہے۔

۱۷۔ خوبصورت کلی کو کیڑا لگ جاتا ہے۔

۱۸۔ ہزاروں برس میں "ایک" انسان ایسا عالم تخلیق سے رونما ہوتا ہے جسکو "مکمل کیرکٹر" کہا جا سکے!!

۱۹۔ "اختصار" عقل و دانش کی روح ہے۔

۲۰۔ اسباب و اقعات انسان کے عادات و اطوار کی تعمیر کرتے ہیں۔

۲۱۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اس میں سوائے "تغیر" کے اور کوئی نئی بات نہیں، پس دنیا کا دوسرا نام "انقلاب" ہے!!۔

۲۲۔ طرز عمل ایک آئینہ ہے۔ جس میں ہر شخص اپنا اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔

۲۳۔ انسان کی قبر اس کی خواہشات کا گہوارہ ہے ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے!!

۲۴۔ آگ سونے کی کسوٹی ہے، اسی طرح ایک بہادر، مستقل مزاج، اور نیک آدمی کی کسوٹی کا وقت اس کے حوادث و مصائب کا سامنا ہے۔

۲۵۔ ایک سنگدل انسان خونی سے بدتر ہے۔ (باقی وارد)

علم ایک خداداد نعمت ہے۔ اور خدا کو علم ہی سے پہچانا جاتا ہے۔
علم۔ ایک خزانہ ہے جس میں کئی قسم کے جواہر موجود ہیں۔ خدا نے جس کو جتنی عقل و دیعت کی۔ اس نے ویسے ہی جواہر چن لئے۔
علم۔ وہ دولت ہے جس کے سامنے قارون کا خزانہ تک شرماتا ہے۔
علم۔ مفلس کے لئے دولت اور دولتمندوں کے لئے سرمایۂ ناز ہے۔
علم۔ ایک ایسی دولت ہے جسکو چور نہیں چرا سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ دماغ میں محفوظ رہتی ہے۔
علم۔ ایک دریا ہے۔ جس کا ساحل بہت دور ہے۔ اس کی بلند موجوں کو دیکھکر اکثر ڈر جاتے ہیں اور بعض ان میں کود پڑتے ہیں وہ موجوں کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے تہ میں سے بیشمار موتیاں چنتے ہوئے کنارے کو جا لگتے ہیں۔ پھر ان کو یہ دریا زخار پانی کا ایک کوزہ معلوم دیتا ہے۔
علم۔ وہ کنواں ہے جس کے پنگھٹ پر ہزاروں لوگ پانی بھرنے آتے ہیں۔ اور اسکا پانی کبھی کم ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اور بڑھتا جاتا ہے۔
علم۔ روح کی غذا ہے۔ فانی انسان اپنے پیٹ کی غذا حاصل کرنے میں اپنی زندگی گذار دیتا ہے لیکن افسوس ہے کہ روح کی غذا کے لئے اپنی عمر گرامی کے عزیز لمحوں کو وقف کرنا نہیں چاہتا۔

علم۔ دل و دماغ کی روشنی ہے۔ مگر ہم لوگ اپنے اینٹ پتھر کے گھر کو روشن کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لیکن علم کی شمع سے تاریک دل و دماغ کو منور کرنے کا دھیان تک نہیں کرتے۔

علم۔ برائیوں کا ہتیار ہے۔

علم۔ خوبیوں کا آئینہ ہے۔ جاہل کا دماغ پتھر کا سا ہوتا ہے۔ لیکن جب پتھر کو تراش کر اسے صاف کر دیا جاتا ہے تو اس میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہی پتھر آئینہ بن جاتا ہے۔

علم۔ نوجوانوں کا معاون اور بوڑھوں کا سہارا ہے۔

علم۔ خوشحالی میں زیور اور تنگدستی میں دولت ہے۔

خاموش

رُباعی

از

حضرت شبیر حسین خاں صاحب جوشؔ (ملیح آبادی)

مجبور ہیں یوں جیسے زہر پینے والے
طوفان میں ہیں جو سفینہ کھینے والے
واللہ کہ اس دنیا میں ہیں زندہ دل کیلئے
ناکام ہیں خدا کا نام لینے والے

جوشؔ

"عید کا تحفہ"

(فسانہ)

محترمہ اقتدار منظور صاحبہ

صفیہ اور رفیق کی نہایت کامیاب زندگی گزر رہی تھی۔ اُن کی شادی ہوئے ۶ سال ہو گئے صفیہ نے اس ۶ سال کے عرصہ میں کبھی اپنی طرف سے رفیق کو کسی قسم کی شکایت کرنے کا موقع نہ دیا۔ وہ ہر کام رفیق کے کہنے اور خیال دلانے سے بیشتر اُس کی مرضی کے مطابق کر دیتی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ رفیق حقیقت میں صفیہ کا رفیق بنا ہوا تھا۔ اور اُس پر جان نثار کرنے کو تیار تھا۔ صفیہ نے اپنی خدمتگزاری و دلی محبت کے سبب اس قلیل عرصہ میں رفیق کو بالکل اپنا بنا لیا تھا۔ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ دونوں کی محبت میں بھی برابر ترقی ہوتی جا رہی تھی۔

صفیہ کی شادی اس کے والدین نے اُسی وقت کر دی تھی جبکہ رفیق ابھی تعلیم کی ابتدائی منزل میں تھا۔ اور وہ ابھی انٹرنس ہی کرنے پایا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ بچارے کے پاس آبائی جائداد نہ تھی جس سے وہ اپنی تعلیم وغیرہ کے اخراجات پورے کر سکتا۔ مگر قابل تعریف ہے اُس کی ہمت کہ ایسی حالت میں بھی اس نے تعلیم کو خیرباد نہیں کہا۔ بلکہ بڑے استقلال کے ساتھ تعلیم کو جاری رکھا۔

رفیق فطرتاً ذہین اور قابل تھا جس کی وجہ وہ ہمیشہ امتحانوں میں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوتا تھا یہ کامیابی اس کے حصول وظیفہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرتی صفیہ کا باپ زیادہ امیر نہ تھا سب انسپکٹری سے (للعہ) روپیہ پنشن ملتی تھی۔ کثیر العیالی کیوجہ یہ آمدنی خود انھیں کافی نہ تھی تو پھر رفیق کی کیا خاک دستگیری ہوتی۔

صفیہ نہایت سلیقہ شعار لڑکی تھی۔ چنانچہ وہ رفیق کے وظیفہ میں جو اس کو کالج کے تیسرے

سال سے زائد ۳ روپیہ ہو گیا تھا) گزارہ کرتی تھی۔ چونکہ ہندوستان میں عورتوں کے اکتساب معاش کو بڑی حد تک بُرا خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے غریب صفیہ بھی سیون یا دستکاری کا کام اجرت پر نہ لے سکتی تھی۔ وہ دونوں اس قلیل آمدنی میں نہایت مسرت اور بے فکری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کس لئے؟ محض اسواسطے کہ ان میں اتفاق اور سچی محبت تھی۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ طرفین کے اتفاق ہی از دواجی زندگی ایک کامیاب اور پر از مسرت زندگی ہو سکتی ہے، خواہ کیسی ہی تنگدستی اور عسرت میں کیوں نہ بسر ہو۔

(۲)

صفیہ اپنے پلنگ پر پڑی خیال کر رہی تھی کہ کل عید ہے رفیق کو تحفہ میں کیا چیز دوں اسوقت اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی۔ صفیہ کے والدین نے جو زیور اس کو بوقت شادی دیا تھا وہ چوری جاتا رہا۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو بطور تحفہ پیش کر سکے۔

سوچتے سوچتے اس کی نظر لاکٹ پر پڑی جو اپنے گلے میں پڑا تھا۔ خیال پیدا ہوا کہ اس کو فروخت کر کے کیوں نہ رفیق کے لئے کوئی چیز منگالوں۔ مگر ساتھ ہی اس خیال نے افسردہ کر دیا کہ اس کو جدا کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ یہ پیاری زبیدہ کی نشانی ہے۔ دیر تک وہ ان ہی خیالات میں محو رہی۔

دو باتیں پیش نظر تھیں جب خیال ہوتا کہ کل عید ہے اور رفیق کو تحفہ میں دینے کے لئے کوئی چیز نہیں تب لاکٹ کے فروخت کرنے پر مجبور ہوتی۔ لیکن جب یہ خیال ہوتا کہ دور افتادہ زبیدہ کی نشانی ہے تو پھر اُس کی علٰحدگی کے خیال سے بے چین ہو جاتی۔ الغرض صفیہ بہت دیر اسی اودھیڑ بُن میں رہی۔ اس کے بعد اس کے ضمیر نے یہی فیصلہ کیا کہ لاکٹ فروخت کیا جائے۔ کیونکہ وہ زبیدہ کے مقابلہ میں رفیق کی محبت کے نقوش زیادہ گہرے اور چمکدار پاتی تھی۔ مشرقی خاتون کی شوہر پرستی ساری دنیا میں ایک ضرب المثل بن گئی ہے۔ صفیہ بھی اسی جذبہ سے مغلوب ہو کر اٹھی اور اپنی ہمسایہ کو آواز دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بڑی بی۔ دلہن بیگم کیا کام ہے؟

صفیہ۔ بی بی بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر آپ نے کسی آدمی سے اس لاکٹ کو فروخت کرادیں گی!
صفیہ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے لاکٹ اتارا اور بڑی بی کے ہاتھ میں دیکر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کو فروخت کروائے اور اس کے داموں میں ایک خوبصورت سگریٹ کیس خرید کر منگوا دیں تو نوازش ہوگی "۔ لاکٹ پر پھر ایک حسرت بھری آخری نظر ڈالی اور تلملا کر رہ گئی۔

بڑی بی! لڑکی اس کو کیوں فروخت کرواتی ہو دیکھو کیسا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ شاید یہ وہی ہے، جسکو قریب ایک ہفتہ ہوا تم کہتی تھیں کہ میری ایک سہیلی نے بھیجا ہے۔ صفیہ سہیلی کا نام سنکر ضبط نہ کرسکی اور فرط محبت سے گرم گرم آنسو رخسار نازک پر ٹپکنے لگے۔ اس نے بھرائی ہوی آواز میں جواب دیا کہ ایک ایسی ہی سخت ضرورت ہے۔ میں سگریٹ کیس کو لاکٹ کی علٰحدگی سے کہیں زیادہ ضروری سمجھتی ہوں۔ اچھا اب آپ جلد منگوا دیجئے گا۔

بڑی بی۔ لاکٹ لیکر چلی گئیں۔

(۳)

رفیق کالج سے آرہا تھا کہ خیال پیدا ہوا کل عید ہے۔ پیاری صفیہ کو تحفہ دینا ضروری اور لازمی امر ہے۔ کچھ دیر تک سوچتا رہا کہ کیا کرے آخر کچھ غور و خوض کے بعد خیال کیا کہ گھڑی بیچ کر صفیہ کے لئے بروچ لیجاؤں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ وہیں ایک دوکان کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا اور دیر تک نہایت غور کے ساتھ اس معمہ کے حل کرنے کی کوشش کرتا رہا جب گھڑی کی علٰحدگی پر آمادہ ہوتا تو ظفر مرحوم کی نشانی کے خیال سے بے چین ہوجاتا۔ اور جب خیال کرتا کہ کل عید ہے اور صفیہ کے لئے کوئی تحفہ نہیں ہے تو پریشان ہو کر اسبات پر مجبور ہوتا کہ گھڑی ہی کو علٰحدہ کرے آخر اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ رائے قایم کی کہ گھڑی کو رہن رکھ دے اور اس کے روپیوں سے صفیہ کے واسطے عید کے تحفے کا کوئی انتظام کرے۔

اس خیال کے آتے ہی رفیق نے اطمینان کا سانس لیا، اور اسکا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ وہ ایک گھڑی ساز کی دوکان پر گیا اور گھڑی نکال کر دیتے ہوے کہا اس کو رہن رکھ لیجئے۔ جو وقت میرے پاس روپیہ ہوگا لیجاؤں گا۔ گھڑی ساز نے اس کو ۱۰ روپیہ دیا۔ یہ روپیہ لیکر صراف کی دوکان پر پہنچا اور وہاں سے ایک خوبصورت بروچ خرید لیا۔ اور نہایت خوشی خوشی گھر کی راہ لی۔ رفیق اسوقت بیحد مسرور تھا اسلئے کہ وہ اپنی رفیقہ کے لئے "عید کا تحفہ" پیش کرنے والا تھا۔

(۴)

صفیہ ابھی ان ہی خیالات میں محو تھی کہ بڑی بی آئیں اور صفیہ کو آواز دیا۔
بڑی بی۔ لو دلہن یہ تمہارا سگریٹ کیس آگیا۔ دیکھو ٹھیک ہے نا؟ نو روپیہ آٹھ آنہ کا ہے۔
صفیہ۔ بڑی بی کی آواز سے چونک کر بڑی جلدی لے آئیں، اور سگریٹ کیس لیکر بڑی بی کا شکریہ ادا کیا۔
بڑی بی۔ دلہن بیگم پسند بھی آیا یا نہیں؟
صفیہ۔ نہایت خوب صورت ہے۔ پھر پسند کیوں نہیں آتا! آخر پسند نہ آنیکا سبب؟
بڑی بی تو اپنے گھر چلی گئیں اور صفیہ نہایت خوشی خوشی سگریٹ کیس رکھ آئی۔ اور اب رفیق کے آنے کا نہایت بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد رفیق جب اندر داخل ہوا تو صفیہ مسکراتی ہوئی تعظیم کو اٹھ کھڑی ہوئی۔ مزاج پرسی کے بعد کوٹ وغیرہ لیکر کمرہ میں رکھی اور واپس آئی۔
رفیق۔ "پیاری صفیہ کیا کھانا تیار ہے؟ آج نہ معلوم کیوں نہایت شدت سے بھوک محسوس ہو رہی ہے"۔
صفیہ۔ "چونکہ آج خلاف معمول کچھ دیر ہوگئی ہے"۔ "بہت اچھا میں ابھی کھانا لاتی ہوں"۔ صفیہ کھانا لائی اور دونوں نے کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر رفیق باہر اپنے کسی دوست کے پاس چلا گیا اور صفیہ گھر کے کام کاج میں مشغول ہوگئی۔

(۵)

عید کی صبح ہر ایک شخص خوش اور شاد نظر آرہا تھا۔ اور ہر مسلمان کے گھر میں خوشی و شادمانی منائی جارہی تھی۔ صفیہ بھی خلاف معمول روز سے زیادہ سویرے اٹھی۔ اور رفیق کے غسل کو گرم پانی صابون تولیہ وغیرہ حمام میں رکھ کر رفیق کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد رفیق بیدار ہوا اور غسل خانہ میں چلا گیا۔ صفیہ نماز پڑھنے لگی وہ نہا کر جب باہر آیا تو صفیہ سے کہا۔
رفیق۔ پیاری صفیہ کیا تم لباس تبدیل نہ کروگی؟
صفیہ۔ جی نہیں صرف جناب کا انتظار تھا۔ ابھی بدلے دیتی ہوں۔ صفیہ نے غسل کیا اور کپڑے بدل کر باہر آئی۔ رفیق اس کے انتظار میں بیٹھا تھا اس کو دیکھ کر فرط مسرت سے مسکرادیا۔ صفیہ بھی مسکرانے لگی۔ اور وہ اس خیال سے آگے بڑھی کہ رفیق کو عید کا تحفہ پیش کرے۔ ادھر رفیق نے اپنے کوٹ کی جیب سے بروچ نکالنے کو ہاتھ ڈالا۔ محبت کی کشش تو دیکھئے کہ بالکل ایک ہی وقت

میں دونوں نے ایک دوسرے کو "عید کا تحفہ" پیش کیا۔ رفیق نے یہ کہتے ہوئے کہ پیاری صفیہ تمہاری ساڑی میں یہ پیتل کی پن اچھی نہیں معلوم ہوتی یہ کہتے ہوئے بروچ اپنے ہاتھ سے ساڑی میں لگا دیا صفیہ نے نہایت محبت بھرے الفاظ کے ساتھ سگریٹ کیس پیش کیا۔ رفیق جب اپنے ہاتھ سے صفیہ کی ساڑی میں بروچ لگا رہا تھا تو اسکی نظر صفیہ کے گلے پر پڑی، جس میں وہ لاکٹ موجود نہ تھا جو اس کے حسن دل آویز میں چار چاند لگایا کرتا تھا۔ رفیق حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا۔ کیوں صفیہ تمہارا لاکٹ کہاں گیا؟ جو زبیدہ نے تم کو دیا تھا۔ صفیہ نے مسکرا کر نیچی نظروں کے ساتھ جواب دیا کہ اس کی شکل سگریٹ کیس سے تبدیل ہو گئی ہے۔

رفیق۔ ہائیں اتنے یہ کیا غضب کیا کہ وہ تمہاری پیاری سہیلی کا تحفہ تھا۔

صفیہ۔ میرے اچھے رفیق .... مجکو...... آپ کی ...... محبت ....

رفیق۔ صفیہ۔ پیاری صفیہ بیشک مجھ کو تم سے ایسی ہی توقع ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کو محبت کا اظہار کرنے میں بھی اسقدر شرم غالب ہے۔

صفیہ۔ (ٹالنے کے خیال سے) ہاں یہ تو فرمائیے کہ آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے؟

رفیق۔ میرے پاس گھڑی نہیں ہے۔ آج عید کی خوشی کے سبب اُس کی بھی شکل بدل گئی اور وہ میری جیب کے بجائے تمہارے سینہ پر خوشی سے مچل رہی ہے۔

صفیہ۔ اُف پیارے رفیق آپ نے یہ کیا ستم کیا۔ آہ ...... وہ تو آپکے پیارے مرحوم ظفر کی نشانی تھی۔

رفیق۔ پیاری صفیہ یہ قطعی درست ہے مگر مجھکو اسوقت گونہ مسرت ہے کیونکہ میں اپنے پیارے ظفر کی نشانی اپنی محبوبہ کے سینہ پر لگی دیکھ رہا ہوں۔ بخدا میں سچ کہتا ہوں کہ گھڑی کی موجودگی میں مجھ کو کبھی اس کو دیکھکر اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آج تمہاری ساڑی میں بروچ دیکھ کر ہو رہی ہے۔ مجھ کو عید سے زیادہ تمہاری اسی سچی محبت نے مسرور کر دیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ مسرت دائمی رہے، اور ہمیں ہر روز ایسی عید منانی نصیب ہو

یہ بالکل سچ ہے کہ "محبت، محبت پیدا کرتی ہے اور محبت کی قیمت خود محبت ہے"

عزیز بہنو! ان زرین مقولوں کو پیش نظر رکھو تو یقیناً اپنی ازدواجی زندگی کو آپ سنوار دگے۔

سیتا پھل

از

مولنا میر سعادت حسین صاحب نجیب

رُت کہ تیرے یا تو ویرانوں میں ہیں یا بن میں ہیں ❖ باہر آبادی کے ہیں یا کوہ کے دامن میں ہیں
سینچنے والا کوئی اِن کا نہ رکھوالا کوئی - ❖ شدتِ گرما میں بھی پانی نہیں دیتا کوئی
رہتے ہیں اس پہ بھی ہر اک فصل میں شاداب یہ ❖ رحمتِ باری سے ہردم ہوتے ہیں سیراب یہ

سیب انار، انگور ہو، یا جام کیلا، سنترہ ❖ ہے ہر اک کا رنگ الگ خوشبو جدا لذت جدا
پر ہے سیتا پھل یہ تیرا ذائقہ کچھ اور ہی ❖ تیری رنگت اور ہی کچھ ہے مزا کچھ اور ہی
تجھ پہ ہیں یہ چھوٹے چھوٹے دایرے کیا دلربا ❖ تو تو ہے انجیر اور رُمّان سے بھی خوشنما
ہے انناس اچھا تجھ سے، پر کہاں اس میں مٹھاس ❖ نیشکر میٹھا تو ہے لیکن نہیں کچھ اُس میں باس
ہو رہا ہے شق اسی اندوہ سے قلبِ انار ❖ تو معطر ہے، نہیں کچھ اُس میں بوئے خوشگوار
ربط تو تجھ کو نہ تھا گلہائے گلشن سے کبھی ❖ پر چنبیلی کی کہاں سے تجھ میں خوشبو آ گئی
بیج کالے، مغز اجلا، پوست ہے تیرا ہرا ❖ ایک پھل میں رنگ اتنے، ہے عجب شانِ خدا
پختہ ہو کر اور ہی کچھ حُسن دکھلاتا ہے تو ❖ ہے تو پھل پر پھول کے مانند کھل جاتا ہے تو
گو نہیں دشوار طالب کے لئے پانا ترا ❖ پر مزہ دے جاتا ہے پتوں میں چھپ جانا ترا
بن میں سیتا کو جو بھایا وہ ثمر تو ہی تو تھا ❖ جھاڑیوں میں جا بجا پیش نظر تو ہی تو تھا
کیوں نہ تیری خواہش و عزت ہر اک دل میں رہے ❖ توڑتے تھے رام تجھ کو اپنے پیارے ہاتھ سے

پختہ ہو کر ہر ثمر اپنا بدل دیتا ہے رنگ ❖ جسطرح سفلہ میں ظاہر زر سے ہوں نخوت کے ڈھنگ
پر نہیں ہوتی کبھی تبدیلی حالت تری ❖ خام ہو یا پختگی، ہے ایک ہی رنگت تری
ہاں اسی باعث تو کہتے ہیں شریفہ سب تجھے ❖ شاہ سے لیکر گدا تک کل ہیں گرویدہ ترے

" SAFINA-I-NISWAN "

ہز ہائنس سر آغا خان اور بیگم صاحبہ

ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By Courtesy
The Nizam Gazette

ہز اکسیلنسی راجہ راجایان مہاراجہ **سر کشن پرشاد بہادر** صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی
(نے ازراہ عواطف حقیر "سفینہ" کے پیشکش کو نہ صرف شرف قبولیت بخشا بلکہ اپنے گرانقدر
کلام سے بھی عزت افزائی کا وعدہ فرمایا جو "ادارہ سفینہ" کے لئے باعث صد افتخار ہے)

ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By Courtesy
The Nizami Gazette

ملکۂ امید

(افسانہ) (بسلسلۂ گزشتہ)

از جناب اختر قریشی صاحب

(۴)

ذکیہ کو یقین ہو گیا تھا، اور وہ خوش تھی کہ اب رشید کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو چلا ہے "صبح کا بھولا ہوا اگر شام کو گھر پلٹے تو اس کو بھولا نہیں کہتے" یہ خیال نہ تھا بلکہ مسرت میں ڈوبا ہوا ایک ایسا پیغام جس سے سینکڑوں مسرتیں اور ہزاروں امیدیں وابستہ تھیں ایک شب کوئی بارہ بجے ہوں گے۔ ذکیہ نے دیکھا کہ رشید لڑکھڑاتا ہوا کمرہ کے زینہ پر چڑھ رہا ہے۔ وہ ابھی باہر سے آیا تھا، طرز سے ایسا پایا جاتا تھا کہ وہ نشہ میں چور اور شراب سے مخمور ہے۔ چڑھتے ہوئے اس کا پیر زینے سے سرک گیا اور وہ لڑھکتا ہوا نیچے آ رہا۔ ذکیہ دوڑی، اسکو تھام لی، اور سہارا دیکر کرسی پر لا بٹھائی، اس نے دیکھا کہ یہ نیا گل کھلا، رشید اب تک اس کا عادی نہ تھا، اور اگر تھا بھی تو ذکیہ کو مطلق خبر نہ تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھا، گو حواس گم تھے تھوڑی دیر تک آپ ہی دیوانوں کی مانند رشید کچھ بڑبڑاتا رہا کہ ذکیہ نے بہت ہی نرمی اور عاجزی کے انداز میں کہا "گھر اجڑ گیا، دولت لٹ گئی، آبرو بگڑ چکی، عزت خاک میں مل گئی، زندگی تباہ و برباد ہو گئی سارے عالم میں تمہارا چرچا ہے اور ساری دنیا میں شہرت، ہر مقام پر تمہاری ذلت ہے، اور ہر جگہ تمہاری رسوائی، لیکن تم ہو کہ اپنی ہی کئے جاتے ہو، ماضی کا احساس ہے نہ مستقبل کی پرواہ، میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری عادتیں روز بروز بگڑتی جا رہی ہیں، کیا اب بھی میں تم سے یہ امید نہ رکھوں کہ تم ان فضول اور لغو حرکات سے باز آؤ"

...... ابھی زبان سے یہ الفاظ پوری طرح ختم نہ ہوئے تھے کہ بدنصیب ذکیہ پر ایک قیامت

ٹوٹ پڑی، رشید نشہ کی حالت میں ہاتھ آگے بڑھایا اور قریب میں رکھی ہوئی چھتری کو اٹھا کر اس زور سے دے مارا کہ ذکیہ کی پیشانی لہولہان ہو گئی، جس جسم کو کبھی بھول کر بھی ماں باپ نے پھول کی چھڑی تک نہ لگائی۔ آج اس سے یوں خون بہہ رہا تھا۔ وہ پھول جس کو باغبان نے مرجھا جانے کے خیال سے چھوا تک نہیں۔ افسوس کہ آج اس طرح بیدردی کے ساتھ روندا گیا چوٹ زیادہ آئی تھی، ذکیہ برداشت نہ کرسکی، اس کا سر چکرایا اور نیچے گر پڑی۔

رشید کی ماں اور دوسری عورتیں گھبرا کر اوپر پہنچیں تو یہ عالم نظر آیا۔ وہ خوش تھیں کہ رشید نے آج وہ کام کیا، جبکی اُن کے خیال میں ذکیہ محض اس لئے مستحق تھی کہ وہ شوہر کو جا بیجا روک ٹوک کیا کرتی تھی، نہ صرف یہ بلکہ ہمیشہ اسی فکر میں لگی رہتی کہ کسی طرح وہ اپنا ہو جائے۔

رشید کو کیا خاک خبر تھی کہ اُس کی اس نازیبا اور ذلیل حرکت نے ایک بے گناہ اور شریف عورت کی روح کو تڑپا دیا۔ وہ کرسی پر پڑا تھا کہ اس کی ماں نے قریب جا کر اس کو اٹھایا، اور اپنے ساتھ نیچے لیتی گئیں۔ آج کی رات ان کے لئے شب برات سے کم نہ تھی، کیونکہ ان کی ایک ایسی دیرینہ خواہش اور مدت کی آرزو پوری ہونے کا سامان مہیا ہو چکا تھا جس کو رشید کے والد کی مخالفت نے بار ور ہونے نہ دیا تھا۔

رات ذکیہ بیہوشی کے عالم میں تمام کی، صبح ہوش و حواس درست ہوئے تو اپنے آپ کو فرش پر پڑا پایا، پیشانی سے خون برابر اب بھی جاری تھا، اٹھی مگر ناتوانی، خوف، رنج، اور درد کی تکلیف نے اُٹھنے نہ دیا، پھر گر پڑی، بہ ہزار دقت سنبھلی، اور بہ صد کوشش زینے سے اتر نیچے پہنچی، غرض یہ تھی کہ رشید کو دیکھے کہ وہ کس حالت میں ہے، کیونکہ گزشتہ رات جب وہ زینے سے گر پڑا تھا تو ایک خفیف سی چوٹ آئی تھی۔ یہ تھی شرافت اور یہ تھی سچی الفت، سچ ہے تعلیم عورت کو پارس بنا دیتی ہے، ذکیہ کو اپنے درد کی پرواہ اپنے زخم کی فکر، اور اپنی تکلیف کا مطلق احساس نہ تھا، خیال تھا تو صرف رشید کا، رشید کی چوٹ کا جسکو چوٹ بھی نہیں کہہ سکتے، وہ نیچے پہنچی، ضعف اور ناتوانی اس بلا کی تھی، کہ زمین پر ایک ایک قدم رکھنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ کمزوری کی وجہ اس کو چکر آئی اور ایک دیوار کا سہارا لیکر کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر نہ گزری کہ اس کے کانوں میں وہ آواز آئی جسکو سننے کے لئے وہ ہرگز ہرگز پیدا نہ ہوئی تھی غور سے سنی اور پہچان گئی کہ کمرہ میں رشید اور اس کی ماں بیٹھے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ ....

"......" ذکیہ کی فکر نہیں، اگر تم چاہو تو آج نکال باہر
کرسکتے ہو، اور تمہاری خالہ کی بھی یہی شرط ہے کہ
پہلی بی بی کو طلاق دیدینا ہوگا، کیونکہ اُس کی موجودگی
نے نسیمہ کی زندگی برباد کردی تھی۔ جب تک دونوں کا
قطع تعلق نہ ہوگا، میں ہرگز شادی کا اقرار نہیں کرسکتی،
اس حالت میں ذکیہ کا طلاق تم کو دولت مند بنادیگا
تمہارے خالو اگر آج میرے نہیں تو کل مرجائینگے،
اب سوائے نسیمہ کے اور کون ہے جو ان کی دولت
اور جائداد کا وارث ہوگا۔ بدبخت ذکیہ گھر کیا آئی
گویا نحوست کو ساتھ لائی کہ آتے ہی سسرے کو
کھاگئی، گھر کی جگہہ ڈھیلا تک باقی نہ رہا ایسی منحوس کو تو
میں نہیں چاہتی کہ ایک گھڑی بھر بھی اپنے گھر دیکھوں
میری تو یہ آرزو ہے کہ ان آنکھوں کی روشنی
اس وقت تک زایل نہ ہو۔ جب تک میں اس منحوس کو
نکال باہر نہ کردوں''

رشید جاہل تھا۔ ان پڑھ تھا۔ عیاش تھا،
سبھی کچھ تھا۔ لیکن ہم کو تو کیا کسی کو بھی اس کے انسان
ہونے سے انکار نہیں، گو اُس کے عادات وخصائل
حیوانوں سے بھی بدتر تھے، مگر وہ برا ہو کہ بھلا، ایک
دل اور دماغ کا مالک ضرور تھا۔ صبح جبکہ اسکا نشہ
کافور ہوا تو رات کی بیہودہ حرکت پر وہ خود بھی متاسف
تھا، ہر چند چاہا کہ اوپر جائے اور دیکھے کہ بدنصیب
ذکیہ کس حال میں ہے۔ وہ جاتا اور ضرور جاتا، لیکن
مجبور تھا کہ اس کی ماں نے اُسے روک رکھا تھا صبح
جب وہ اٹھا تو شاید چھ بجے تھے، مگر اب جبکہ نو بج
چکے وہ اسکو وہاں سے ہلنے تک نہ دیں، گویا وہ یہ
قسم کھا کر بیٹھی تھیں کہ آج یا تو ذکیہ کی جگہہ نسیمہ میرے
گھر آئے یا میں خود گھر سے باہر ہوں۔

ہم ایمان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ رشید کے
حرکات گو کمینہ تھے مگر اس کے جسم میں ایک شریف
خون رواں تھا۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ وہ برا تھا مگر ایسا
نہیں کہ برے اور بھلے، اچھے اور خراب، میں تمیز
نہ کرسکے۔ ذکیہ کی وقعت ذکیہ کی عزت اس کی نگاہوں
میں اس دن سے اچھی طرح پیدا ہوگئی تھی، جبکہ اس نے
فریب سے، چال سے جھوٹ کہکر خود کو مبتلائے
مصیبت جتلا کر اُس کا اپنا سارا زیور اور مکان کا قبالہ
حاصل کرلیا تھا، اس وقت اس کا ضمیر اس پر لعنت
کر رہا تھا کہ جھوٹے منہ بھی میں نے جس کو بازار سے
دو آنے کے پھول تک نہ لادیا ہو آج اس کی ساری
ملکیت، ساری جائداد کو محض اپنے عیش پر قربان
اور اپنی عشرت کا سامان کرنے کے لئے حاصل
کر رہا ہوں۔

ذکیہ اطاعت گزار فرمانبردار، بھولی، بھالی، اور
ایک سیدھی سادھی لڑکی تھی، وہ کیا جانتی تھی کہ
مرد کس قسم کے ہوتے ہیں اس کو کیا معلوم تھا کہ
رشید کی یہ بھی ایک چال ہے، وہ اس کو اپنا فرض

سمجھی۔ وہ اس کو اپنا ایمان جانتی کہ شوہر کا حکم ماننا، شوہر کی مصیبت میں شریک ہونا، نہ صرف دنیاوی بلکہ دینوی راحت کا حاصل کرنا ہے" اور اسی لئے وہ تاراج ہوگئی، تباہ ہوگئی، مگر اپنی جائداد اور اپنے زیور کو اس کے حوالے کرنے میں پس و پیش نہ کی اور اس طرح اس زبردست ایثار سے، اس نایاب قربانی سے اپنی دوسری بہنوں کے لئے ایک مثال قایم کردی کہ شوہر برا ہو یا بھلا، نیک ہو یا بد، امیر ہو یا فقیر، صرف اس لئے کہ وہ اُس کی شریک زندگی بن کر آئی ہے، یہ اُس کا فرض ہے کہ وہ اسکی مصیبت میں، رنج میں، راحت میں، تکلیف میں، عیش میں، آرام میں، دکھ میں، درد میں، غرض ہر حالت میں شریک رہے اور رنج و غم راحت و آرام کا مساوی حصہ اپنے سر لے، اور صحیح معنوں میں شریک زندگی ثابت ہو۔ ذکیہ عورت نہیں۔ نیکیوں کی مورت، انسان نہیں فرشتہ تھی۔ رشید اگر آدمی ہوتا، قدرت اسے انسانیت کا اگر ذرا سا بھی مادہ عطا کرتی تو وہ جانتا اور اچھی طرح سمجھتا کہ ذکیہ کس شان کی عورت ہے اور کس آن کی بیوی، مگر بدقسمت تھا وہ کہ اُسکو نہ سمجھ سکا اور بدبخت تھی وہ کہ ایک ایسے جاہل اور عیاش کے پلے پڑگئی، ہم ذکیہ کو کچھ نہیں کہہ سکتے سوائے اس کے کہ وہ بدبخت تھی۔ ہاں! اس کے والدین کو چاہیں جو کہیں، کہ دولت کی لالچ، زندگی کی طمع اور ہندوستانی رسومات کی بیجا پابندیوں نے انھیں اندھا بنادیا، کہ ذکیہ جیسی انمول لڑکی کو کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا۔ گویا اس کے حق میں شادی کی قیمت ادا کرکے تباہی و بربادی اور رنج و غم کا سودا مول لیا۔

رشید پریشان تھا کہ کیا کرے، خیالات نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا تھا ایک طرف ذکیہ کی بھولی بھالی اور شریف صورت اس کے پیش نظر تھی وہ اُس کی شرافت، ہمدردی، خلوص اور محبت کا ہر لحظہ معترف ہو رہا تھا، وہ سوچتا تھا کہ اس کا ایسا فعل ذکیہ کو کیا اذیت پہونچائیگا۔ اور اس کا کیا نتیجہ نکلیگا دوسری طرف وہ اپنی موجودہ حالت کا نسیمہ کی دولت سے مقابلہ کرتا، گو اس وقت وہ مفلس تو نہ تھا مگر حالت اس سے بھی زیادہ تھی، یہ سچ ہے کہ " خرچ کیا ہوا ہاتھ، لگایا ہوا گلا، اور رنا چا ہوا پاؤں، کبھی رک نہیں سکتا" وہ سوچتا کہ خالوجان کی دولت نسیمہ کے ساتھ اگر میرے گھر آجائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ گذشتہ عیش و عشرت جو اب خواب ہے، پھر حاصل ہو۔ مگر بقول امّاں جان یہ اسی وقت ہوگا جب درمیان میں حائل ہونے والی دیوار ڈھا دی جائے جب آڑنے والے روڑے ہٹا دئے جاویں۔ جب ذکیہ سے بالکل ہمیشہ واسطے قطع تعلق کرلیا جائے سامنے میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ وہ زرکی

طمع انسان سے خاک تک چھنواتی ہے، اور موتی کی لالچ غواص کو سمندر کی تہ میں پہنچاتی ہے، تو پھر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ رشید جیسے شخص کو جو بڑا عیش پسند اور زر پرست واقع ہوا تھا، دولت کی لالچ نہ ہوتی، *

وہ وفاداریوں کو ٹھکرانے پر آمادہ ہو گیا، جاں نثاریوں کو پس پشت ڈال دیا۔ فداکاریوں کی مطلق پرواہ نہ کی اور گھر کی قدرتی بیش قیمت دولت کو اس دولت کے حاصل کرنے کے لئے لٹانے کا قصد کر لیا جو فانی ہے اور جس کا کہیں قیام رہا ہے اور نہ قرار۔ رشید کا ضمیر اس کو ملعون کر رہا تھا، ذکیہ کی قسمت کھڑی غم کے آنسو بہا رہی تھی، جب اس نے کامل غور و خوض کے بعد ماں کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا۔

بدنصیب ذکیہ کے والدین نے اس کو تاراج کرنے میں اگر کوئی کمی کی بھی تو رشید کی ماں نے دوسرے نکاح کی صلاح دیکر اس کو پورا کر دیا۔ بدقسمت ذکیہ آتے ہوئے اپنے میکے سے غم تماشا دی میں تباہی بربادی کا جہیز اور سوگواری جیسا زیور لیتے آئی تھی، لیکن اُس کے والدین نے اُس کو ماتھے کی ایک بندیا دینی بھول گئے تھے، مگر ساس نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا۔ اور بہو کی پیشانی پر طلاق کا ایک ایسا تارا لگا دیا جس کی چمک دمک اور روشنی اُن کے خیال میں آسمان کے ٹوٹے ہوئے تارے سے کم نہ تھی۔

رشید کو ابھی ملنے والی دولت کا خمار چڑھا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ جام زر لنڈھائے۔ اس لئے اپنی ماں کی رائے سے متفق ہو کر ذکیہ کی محبت، خلوص، ہمدردی، فرمانبرداری اور ایثار کو ٹھکرا کر ان الفاظ کو ادا کر رہا تھا کہ "جب آپ یہی چاہتی ہیں تو مجھے انکار نہیں شوق سے خالہ جان کو اس کی اطلاع کر دیجئے کہ میں بہت جلد ذکیہ کا انتظام کئے دیتا ہوں" ایک چیخ اور ساتھ ہی کسی کے گرنے کی آواز آئی رشید اور اس کی ماں نے دیکھا کہ مظلوم ذکیہ فرش پر پڑی ہے .....،

(۵)

یوں تو دنیا نام ہے عیش و غم، تکلیف و مصیبت رنج و راحت، اور دکھ و درد کا اس سے ہم کو بھی انکار نہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کہیں عیش صدا رہا ہے نہ غم۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کہیں مصیبت کی گھڑیاں آئیں تو جلد یا دیر سے مگر ضرور راحت و آرام سے بدل گئیں، کوئی دکھ درد میں مبتلا ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں صحت یا موت اس کو اس سے نجات دلا دی، کہیں افلاس و ادبار کی گھٹا چھائی، تھوڑی دیر کے لئے ہر چیز پر تاریکی نے قبضہ جما لیا، اور پھر یا تو مطلع بالکل صاف ہو گیا یا بھی بھر کر برس پڑا، سمندر میں طوفان آیا۔ انسان دنیا جیسی ناپائیدار کشتی میں سوار افکار

حوادث کے بھنور میں جا پھنسا، طوفانی موجوں نے
اچھی طرح اپنا رنگ دکھایا، غریب انسان کے ہوش و
حواس گم، ایک کونے میں بیٹھا اپنے آپ کو مقدر کے
حوالے کئے اور باہمت ہو کر حادثات زمانہ کا مردانہ وار
مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اس میں اُسے یا تو شکست
فاش اٹھانی پڑی یا فتح نصیب ہوئی۔

مگر اس اصول کے خلاف بعض جگہہ اور بعض
موقعوں پر ہم نے دیکھ لیا کہ ایک ہی سر پر رنج و مصیبت کا
پہاڑ ایسے ٹوٹ پڑا کہ غریب کو سر اٹھانے کی بھی
مہلت نہ ملی، ایک ہی گھر پر ادبار و افلاس کی
گھٹائیں ایسی چھائیں کہ گھر کی جگہہ ڈھیلا تک بھی
باقی نہ رہا۔ مثال کے طور پر ذکیہ ہی کو لیجئے جو شادی
سے پہلے شاید مگر شادی کے بعد سے آج تک گھڑی بھر بھی
خوش اور ایک لمحہ بھی مسرور نہ رہ سکی، لڑکی کیا تھی ہوتی
ہوئی قسمت کا ڈھیر، اور عورت کیا تھی بدبختی کا ایک
مجسمہ، بچپن خوشحالی میں نہیں تو کسی قدر عسرت میں
ضرور گذرا، بیاہی ہوئی تو والدین کے زبردستیوں کا
نشانہ بنی، کم عمری میں ہی ایک ایسے جاہل کے
ہاتھ پڑی کہ ایک ساعت بھی چین یا اطمینان کی
صورت نہ دیکھی۔ اسی پر ختم نہ ہوا بلکہ تقدیر نے
ایک اور نیا گل کھلایا اور عین موسم بہار میں خزاں نے
اپنا رنگ جمایا۔ کلی پھول سے بدلی اور پھول عنقریب
کھلا چاہتے تھے کہ ظالم باغباں کو اس لہلہاتے
پودے کے جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکنے کی سوجھی۔

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ بجائے
ذکیہ کے اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ ہرگز اتنے مصائب
اور آلام کو نہ جھیل سکتی۔ شاید یہ علم کا اثر ہو گا کہ ذکیہ
تکلیفیں اٹھائی، آفتیں جھیلی، مگر زبان سے اُف تک
نہ کی۔ شوہر کو نہ صرف شوہر کو بلکہ ساس اور دوسرے
متعلقین کو خوش رکھنے کی خاطر اس نے اپنا عیش بالائے
طاق رکھا۔ آرام سے درگذرا اور رات دن اُن کی
خدمت میں لگی رہی۔ اس پر بھی کونسی مصیبت تھی جو
نہ آئی اور کیا اذیت تھی جو نہ پہنچائی گئی۔ مگر اس نے
صبر اور شکر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا، اور ہمیشہ
صابر، شاکر، اور قانع رہی۔ ہم نے کبھی اُس کی زبان
سے شوہر کی شکایت یا ساس کا شکوہ نہیں سُنا۔
دنیا جانتی تھی کہ اس پر کیا گذر رہی ہے اور وہ کس
مصیبت میں ہے۔ مگر فرشتہ خصلت ذکیہ شریف
تھی، شرافت اس کی رگ رگ میں بھری تھی کہ اس نے
اپنے یا پرائے لوگوں کے آگے شوہر کی شکایت یا ساس
کی بیمروتی کا گلہ نہیں کیا اور کرتی بھی کیونکر؟ اس کو تو
ہر گھڑی شوہر کی خوشی منظور تھی اور وہ چاہتی تھی کہ
ساس اس سے اگر مسرور نہیں تو کبھی بدظن نہ ہونے
پائے۔ لیکن آج ہم نے دیکھ لیا کہ صبر کے پاؤں
ڈگمگا گئے اور شکر کا دامن تار تار ہونے لگا یعنی ایک
ہفتہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ ذکیہ اب وہ ذکیہ نہیں

جس دن جس وقت اور جس گھڑی اُس نے ساس اور شوہر کے ان الفاظ کو سنا اسی دن سے وہ مایوس ہوگئی۔ زندگی کا لطف جاتا رہا۔ جینے میں کوئی مزہ نہ رہا۔ ساس کی اس تحریک کو شوہر کے اس ارادے کو وہ اب بھی نوشتۂ تقدیر کہتی اور راضی برضا ہو کر چپ ہو جاتی اس تحریک کو عملی جامہ پہنتا کر دیکھکر ایک شب تنہائی کے عالم میں ہمنے سنا وہ کہہ رہی تھی کہ "اگر میری موجودگی ہی تمام تکلیفوں کا باعث اور اس گھر میں میرا رہنا ہی افلاس کا موجب ہے تو بہتر ہے کہ میں خود یہاں سے نکل جاؤں اور اپنے خواہشات و آرزوؤں کو لئے ہوئے دفن ہوں بجائے اسکے کہ کسی کے عیش و مسرت میں حائل ہوں جب میں اس کو اپنا فرض بلکہ ایمان سمجھتی ہوں کہ مجھے رشید کی خوشی حاصل ہو تو اب سوا ائے اس کے چارہ بھی نہیں مناسب یہی ہے کہ یہاں سے نکلوں اور کہیں جا کر ایسی گمنامی کی زندگی بسر کروں جس سے کسی کو بھی میرا پتہ نہ چلے اور نہ کسی کو میرا نشان معلوم ہو۔ تاکہ رشید کی رسوائی اور اس کے خاندان کی بدنامی نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ گھر سے نکل جانے پر مصیبتوں کا سامنا ہوگا اور آفتیں جھیلنی پڑیں گی۔ کوئی پروا نہیں۔ ہر وہ تکلیف جو رشید کے آرام کا باعث ہو اور ہر وہ مصیبت جو اس کے عیش و عشرت کی موجب ہو میری خوشی کا سبب ہوگی" مگر سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر جس چیز نے ذکیہ کو اذیت اور روحانی تکلیف پہنچائی وہ بیہودہ الزامات تھے جو ساس نے اس کے سر تھوپ کر طلاق کے اسباب پیدا کئے تھے، ذکیہ ہر آفت کو جھیلی اور ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کی مگر یہ الزامات کچھ ایسے تھے جو ایک شریف دل رکھنے والی لڑکی کو خاموش کر دیتے۔ وہ ہر وقت اپنے مستقبل پر غور کرتی اور زار زار روتی یہاں تک کہ اسکی ہچکی بندھ جاتی اور وہ بیہوش ہو کر اسی عالم میں پہروں گذار دیتی۔ کوئی ایسا نہ تھا جو اس کے درد میں شریک اور غم کا ساتھی ہوتا۔ وہ تھی اس کی خاموش کوٹھری اور اس کا تاریک مستقبل۔ رشید کو کیا پڑی تھی کہ وہ ذکیہ کی خبر لیتا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ وہ آنے والی نئی دلہن کے خیال میں تھا اور اس کی دولت کے خیالی نشہ میں مخمور و از خود رفتہ ہو رہا تھا۔ اس کی ماں اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو شاید ہی دو یا چار مرتبہ ذکیہ کے کمرہ میں آئی ہونگی۔ وہ بھی اب نہیں بلکہ اس وقت جب ذکیہ دلہن بنی نئی نئی اُن کے گھر آئی تھی۔ جس دن رشید کے والد کا انتقال ہوا۔ بس ذکیہ کی شامت آئی۔ اور وہ غریب لڑکی جو کچھ ہی دنوں پہلے "ممتاز دلہن" کا خطاب پا چکی تھی منحوس ثابت ہوی اور اس سے بڑی بی کو یہاں تک تنفر پیدا ہو گیا کہ بستر سے اٹھتے وقت یا بستر پر جاتے وقت وہ ذکیہ کی صورت دیکھنا نحوست میں گھر جانا خیال کرنے لگیں۔ خصوصاً جس دن سے کہ رشید نے نسیمہ کو اپنے لئے پسند کیا۔ بس اب ان کو اس کی صورت دیکھنی حرام ہو گئی۔ وہ تھیں اور نسیمہ کو جو شاید ذکیہ ہی جیسی شریف لڑکی ہو اپنے گھر لانے کی تیاریاں ...... آخر بعد امکان وہ دن بھی قریب آگیا جب رشید کا عقد ثانی مقرر تھا۔

جس کی پہلی شرط یہ تھی کہ ذکیہ سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کرلیا جائے، تو غیر ممکن تھا کہ یہ شرط پوری نہ کی جاتی۔ شادی کی خوشی میں ہر شخص مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ سوائے بدنصیب ذکیہ کے کوئی دل ایسا نظر نہ آتا تھا۔ جس میں مسرت بھری ہو اور کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو شاد نہ ہو ایک دن صبح کوئی نو بجے گھر اور ہمسایہ عورتوں کے ایک کثیر گروہ کی موجودگی میں بدبخت ذکیہ نے شوہر کی زبان سے وہ الفاظ سنے جن کو یاد کرکے ہماری آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں۔ ذکیہ جیسی لڑکی کے حق میں ایسے الفاظ سن کر کوئی دردمند دل خون کے آنسو بہائے تو کوئی تعجب نہیں ہم کو وہ دن یاد آرہا ہے جب ذکیہ رشید کے گھر تمام گھر والوں سے ایک ممتاز حیثیت لے کر آئی۔ اور "ممتاز دلہن،" کا خطاب پائی تھی لیکن آج طلاق کا لقب لے کر اسی گھر سے نکل رہی ہے اور اس حالت میں کہ گھر کا ہر ایک چھوٹا بڑا۔ گھر کی ہر ایک چیز حتی کہ در و دیوار تک اس کو ایک حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ آنکھیں جو کسی دن دلہن کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار تھیں، آج اس کو گھر سے نکلتی ہوئی دیکھنے کی منتظر ہیں۔ وہ ہاتھ جو کسی شب تخت عروسی پر اس کے چہرہ سے گھونگٹ الٹ چکے تھے آج اس کو دھکے دیکر باہر نکالنے میں مدد دے رہے ہیں۔ سسرال سے ذکیہ گئی

اور ہمیشہ کو گئی۔ مگر جاتے وقت رشید کے گھر اپنی اطاعت قناعت۔ محبت۔ شرافت۔ صبر۔ شکر، ایثار، ہمدردی وفاداری۔ اور فرمانبرداری کی مثال ایک ننھی سی لڑکی کی شکل میں چھوڑ گئی۔ جس کی عمر زیادہ سے زیادہ تین یا چار ماہ ہوگی جو دولت پرست باپ اور ظالم دادی کے سبب عالم شیرخواری میں ہی آغوش مادر سے چھڑالی گئی۔ اس سے بڑھ کر ظلم۔ اس سے زیادہ ستم اور کیا ہوگا کہ ظالموں نے مظلوم ذکیہ کا تاج چھینا۔ راج چھینا، اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے کلیجے کا وہ ٹکڑا جو اس کی تمام امیدوں اور ساری آرزوؤں کا سہارا تھا۔ عارضی نہیں۔ وہ چار ماہ یا سال دو سال کے لئے نہیں۔ ہمیشہ کے لئے اس سے جدا کرلیا۔ لیکن ذکیہ تھی کہ شوہر کی مرضی اور اس کی خوشی کی خاطر اس قربانی کو بھی قبول کی اور جاتے وقت اپنے ایثار کی ایک آخری مثال چھوڑا ننھی سی بچی کو۔ شوہر کو۔ گھر کو۔ گھر کے ساز و سامان کو ایک حسرت بھری نظر سے دیکھتے ہوئی باہر نکل گئی۔ ہم ایمان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ "مبارک ہے ماں کا وہ گود جس میں ذکیہ جیسی شریف لڑکی پلی ہو۔ اور مبارک ہے شوہر کی وہ زندگی جس میں اس جیسی ہمدرد، وفادار، اطاعت گزار اور صابر بیوی شریک ہو۔"

(۶)

کہتے ہیں کہ دن رات سے بدلتے ہیں اور رات دن سے

اور اسی طرح سالہا سال گزر جاتے ہیں۔ مگر وہ رات یا دن، صبح یا شام جو کسی کے حق میں خوشی و مسرت کا مژدہ پہنچائے یا رنج و غم کا پیام سنائے۔ ہمیشہ کو یاد رہ جاتے ہیں۔ ایک رات وہ تھی جب ذکیہ بیسیوں امیدیں اور ہزاروں خواہشیں لئے اس حالت میں سسرال آئی تھی کہ خوشی اس پر قربان اور مسرت نثار ہو رہی تھی۔ لیکن ڈیڑھ دو سال کے اندر ہی ظالم آسمان اور انقلاب زمانہ نے اس کو ایک دن ایسا بھی دکھلا دیا۔ جب وہ اسی دروازہ سے لاکھوں آرزوئیں اور سینکڑوں حسرتیں لئے ایسے عالم میں باہر نکلی کہ یاس و ناامیدی کھڑی اس پر رو رہی تھی۔ وہ پردہ نشین قسمت کی ماری۔ مقدر کی ستائی مظلوم عورت۔ جس نے سوائے میکے اور سسرال کے گھر کے کبھی باہر جھانک کر بھی نہ دیکھا تھا۔ تقدیر نے اس کو ایک جنگل میں ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ شوہر و ساس کے جور و ستم کا نشانہ اور والدین کے مظالم کی شکار سنسان جنگل میں ماری ماری اور کوہ و بیابان میں بھٹکتی پھری۔ جنگل کے پتہ پتہ نے بہار کا جامہ چاک کیا اور خزاں کا لباس پہنکر اس کے رنج و غم میں شریک ہوا۔ زمین نے اس کے قدم چومے۔ آسمان باوجود سنگدل اور ظالم ہونے کے اس پُر درد منظر اور ایسی مظلوم عورت کے حال زار پر اپنی ہمدردی و غمخواری کے آنسو بہا گیا۔ چاند بھی بعض دفعہ ابر کی سیاہ چادر اوڑھ کر ذکیہ کا شریک غم بن گیا۔ کامل ایک دن اور ایک رات غریب الدیار ذکیہ عیش و عشرت میں بڑھی اور ناز و نعم میں پلی ہوئی جنگل میں پھرتی رہی۔ پاؤں آبلہ دار ہو کر گھونگھرو سے لد گئے۔ طاقت رفتار عنقا ہو گئی۔ تکلیف برداشت نہ ہو سکی اور لاچار ایک درخت کے سایہ میں گر پڑی۔ خیال تھا کہ جیتے جی ارادہ کر لیا تھا کہ زندگی کے دن جب تک پورے کرے۔ مگر اس خیال کے آتے ہی کہ۔ "اگر میری زندگی کا حال، اگر میری موجودگی کا علم، رشید کو ہو جائے تو کیا عجب ہے کہ اس کے عیش و عشرت میں خلل ہو" اٹھی چاروں طرف دیکھا اور ایک بڑا سا پتھر لیکر ایک تاریک کنوئیں کا راستہ لی .... ٹھیک اسی دن جبکہ رشید شادی کی خوشیاں منا رہا تھا اس کی خوشی کی خاطر ذکیہ اپنی خوشی کو قربان کرنے اسکی آرزوں کو پوری کرنے کے خیال سے اپنی آرزوں کو فنا کرنے، اس کی زندگی کو خوشحال بنانے کیلئے اپنی زندگی کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو گئی۔

کنوئیں پر پہنچ کر آنکھوں کو پٹی اور پیٹھ پر پتھر باندھا۔ اور کہنے لگی، "اچھی طرح جانتی ہوں کہ خودکشی حرام ہے۔ یقیناً حرام، لیکن یہ خودکشی نہیں ایثار حقیقی ہے، سنا ہے کہ ایسی موت جو اور دن کی رات

اور عیش و عشرت کا سامان مہیا کرے۔ موت نہیں حیات ہے" پڑھا ہے کہ "عورت کا فرض مرد کی تابعداری اور اس کو خوش رکھنا ہے۔ وہ عورت نہیں جو مرد کو خوش نہ رکھے۔ وہ بیوی نہیں جو شوہر کا کہا نہ مانے" رشید کو خوش رکھنے کے لئے رشید کی خوشی حاصل کرنے کے لئے۔ چونکہ میں بیوی ہوں اور عورت اسی لئے اپنا فرض ادا کر رہی ہوں "تاکہ مجھے حشر میں اس کی خوشی حاصل ہو اور میں اپنے ماں کی ایک شریف بیٹی۔ مرد کی ایک تابعدار عورت اور شوہر کی ایک وفادار بیوی ثابت ہوں۔.....

کنوئیں کی طرف مخاطب ہوئی اور کہنے لگی پانی کی موجو! میں یہ ہرگز نہیں چاہتی اور نہ میرا ایسا خیال ہے کہ تم مجھے اچھال کر پھر زندگی کے کنارے لگا دو۔ ہاں! صرف اتنی التجا اور صرف یہی خواہش ہے کہ تم مجھے موت کی آغوش میں پہنچا دو اور زیست کی زنجیر کو منقطع کر دو" یہ کہی اور کنوئیں میں کود پڑنے کے خیال سے آگے کو جھکی۔ یکایک اُس وقت جبکہ وفا کی ماری ذکیہ کے پاؤں زمین سے اٹھ چکے تھے اور اُس کی پُر آلام زندگی کا خاتمہ ہوا چاہتا تھا کہ کوئی زبردست قوت رکھنے والا ہاتھ اوس کو تھام لیا اور اوس کی آرزؤں کو خاک میں ملا دیا۔ ذکیہ اپنی امیدوں کا خون اور خواہشوں کو پورا نہوتے دیکھ کر جھنجلائی اور یہ کہتے ہوے کہ "للہ مجھ غریب وبیکس پر رحم کرو، اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو"، اپنی آنکھوں سے بندھے ہوے کپڑے کو سرکائی۔ دیکھا کہ ایک حسین و جمیل عورت از سرتا پا بیش بہا اور مرصع لباس زیب تن کئے کھڑی مسکرا رہی ہے۔ سر پر ہیرے جواہرات سے لپا ہوا تاج اس بات کی دلالت کر رہا تھا کہ وہ اگر جنت کی حور نہیں تو قاف کی ملکہ ضرور ہے۔ ذکیہ گھبرائی۔ پریشان ہوگئی۔ لرز اٹھی خوف غالب آگیا۔ ہراس طاری ہوگیا۔ اور شاہی رعب اس پر چھا گیا۔ ہر چند چاہا کہ زبان کھولے۔ خیال کیا کہ وہاں سے بھاگے۔ لیکن مجبور تھی لاچار تھی۔ کہ دونوں ہاتھ اس نیکدل عورت نے جکڑ رکھے تھے۔ حسین ملکہ نے جب ذکیہ کا یہ حال دیکھا تو ہنس پڑی منہ سے سنہری پھول گر رہے تھے اور بات کی تو موتی جھڑ رہے تھے۔ "سن! مجھے ملکہ امید کہتے ہیں" اُس نے ایسی شیریں آواز میں ذکیہ کو مخاطب کرتے ہوے کہا کہ تباہ شدہ جنگل سرسبز و شاداب ہوگیا؛ پھول جو مرجھا چکے تھے تازہ ہوے پتے جو زرد پڑ گئے تھے ہرے بھرے نظر آنے لگے، "ہر چند تجھے آزمایا، اور ہر طرح پر کہا لیکن تو ایک باوفا صابر اور شاکر لڑکی ثابت ہوئی، والدین تیری بربادی کا باعث ہوئے۔ شوہر نے بیوفائی کی زمانے نے تیرے ساتھ بیرحمانہ سلوک روا رکھا اور دنیا نے ظالمانہ برتاؤ کیا۔ مگر تو اُف تک نہ کی، اور ہر بار نوشتہ تقدیر پر شاکر رہی، شوہر کی خوشی تجھے عزیز تھی کہ اُس کی رضا میں

جانِ عزیز تک گنوانے میں تونے دریغ نہ کیا، یہی وجہ اور یہی سبب ہے کہ دربار قدرت سے مجھے تیری امداد اور اعانت کا حکم ملا ہے، خوش ہو کہ تیری تمام آرزوئیں تمام امیدیں پوری ہوگئیں۔ نظر اٹھا اور آگے دیکھ کہ جمیل کھڑا تیرا منتظر ہے، اب تو اُس کے لئے ہے اور وہ تیرے لئے۔"

ذکیہ اب تک نیچی نظریں کئے ملکہ امید کے ان الفاظ کو سن رہی تھی، مگر جوں ہی جمیل کا نام سُنا۔ بے اختیار نگاہیں اُٹھ گئیں، دیکھا کہ حقیقت میں جمیل کھڑا ہے، ایک مدت ہوئی آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں، ایک زمانہ ہوا نظریں تلاش کر رہی تھیں ایک عرصہ گزرا دل جس کی جستجو کر رہا تھا وہ نگاہوں کے آگے موجود تھا، ذکیہ ایک جنون بھرے انداز میں بڑھی اور مجنونانہ طرز میں قریب پہنچی، جوش مسرت میں جمیل کا ہاتھ تھاما، اوپر نظر اٹھائی اور دیکھا کہ ننھی ننھی پریاں پھولوں سے بھری تھال ہاتھ میں لئے رقص کر رہی ہیں، اور پھول دونوں حرماں نصیب عاشق و معشوق پر گر رہے ہیں کہ آنکھ کھل گئی .... صبح کا

سہانا وقت تھا، چھوٹے چھوٹے پرندے آشیانوں سے نکل نکل کر ادھر ادھر اڑ رہے تھے، اور اپنی سریلی آواز میں خدائے واحد کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ حیران تھی کہ کیا تھا، پریشان تھی کہ کیا ہوا؟ کہ مرغ خوش الحان نے وداع شب کا پُر درد پیغام سنایا۔ مشرق کی طرف دیکھا کہ کچھ ہلکی سی روشنی نمودار ہے اور عنقریب خورشید خاور بصد جلال رونمائی کیا چاہتا ہے۔ وہ اب اچھی طرح ہوشیار ہو چکی تھی اور اسکو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ ایک خواب تھا، ایسا خواب جو اُس کے مستقبل کی صحیح اور بالکل ٹھیک ترجمانی کر گیا۔ لیکن ملکہ امید کا وہ پُر رونق چہرہ اب بھی اوس کے پیش نظر تھا، اور الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، وہ مسرور تھی کہ اوسکی آرزو پوری ہوگی، وہ خوش تھی کہ اسکی امیدیں بر آئینگی، وہ اپنے مستقبل پہ غور کر رہی تھی کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی اُٹھی، وضو کی اور نماز کیلئے جا کر کھڑی ہوگئی۔ نماز سے فارغ ہو کر دعا میں مشغول ہوئی تھی کہ جمیل جسکو یورپ سے واپس ہوئے دو ہی روز کا عرصہ ہوا تھا سامنے کھڑا ذکیہ کو دیکھکر مسکرا رہا تھا۔

(تمام شد)

جناب اختر قریشی صاحب کے اصلاحی فسانے "بیتماں شکن" "رسومات کی بھینٹ" اور "مظلوم ذکیہ" نیز ہمارا پہلا سفر (جو ایک اصلاحی مزاحیہ روداد ہے) آیندہ نمبروں میں پیش کئے جائیں گے۔

"ادارہ"

"کوکب"

ایک اصلاحی ڈرامہ

از محترمہ اقبال جہاں صاحبہ نزہت (سیالکوٹ)

افراد :-

نواب نادر جنگ ..... ایک راستباز متمول رئیس

اصغر حسن ..... نواب نادر جنگ کا سکریٹری -

نشاط افزا و حسن افزا ..... نواب نادر جنگ کی لڑکیاں

کوکب ...... ایک پارسی دوشیزہ - نشاط افزا اور حسن افزا کی معلمہ -

---

پہلا سین

(نواب نادر جنگ اپنے وسیع خوشنما باغ میں چہل قدمی کر رہے ہیں، دفعتہً اصغر حسن کاغذات لئے داخل ہوتا ہے -)

نواب نادر (کاغذات دیکھتے ہوئے) اصغر! اب تو گرمی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے میری رائے میں ہمیں ہفتہ کے اندر اندر سرینگر پہنچ جانا چاہیئے"

اصغر حسن - بہت بہتر - میں آج ہی ایجنٹ کو نامہ تحریر کر دوں گا، تاکہ نادر لاج آراستہ ہو جائے

نواب نادر - (اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے) مجھے اپنے ملازمین کے بارے میں سخت پریشانی کا سامنا ہو رہا ہے - میں دغاباز، دروغ گو، اور بد اخلاق اشخاص سے کوسوں بھاگتا ہوں تمہیں بخوبی معلوم ہے، کہ میں گزشتہ ہفتہ اپنے کلرک اعلیٰ کو دروغ گوئی کی بنا پر برخاست کر چکا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ مس کوکب باوجود گریجویٹ ہونے کے وقت کی پابندی نہیں کرتیں - نشاط اور حسنا کا قیمتی وقت مس کوکب کے انتظار میں ضائع ہو جاتا ہے جو مجھے کسیطرح

گوارا نہیں،

اصغر۔ جی ہاں۔ مس کوکب گزشتہ ہفتہ تقریباً ہر روز صاحبزادیوں کو انتظار کرواتی رہیں۔

نواب نادر۔ اخلاقی جواہرات سے ہر فرد بشر کا مزین ہونا اشد ضروری ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ نشاط و حُسنا کے معصوم دلوں پر بد اخلاقی اور بے تہذیبی کا اثر ہو۔ اس لئے اصغر تم مس کوکب کو یہ کہہ دینا، کہ اگر اب بھی انھوں نے پابندیٔ اوقات کو مدنظر نہ رکھا۔ تو مجھے مجبوراً دوسری معلمہ کا انتظام کرنا پڑے گا۔

"بہتر جناب" اصغر نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں مس موصوفہ تک آپ کا فرمان پہنچا دوں گا۔ مس صاحبہ ایک لائق اور شائستہ خاتون ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آئندہ آپ کو شکایت کا موقعہ نہ دیں گی"

نواب نادر۔ اصغر دیکھو تو وہ سرخ گلاب کا پھول کسقدر دلفریب ہے"

(اصغر سرخ گلاب کا پھول نواب صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا سین

(نشاط افزا اور حسن افزا اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھے باہمی گفتگو میں مصروف ہیں)

حسن افزا۔ "باجی نشاط! آپ نے مجھ کی تقریب سالگرہ پر کس خوبی سے پیانو بجایا، اس دن مس روز میری تو عش عش کر رہی تھیں"

نشاط۔ پیاری حُسنا! خدا جانے کیا بات ہے۔ مجھے جو حظ موسیقی میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ اور کسی چیز میں نہیں"

حُسنا۔ لیکن باجی مجھے دستکاری سے اتنی محبت ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی"

نشاط۔ (آہستہ آہستہ) حسنا! کل شام میں جب باغ کی سیر سے واپس آ رہی تھی تو میں نے ابا جان کو سنگ مرمر کے تالاب کے کنارے سکریٹری اصغر حسن سے ہماری مس کوکب کے بارے میں کہتے سنا۔ کہ مس صاحبہ وقت کی پابند نہیں۔ اور اگر اب بھی انہوں نے پابندی نہ کیا تو موقوف کر دی جائینگی۔ پوشیدہ طور پر کھڑے ہو کر گفتگو سننا خلاف تہذیب سمجھ کر میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ آئی

حُسنا۔ (حیرت سے) کیا درحقیقت ابا جان ہماری استانی کو موقوف کر دیں گے؟ سچ عرض کرتی ہوں کہ ایک ہی ماہ میں مس صاحبہ سے اسقدر انس ہو گیا ہے کہ ان کی علٰحدگی کے خیال سے بھی تکلیف ہوتی ہے"

نشاط۔ بیشک ہم دونوں کو مس صاحبہ سے انتہا درجہ کی محبت ہے۔ اور وہ بھی ہم کو بہت عزیز

رکھتی ہیں۔ ہمیں محنت و مشقت سے تعلیم دیتی ہیں لیکن یہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ مس صاحبہ پابندیٔ اوقات کو ملحوظ نہیں رکھتیں۔"

حسنا۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) "سچ ہے باجی! آج بھی سوا پانچ ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک مس صاحبہ تشریف نہیں لائیں۔"

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا سین

نواب صاحب اپنے شاندار آفس روم میں ایک آرام کرسی پر متمکن ہیں۔

اتنے میں مخملی پردہ کو جنبش ہوتی ہے اور اصغر کمرہ میں داخل ہوتا ہے۔)

اصغر۔ "جناب مس کوکب تشریف لائی ہیں۔"

نواب صاحب۔ "اندر بلا لو۔"

(متفکر اور حیران مس کوکب آفس روم میں داخل ہوتی ہے)

نواب صاحب۔ "مس کوکب آپکو بخوبی معلوم ہے کہ آپ صرف وقت کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے برخاست کی جاتی ہیں"

کوکب۔ (آنکھوں میں آنسو ڈبڈباتے ہوئے) "جی ہاں میں اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہوں۔"

نواب صاحب۔ (خوش ہو کر) تو کیا تم آیندہ پابندیٔ اوقات کو ملحوظ رکھنے کا عہد کرتی ہو؟"

کوکب۔ "نواب صاحب مجھے چند وجوہات کی بنا پر تاخیر ضرور ہو جاتی تھی۔ لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گی۔ کہ اگر آپ کو ان وجوہات کا علم ہوتا تو آپ مجھے ہرگز برطرف نہ کرتے۔"

نواب صاحب۔ "کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ وہ وجوہات کیا ہیں؟"

کوکب۔ گزشتہ ہفتہ میری نہایت ہی عزیز سہیلی فیروزہ دماغی بخار میں مبتلا تھی۔ فیروزہ کا دنیا میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ اگر میں اس مشکل وقت میں اس کے کام نہ آتی۔ تو انسانیت سے بعید تھا۔ اسلئے میری غیر حاضری خود غرضی پر نہیں بلکہ غریب فیروزہ کی تیمارداری پر مبنی تھی۔ آپ مجھ سے وعدہ لینا چاہتے ہیں۔ کہ میں آیندہ دیر حاضر نہ ہوں۔ لیکن میں یہ عہد نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ مجھے ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑے اسطرح پابندی اوقات میں فرق آئیگا۔ یا میرے عہد میں وعدہ خلاف ہونا نہیں چاہتی۔ اسلئے میں اس بات کو ترجیح دیتی ہوں کہ آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو جاؤں۔"

(نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ نکلتی ہیں)

نواب صاحب۔ مس کوکب میں تم کو تمہارے سلجھے ہوئے خیالات پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہارے ارادہ میں برکت دے اور تم اپنی نادار بہنوں کے کام آسکو۔ تم مجسمہ ہمدردی ہو۔ میں تمہیں برخاست کرنے کے عوض آج سے تمہاری تنخواہ میں دونا اضافہ کئے دیتا ہوں۔

(پردہ گرتا ہے)

خوابِ غفلت

از

مولانا سید احمد حسین صاحب امجد

او دلربا و قامت خود می آید - گویند کہ او خدامت خودمی آید -
لیکن، تجھے اس سے فائدہ کیا امجد! جب تجھ کو نہیں ہے چشم بینا امجد!
جو اس کو نہ دیکھے، اس سے تو کور اچھا ایسے زندہ سے، زندہ درگور اچھا

پہونچے غفلت میں دام و دد کی حد تک معلوم ہوئی نہ نیک و بد کی حد تک
کھلتی ہیں ضرور بند آنکھیں اک دن سوتے رہو مہد میں لحد کی حد تک

حد نظر روح ہے تن کا پردہ - ہے مانع دید، ما و من کا پردہ
ہوجائینگے مرتفع حجابات تمام آنکھوں پہ پڑیگا جب کفن کا پردہ

سوتا ہوا بیدار کو پائے کیونکر آرام طلب یار کو پائے کیونکر

ہر رات مرا رشک قمر آتا ہے وہ چارہ گر درد جگر آتا ہے
ہے خیمۂ لیل میں قیام لیلے تاریکی ہی میں نور نظر آتا ہے

شمشیر محبت پہ گلا رہنے دے ہاں، جان کے ساتھ یہ بلا رہنے دے
امجد! شب ہجر میں نہ کر بند آنکھیں وہ آئیگا — دروازہ کھلا رہنے دے

"بیٹی کا جہیز"

(ایک شفیق باپ کی طرف سے)

از مولانا احمد حفیظ الدین صاحب صدیقی عروج

اے مری نور دیدہ اے قیصر!
دختر نیک خو و نیک اختر!

آج میکے سے تیری رخصت ہے
رنج فرقت میں بھی مسرت ہے

تجھ کو جانا ہے اب پرائے گھر
صدمہ ہوگا بہت ترے دل پر

یہ مثل تجھ پہ صادق آتی ہے
"بیٹی اپنی نہیں پرائی ہے"

تجھ کو اللہ شادماں رکھے۔
ساس سسرے کو مہرباں رکھے

یہ نصیحت ہے میری جان پدر!
فرض تجھ پر ہے طاعت شوہر

ساس سسرے کا یوں ادب کرنا
اُن کے قدموں پہ اپنا سر رکھنا

اُن کے ہر حکم کو بجا لانا
جاننا فرض اُن کا فرمانا

ساس نندوں سے رہنا مل جلکر
اُن سے ملنا بصد خوشی کھل کر

حکم شوہر پہ سر جھکا دینا
گوش دل سے خوشی سے سن لینا

دل سے کرنا تم اُس کی دلداری
رہے ملحوظ اُسکی غمخواری

سچی الفت سے کیجیو خدمت
اُس کی خدمت سے پاؤگی عظمت

حسن خدمت سے ہوکے خوش یکسر
کہیں سسرال والے خوش ہوکر

دولت عیش ساتھ لائی ہے
نیک "بچی" بہو بھی آئی ہے

اور کیا اے عروج اس کے سوا
جاؤ تم ساتھ لے کے میری دعا

گلشن دہر میں پھلو پھولو۔
زندگی کی بہار بن کے رہو

چمکے اختر تمھاری قسمت کا
سب تمھیں سمجھیں آنکھ کا تارا
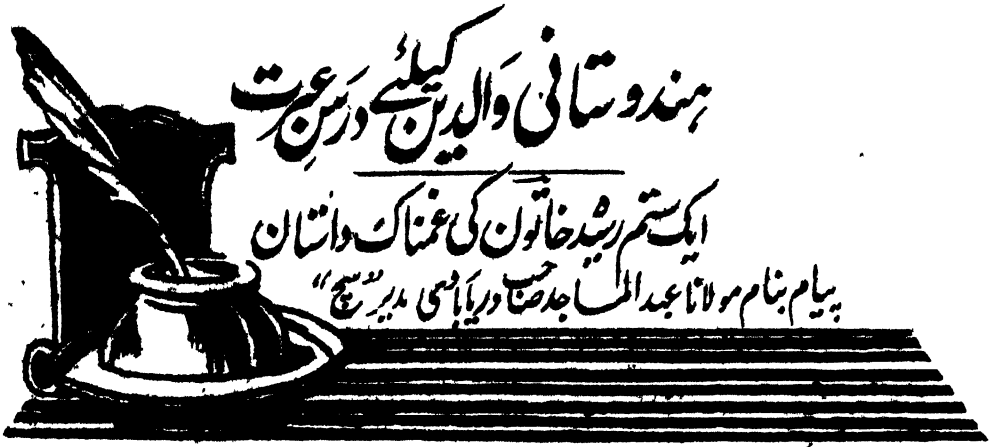
ہندوستانی والدین کیلئے درسِ عبرت

ایک ستم رسیدہ خاتون کی غمناک داستان

پیام بنام مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "سچ"

حال میں ہمارے ہاں ایک تفصیلی مگر مختصر سا "پمفلٹ" وصول ہوا ہے، جسکو علامہ مولنا عبدالرحمن صاحب نگرامی مرحوم کی ستم رسیدہ بیوہ نے محض اس لئے شایع کیا ہے کہ اس زندہ مثال سے ہندوستانی زر وجاہ پرست والدین یا سرپرست نہ صرف عبرت حاصل کریں بلکہ نکاح ثانی کے وقت لڑکی کی رائے کو مقدم اور اسکی خوشی وخواہش کو ضروری خیال کریں، نیز "ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا نہ سمجھیں" چنانچہ وہ لکھتی ہیں:-

میرا ارادہ نہ تھا کہ یہ واقعات ملک کے سامنے پیش کئے جاتے کیونکہ عبدالماجد کے مظالم سے مجھ پر جو کچھ گذرنا تھی، گزر رہی ہے، دق، سل، جیسے لاعلاج مرض میں مبتلا ہو کر زندگی کے دن گن رہی ہوں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ میرے اس جانگداز واقعہ سے میری بہنیں اور اُن کے والدین عبرت حاصل کریں، اور ایسی مقدس ہستیوں سے بچنے اور بچانے کا ہمیشہ خیال رکھیں۔

یقیناً ساری ہندی مسلم خواتین کو بیوہ مولانا نگرامی مرحوم کی شکرگذار ہونا چاہئے۔ اور انھیں جلد شفائے کلی حاصل ہونے کے لئے صدق دل سے دعا مانگنی چاہئے، کہ جن کی اس نقاب کشائی نے بہت ساری لڑکیوں کی عزیز زندگیوں کو تباہی اور بربادی سے بچا لیا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ

دنیا میں ایسی بزرگ صورت، گلیم پوش اور تسبیح خواں صورتیں بہت سی ہیں، کہ جن کے دل خواہشات نفسانی، مکر و فریب اور نفاق سے لبریز ہو گئے ہیں۔ اور وہ اسی طرح خیلے

ظلم کرتے رہتے ہیں، جتنا علم کسی کو نہیں ہوتا۔"———

علامہ ندوی بلگرامی مرحوم یا میرے بزرگ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدیر "سچ" کے نام سے علمی، ادبی، دنیا ناواقف نہیں جنکے اردو ادب پر انتہا احسانات ہیں۔ مجھے بزرگ محترم مولانا ماجد صاحب سے غائبانہ نیاز اور دلی عقیدت حاصل ہے خصوصاً معزز ہمعصر "سچ" کی سچائی اور مغربی ہوسناکیوں کی وہ عبرت خیز داستانیں، جن سے صحیفۂ مذکور کے صفحات رنگین اور عقل سے دور ہندوستانیوں کے حق میں تازیانہ کا کام دیتے ہیں، ہمیشہ میری دلچسپی کا باعث اور افزونیٔ عقیدت کی موجب بنتی رہیں، میں اپنے بزرگ سے معافی کا خواستگار ہوں کہ آج ایک ایسے عنوان پر قلم اٹھ رہا ہے جس کا تعلق بالراست ان کی خانگی زندگی سے ہے اور یقیناً کسی کے گھریلو جھگڑوں میں دخل دینا میرا کام نہیں اگر مذکورہ "پمفلٹ" کی جگرخراش اور دلدوز داستان نے مجھے اس جرأت پر آمادہ کیا ہے۔ اس سوا اب یہ معاملہ شخصی نہ رہا .... یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ میری اس تحریر کا واحد مقصد اپنی مظلوم بہن کی حمایت، اور شریک غم ہوکر ان سے اظہار ہمدردی کرنا ہے، نیز ان ناعاقبت اندیش اور کوتاہ نظر والدین یا سرپرستوں کو دکھلانا ہے کہ کس طرح وہ اپنی ایک صد آرزوؤں اور ہزاروں تمناؤں کی پلی ہوی لڑکی کی زندگی کو بغیر سمجھے اور بلا سوچے، محض جھوٹی عشرت اور دو روزہ عیش کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔ ان کی زر پرستیاں عزیز از جان لڑکی پر کیا کیا ستم ڈھاتی ہیں اور والدین یا سرپرستوں کی بیجا اور فضول خواہشات کی کیسے بھینٹ چڑھتی ہیں کہ زبان سے اُف تک کرنے کی مجال نہیں

اس مضمون سے میرا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ میں "فلسفۂ جذبات" کے مصنف، موقر جریدہ "سچ" کے ایڈیٹر، یا اس دلگداز ٹریجڈی کے ہیرو بزرگ محترم مولانا عبد الماجد صاحب کی ذات پر حملہ کروں۔ اور نہ یہ خواہش ہے کہ آپ کی نیک نامی، یا شہرت پر کسی قسم کا پردہ ڈالوں۔ دنیا نہیں تو نہ سہی، ہندوستان کا ہر وہ شخص جو ادبی ذوق رکھتا ہو، آپ کو توقیری نظر سے دیکھتا ہے، اور ہر ایک کے دل میں سوائے اُن ملت فروش اشخاص کے جو مغربی دیوی کے پرستار ہیں) آپ کی عزت ہے۔ ہاں! میں جو یہ جسارت کر رہا ہوں وہ اسلئے کہ میری ایک غریب اور مظلوم بہن آپ کی شریک زندگی اور رفیقۂ حیات بنکر جور و ظلم کا نشانہ بنی، اور جس کی زندگی کے آخری گھڑیاں کرب و بیچینی سے تمام ہونے کو ہیں۔ ہندی مسلمان آپ کو مجرم سمجھکر (واقعات اور تحریر کی حد تک یہ خیال شاید بیجا نہیں) اس غلطی کو ناقابل درگذر قرار دے رہی ہیں

ایک ایسی غریب اور ستم رسیدہ لڑکی کے ساتھ، جس کے دل میں بیوگی کا زخم پہلے ہی ہرا تھا؟ کیا آپ کا یہی برتاؤ رہا جو پمفلٹ میں مذکور ہے؟ اور یہ غم خوردہ غریب لڑکی جو آپ کی خواہشات اور مظالم کا نشانہ بنی ہے، خدا نہ کرے اگر کہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہے تو اس خون کی ذمہ داری کس کے سر رہے گی؟ ———

میں اس سلسلہ میں اپنی فلک زدہ بہن سے منجانب " ادارہ " خط و کتابت کر رہا ہوں اور آئندہ نمبر میں اس ٹریجڈی کے سارے باریک و تاریک پہلوؤں پر اخلاقی اور مذہبی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنے کی کوشش کرونگا۔ نیز ان تمام خطوط کی بھی اشاعت عمل میں آئے گی جو اس سلسلہ کی موزوں یا ناموزوں کڑیاں ہوں گی۔ اگر بہن موصوفہ کے ہاں سے میرے سوالات کا جواب آگیا تو وہ خط بھی شریک اشاعت رہیگا۔ کیا میں اپنے بزرگ سے بھی اس دلخراش داستان کی تفصیل اور طلاق کے معقول وجوہات و اسباب دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ اور کیا آپ مجھ پر اُن تمام سچائیوں کا اظہار نہ فرمائینگے، جو اس واقعہ کی اصلی بنیادیں ہیں اور جس کا ذکر غیر مفہوم الفاظ میں آپنے اُس خط میں فرمایا ہے جو ۱۴؍ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء کو منشی حبیب الرحمن صاحب کے ہاں دریاباد بھجوایا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نہ صرف کوئی تسلی بخش جواب مرحمت فرمائینگے بلکہ اس واقعہ پر (غلط بیانی اور بہتان سے ہٹ کر، جس کو اسلام جایز قرار نہیں دیتا) "حقیر سفینہ نسواں" یا اور کسی ہندی اخبار یا رسالہ کے ذریعہ، پوری طرح روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ مسلم خواتین میں جو ہیجان بپا ہے، دور ہو سکے اور آپ کی پوزیشن صاف ہو جائے، نیز بقول حکیم غلام حیدر صاحب (جن کا مضمون ۴؍ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں ہمعصر حق لکھنؤ نے "مولانا عبد الماجد دریابادی کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش" کے عنوان سے شایع کیا ہے) ان ناپاک کوششوں کا سد باب ہو سکے۔ ———

اختتام پر میں منجانب ناظرین و ناظرات "سفینہ" اپنی مجبور و مظلوم بہن کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدائے اقدس انھیں جلد صحت عاجلہ عطا فرمائے۔ اور ان محترم بہنوں کا شکر گذار ہوں جنکی توجہ اور اصرار نے آج مجھے اپنی ایک ستم رسیدہ بہن کی حمایت پر آمادہ کیا۔ اگر کوئی بہن اس سلسلہ میں کچھ معلومات بہم پہونچائے تو ادارہ مشکور ہوگا۔ بہرحال "سفینہ نسواں" کے اجراء کا مقصد جب "مظلوم طبقہ" کی حمایت کرنا، اور ان کی پست آواز کو ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچانا قرار پایا ہے تو وہ نہ صرف اس واقعہ کی کافی تحقیق کریگا۔ اور ملک خواتین کے آگے صحیح واقعات پیش کریگا بلکہ آیندہ بھی "طبقۂ نسواں" کی ہر ممکنہ امداد کرتا رہیگا۔

حقیر اختر قریشی
مدیر معاون "ماہنامہ سفینۂ نسواں"

ادب لطیف

"الوداع"

از محترمہ سرور جہاں صاحبہ رعنا (سیالکوٹ)
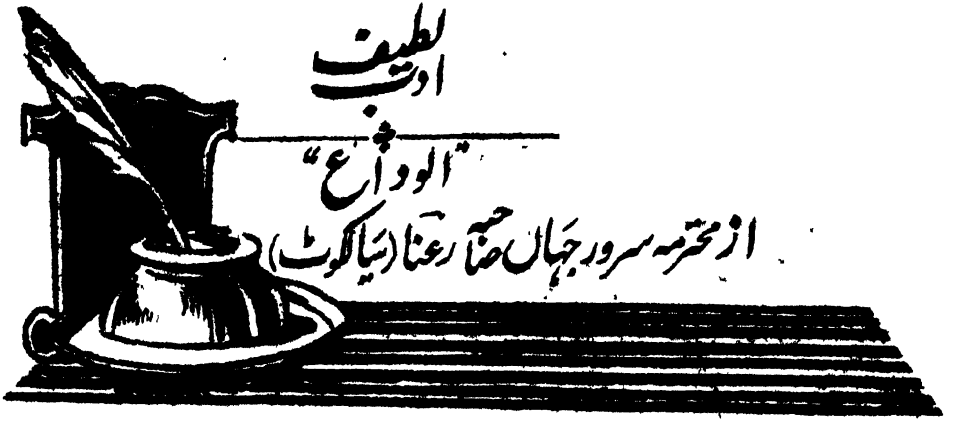
میں نے عہد کیا تھا کہ جب تجھے الوداع کہنے کی ساعت آئے گی۔ تو انتہائی ضبط سے کام لیکر خدا حافظ کہوں گی۔ خواہ دل میں غم کا ایک طوفان ہی کیوں نہ اٹھے؟

.... مگر میں تیری جدائی کی تاب نہ لاسکی۔ آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ سرکش آنسو بغاوت کر بیٹھے اشکوں کی لڑیاں بندھ گئیں..... اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ کانپتے ہوئے ہونٹوں نے بدقت تمام "فی امان اللہ کہا"........

ایک رات...... نیلگوں آسماں، روشن چاند اور کہیں کہیں بادل کے روئی کے سے گالے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ آہ! کیسا خوشگوار اور پُرکیف منظر تھا۔ لیکن.......

"پیاری باجی! میں تیرے لئے بیقرار تھی"

ایک پرکیف شام کو...... میں یاسمن کے نوشگفتہ غنچوں کو جمع کرتی، اور بکھیر دیتی، ہار گوندھتی اور بگاڑ دیتی....... ان پھولوں کو دیکھتی اور مسکراتی۔ کلیوں کو زبردستی کھلا دینے کی کوشش کرتی گویا یہ کہ اسوقت میں دیوانی ہو رہی تھی....... ہاں! دیوانی...... اس لئے کہ اسوقت بھی.....

"پیاری باجی تیری یاد میرے آئینۂ دل کو ٹھیس لگا رہی تھی"

جب میں باغ کے، خوبصورت روشوں، دل آویز کیاریوں کے کنارے ٹہلتی ہوں.......
جب میں خوبصورت پھول، نازک کلیاں اور بڑے بڑے سرخ گلاب توڑ لیتی ہوں......... یا جھلملاتی تیتریوں کا تعاقب کرتی ہوں..... تو سب یہی سمجھتے ہیں کہ آج

میری تفریح ہوتی ہے .... آہ غلط پیاری باجی .... سب غلط..... میں باغ جانا بھی چھوڑ دونگی اور پھول توڑنا بھی - کیونکہ ایسی تفریح میں فرحت و مسرت عنقا ہے ....
"جس میں پیاری باجی! تو موجود نہ ہو!"

جب دن کو ...... میں لکھنے پڑھنے بیٹھتی ہوں - تو میرا دل دفعتاً خشک کتابوں کے مطالعہ سے الجھنے لگتا ہے - میرا قلم ایک عصا کی طرح ہاتھ میں دو فی معلوم ہونے لگتا ہے - کیونکہ..... "پیاری باجی! مجھے وہ دن یاد آجاتے ہیں - جب تو میرے ساتھ شریک مطالعہ رہتی تھی....."

لیکن آج سے میں انسانی کمزوری اور دل شکستہ جدائی کا خیال ہمیشہ کے لئے اپنے دل سے دور کروں گی - خواہ ہم دونوں میں کتنا ہی فاصلہ حایل کیوں نہ ہو...... لیکن تیری تصویر میرے آئینہ دل میں ہمیشہ آویزاں رہے گی - اور تیری شیریں یاد میرا دل بہلائے گی - تیرا نغمہ ..... تیرا ترنم ..... تیری محبت آمیز باتیں ...... ہمیشہ .... مجھے مسرور و شاد کرتی رہیں گی - ہاں میں اس سرور و شادمانی کے عوض دل سے دعا کرتی ہوں کہ تو ہمیشہ خوش رہے ، اور عیش و عشرت خوشی و انبساط "پیاری نزہت!" تیرے لونڈی و غلام رہیں ــــ جن سے کچھ ہو نہیں سکتا وہ دعا کرتے ہیں -

---

"مچھلی"

از

محترمہ مہرالنساء بیگم صاحبہ مہر

(کرناپہ مدراس پریذیڈنسی)

ننہیں لی خوبصورت دوست تو کیوں مضطرب و بے چین ہے سچ بتا! تجھے تیرے حسن دلاویز کی قسم سچ بتا کیا تجھے بڑے بڑے سمندر یاد آتے ہیں - یا لمبی لمبی ندیاں - چوڑے چوڑے دریا - یا بڑے بڑے تالاب کی یاد تجھے بیتاب نما بیقرار رکھتی ہے -

"نادان دوست! دیکھ میں نے تیرے لئے کس مصیبت کس مشکل سے یہ چھوٹا سا خوشنما حوض تیار

کروایا۔ بہترین سنگ مرمر منگوائے اعلیٰ درجہ کے کاریگر بلوائے تاکہ تیرا مسکن نازک، بنظیر اور بیمثل ہو۔ دوست کیا تو اب بھی مضطرب ہے؟ ....

تیرے حوض کا پانی کتنا صاف شفاف ہے۔ میں اپنی نگرانی میں ہر روز تیرے مسکن کو صاف کراتی ہوں۔ تیرے لئے اپنے ہاتھ سے روٹی پکواتی ہوں۔ اپنے ہاتھ سے تجھے غذا دیتی ہوں مگر تو اب بھی پریشان ہے۔ آخر یہ کس لئے؟

کم فہم دوست! تو بالکل بھولی بھالی ہے۔ تجھے اپنے مسکن کے سوا بیرونی دنیا کی کیا خبر ہے۔ اگر تو سمندروں میں جائے تو وہاں تیرے سنہری پروں، یاقوتی لبوں، الماس نما آنکھوں کی کون قدر کرے گا۔ وہاں بڑے بڑے مگرمچھ شکار کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہیں۔ اگر تجھے دیکھ پائیں گی تو ایک ہی لقمہ بنالیں گی۔ اگر تو اُن کی حریص نظروں سے بچ بھی گئی تو زمین پر بسنے والی سخت گیر مخلوق سے تو بے خبر محض ہے۔ سمندر کے کنارے کنارے قوی ہیکل مچھیرے چاروں طرف جال بچھائے تیرے پھانسنے کی فکر میں ہوں گے۔ تیری نزاکت و رعنائی اُن کے پتھر جیسے دلوں میں مطلق گداز پیدا نہ کر سکے گی۔ تو بتا پھر تو مکان جا کر کیا کرے گی؟ ....

اُف حسین دوست! تجھے کیا معلوم دریاؤں، ندیوں، تالابوں میں کیا کچھ مصائب و تکالیف تیرے لئے پنہاں ہیں۔ بڑی بڑی بھدی مچھلیاں تیرے حسن دلکش اور انداز خرام پر بغض و حسد سے جل جائیں گی۔ تیرے حسن یکتائی کی قسم وہ کبھی تجھے زندگی کا لطف اٹھانے نہ دینگی۔ کیا تو اب بھی وہاں جانے پر مصر ہے؟ ....

دیکھ پیاری دوست! یہاں تیری دلچسپی کے لئے ایک دنیائے جمیل موجود ہے۔ ذرا صبر کر موسم بہار آنے دے۔ تو میرے مختصر سے باغ میں بلبل کے دلکش نغمے سنے گی۔ حوروں کی آنکھوں کی طرح کھلتے ہوئے خوبصورت پھول دیکھے گی۔ فرشتوں کی نورانی نگاہوں کی طرح صاف شفاف فطرت کے بیش بہا موتی زمردین کشتیوں میں سجے ہوں گے۔ سیاہ چمکتے دمکتے بھونرے اپنا نغمۂ الفت شیریں لحن میں گاتے ہوئے تیرے حوض کے کنارے پھولوں پر قرباں ہوں گے۔ پھول جب اُن کی بیتابی پر قہقہہ لگائینگے تو اُن کی نرم و رنگین پتیاں حسین تیتریوں کی طرح تیرے حوض کے پانی پر ہنستی ہوئی تیرینگی۔ ....

میری جان! میں بھی تیرے قریب اپنے رسیلے انگوروں کے کنج میں حوض کے کنارے بیٹھی

تیری الفت کا شیریں نغمہ نرم و جمیل آواز میں نازک چھوٹی سی ستار پر گا کر صبح و شام تجھ کو سناؤں گی
پیاری! خدا کے لئے توان وسیع سمندروں، کشادہ دریاؤں، کی وسعت گہرائی کے فریب میں
نہ آنا ورنہ دھوکا، شدید، گہرا دھوکا کھائے گی۔

مہر

"محبت کے آنسو"

(والدۂ عزیزہ کی یاد میں)

محترمہ زہرہ صاحبہ بنت مولوی خواجہ عبدالہادی صاحب
مددگار صدر محاسب سرکار عالی

دنوں سے ہفتے، ہفتوں سے مہینے، مہینوں سے سال گذر گئے، لیکن آہ، مجھے داغ مفارقت دینے والی پیاری اماں تیرا پتہ نہ ملنا تھا۔ نہ ملا۔ میرا رنج وغم سے لبریز مضطرب دل تیری جدائی میں خون کے آنسو رو رہا ہے، خدا معلوم تجھے اس کی خبر ہے کہ نہیں۔ لیکن آہ! مجھے کسی پہلو قرار نہیں۔ تیری جدائی کے اثر سے قلب پر دیوانگی اور اضطراب کا تسلط ہوتا۔ اور میں بیتاب ہوجاتی ہوں، جب میں سمجھتی ہوں کہ میری پیاری ماں اس دار فانی میں نہیں۔ آہ! کیا سچ موت کے سیاہ بادلوں نے میری مظلوم ماں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور میری سینکڑوں مسرتوں پر اوس ڈالدیا۔ ایک غیبی آواز مجھ سے کہتی ہے کہ میری ماں اس عالم فانی سے دور عالم جاودانی کو کوچ کرگئی۔ اور کبھی اس مکروہ دنیا میں نہیں آئیگی اور اسکی مسرور روح فردوس کے زرین و اعلیٰ ترین مقامات میں چین و آرام سے ہے وہ بے غم ہے اس فانی دنیا کی فانی چیزوں کا اُسے خیال نہیں۔ مگر آہ! مجھے یقین نہیں آتا۔ آہ! میری پیاری ماں میں کیسے یقین کرسکتی ہوں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ کہ ستم رسیدہ بیٹی کے ٹوٹے ہوے دل کی تڑپ تیری پاکیزہ روح کو بیتاب کررہی ہوگی۔ آہ! جبکہ میں وفور غم سے بیتاب ہوجاتی ہوں تو کیا اپنی محبت و شفقت بھری نظروں سے میرے دل کو تسکین دینا نہیں چاہتی۔ آہ! کون سی ایسی خطا مجھ سے سرزد ہوئی۔ جس کی پاداش میں

تو نے اپنی شفقت و محبت سے مجھے محروم کر دیا۔ آہ.........

اے پیاری اماں! کہ تیری گناہگار دل شکستہ بیٹی دست بستہ معافی کی خواستگار ہے۔ اپنی بیٹی کے قصور معاف کر دے۔ اور اس کے زخمی دل پر اپنی شفقت کا مرہم لگا......... اور اپنا نورانی چہرہ پھر ایک بار دکھلا۔ مگر آہ! یہ ناممکن ہے۔ مشیت ایزدی ایسی تھی۔ کہ میری پیاری ماں مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائے۔ اور میرا ارمان بھرا دل ہمیشہ کے لئے خاک سیاہ ہو جائے۔ دنیا کی دلفریبی، سمندر کی درخشانی، سفید سفید چمکیلے موجوں کی ترنم ریزی، سورج کی خوبصورت شعاعیں، اور شب ماہتاب کی نکھری چاندنی، جو کبھی قلب کو مسرور کرتی تھی، اب کوئی اثر نہیں رکھتی۔ کیونکہ میرے دل کی شمع بجھ گئی آہ! ہمیشہ کے لئے گل ہو گئی......... پیاری اماں! جانتی ہوں ؂

زندگی شیشۂ ہستی ست کہ مانند حباب
ہر کجا ہست آئینہ پیش نفس میگرد

مگر اس دل کی جلن کو کیا کروں، جو خود مجھے جلائے دے رہا ہے.......

جب اس فانی دنیا میں کوئی سدا رہا ہے نہ رہیگا تو پھر کیوں اس سے دل لگایا جائے۔ مانا کہ یہ ہزاروں روپ دھارتی ہے، اور ہر گھڑی ایک نیا رنگ سنوارتی ہے، مگر عادل ہے وہ جو اس کی عشوہ طرازیوں اور اس دو روزہ رنگا رنگی کی پرواہ نہیں کرتا، اور آنکھ میچے وہاں کا سامان کرتا ہے جہاں حیات جاودانی حاصل ہوگی.........اور مسرت دائمی۔

جب اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کی حقیقت معلوم ہو تو اس دنیائے فانی و دو روزہ میں گھڑی بھر بھی قیام دشوار نظر آئے گا۔

"اے دوست"

از جناب سید بادشاہ حسن صاحب نقش عالمی

جب خیالات کی معصوم دنیا میں ہل چل پڑ جاتی ہے تو کس کا جمال پیش نظر رہتا ہے؟

قوس قزح کا نہیں! وہ تمہارے حسن کی ایک جھلک ہے ۔۔۔۔۔۔
برق کا نہیں! چونکہ وہ تو تمہاری مسکراہٹ کا پہلا نقش ہے۔
چودھویں کے چاند کا نہیں! ہرگز نہیں!! اس لئے کہ وہ صبح کی آمد سے فنا ہو جائیگا۔
آہوانِ ختن کی آنکھیں خوبصورتی میں مشہور ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔
لیکن اے دوست تمہاری چشم مخمور کا جواب نہیں۔

شاعر کے احساسات عام لوگوں سے جدا ہوتے ہیں۔
وہ قدرت کے ہر نظارہ میں لاکھوں مرقع دیکھتا ہے۔
کیا تمہارا "معصوم حسن" دنیا کی چیزوں کی طرح فانی ہے؟
نہیں! ہرگز نہیں!!! قسم ہے تمہاری پاک محبت کی۔ ایسے دلکش نغمے الاپوں گا کہ دنیا مسحور ہو جائے گی۔ اور مدت تک تمہارا نام باقی رہیگا۔
نہیں! بلکہ لافانی ہو جائیگا۔
دوست تم "مجسمۂ حسن" ہو اور "میں حسن کا پجاری"

نقش (عالمی)

تربت کا پھول

از جناب خواجہ سراج الدین صاحب (نظام کالج)

صبح کا وقت تھا۔ خورشید فلک کی آنکھیں ابھی ابھی کھلی تھیں۔ لیکن نیند کا خمار آنکھوں میں ہنوز باقی تھا اور آنکھیں سرخ تھیں۔ ستارے شہسوار فلک کے جلال کی تاب نہ لاکر غائب ہو گئے تھے۔۔۔۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی ٭ افق سے آفتاب ابھرا گیا دور گراں خوابی

ہلکی ہلکی کرنیں پتوں سے چھن چھن کر سڑک پر ایک قدرتی فرش کا منظر پیش کر رہی تھیں میں ہاتھ میں کچھ

پھول لئے ہوئے اپنی مادر مہربان کی تربت پر جا کھڑا ہوا۔ آنکھوں سے اشک رواں تھے اور دل امنڈ آرہا تھا۔ یہ شعر کہتے ہوئے تربت پر پھول چڑھانے لگا۔ ؎

نرم و نازک پُر محبت نیک دل جانِ وفا!
اے مادرِ شیریں ادا!!
آہ! اے لے تحفۂ ناچیز میرے پھول کا!
اے مادرِ رنگیں نوا!!

کہ صبر کا پیالا پُر ہو چکا، میں تاب نہ لاسکا اور قبر پر سر رکھ کر زار و قطار رونے لگا۔ معلوم نہیں مجھے روتے ہوئے کتنی دیر گذری اور میں اب تک اسیطرح پڑا رہتا کہ ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ تربت شق ہے اور میری پیاری ماں کا ہاتھ قبر سے باہر نکلا ہوا ہے۔ ہاتھ میں گلاب کا ایک پھول ہے۔ پھول کی تعریف کیا بیان ہو سکے اس کے رنگ اور خوشبو کی تعریف ناممکن ہے۔ یہ پھول اس ارض مقدس اس سرزمین کا تھا، جسے "جنت" کہتے ہیں۔

ہاتھ میری طرف بڑھ رہا تھا.......... میں نے پھول اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چاہتا تھا کہ اس مقدس ہاتھ کو بوسہ دوں کہ.......... اس کو غائب پایا۔ میں نے پھول کو اپنی آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا۔ مجھے سکون حاصل ہو گیا۔ اور میرے دل کا بوجھ کم ہو گیا۔

اطلاع

(۰)

"سفینہ" کی آئندہ اشاعت "محرم نمبر" کے نام سے موسوم ہوگی جس میں متعدد فوٹو بلاک اور ملک کے بہترین مضمون نگار خواتین کے غیر مطبوعہ اور پاکیزہ مضامین (نظم و نثر) شائع کئے جائیں گے۔ کوشش کی جارہی ہے کہ یہ نمبر ہر طرح کامیاب رہے۔

"محرم نمبر" میں صرف مذہبی مضامین رہیں گے جو "شہدائے کربلا" کی سوانح، سیرت اور واقعات شہادت سے متعلق ہوں۔ یقین ہے کہ خواتین کرام خصوصیت سے اس خاص نمبر کی کامیابی میں میری مدد فرمائینگی۔

"مدیرہ"

”کام کی باتیں“

حفظانِ صحت پر ایک اجمالی نظر

(بسلسلۂ گزشتہ)

از جناب ڈاکٹر محمد عثمان خان صاحب رکن اعلیٰ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ
(شعبۂ سائنس)

سنہ ۱۸۶۶ء میں لندن میں ایک بڑی ہولناک آتشزدگی ہوئی۔ بظاہر یہ بڑی مصیبت تھی لیکن دراصل ایک رحمت ثابت ہوئی کیونکہ اس کے بعد سے وہاں کے حالات و ماحول میں خاص اصلاح ہوگئی لندن شہر از سر نو تعمیر کیا گیا اور یہ تعمیر زیادہ پر صحت طریقہ پر ہوئی۔ مکانات کھلے اور ہوادار بنے۔ سڑکیں کشادہ اور پختہ تعمیر کی گئیں۔ اخراج آب کا بہتر انتظام ہوا۔ اور عام باشندے صفائی، صاف و تازہ ہوا اور روشنی کی منفعت سے آگاہ ہونے لگے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہوا کہ صحت عامہ میں نمایاں اصلاح و درستی ہوگئی۔ تجارت اور کاروبار میں ترقی ہونے لگی۔ اور خوش باشی اور خوشحالی کے آثار نظر آنے لگے۔ علم دوست باشندوں میں اسباب امراض انسداد اور حفظ ماتقدم کے متعلق تحقیق و تفتیش کا شوق پیدا ہوا اور متعدد محققین باثبت امراض کے متعلق سرگرم تلاش و جستجو ہوئے مثلاً کپتان کک نے سب سے پہلے یہ بتلایا کہ جہازوں پر اسکروی (SCURVY) کی روک تھام کیونکر کی جاسکتی ہے۔ ہاورڈ (HAWORD) نے محبسوں کے بخار (ٹائفس) کے روکنے کا طریقہ بتلایا اور ڈاکٹر جینر نے چیچک کے ٹیکہ کی ایجاد سے ساری دنیا کو مرہون منت کیا۔

گذشتہ نصف صدی میں ایسے محققین و ماہرین سائنس کی ایک سرگرم فوج معروف عمل نظر آتی ہے۔ جن کی ساری زندگی اسباب امراض کی تلاش و جستجو میں صرف ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی بیماریوں کی ماہیت و اصلیت کا پتہ چل گیا اور اُن کی روک تھام کے طریقے معلوم ہو کر خلق اللہ کو نفع کثیر پہنچا۔ یہ کار خیر اب بھی جاری ہے بلکہ پہلے سے زیادہ تیزی اور مستعدی کے ساتھ اور تہذیب یافتہ اور علم دوست ملکوں میں محققین اور ماہرین کی ایک جماعت خاموشی کے ساتھ یہ مفید کام کئے جارہی ہے۔ لیکن صرف ماہرین و محققین کا یہ دریافت کر لینا کہ امراض کیونکر پھیلتے ہیں اور کس طرح روکے جاسکتے ہیں، یا حکومت کی طرف سے انسداد امراض کے قوانین کا نافذ ہو جانا کافی نہیں۔ اصلی چیز جو ضروری ہے یہ ہے کہ عام لوگ اصول صحت اور امراض سے بچنے کے طریقوں کو سمجھیں اُن پر خود عمل کریں۔ اور اپنے گھروں میں عمل کرائیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو حفظان صحت اور اصول صحت کے ابتدائی اور بنیادی مسائل کی تعلیم دیں۔

(باقی دارد)

سوزن کاری

(ابتدائی مشق) از محترمہ بدر النساء بیگم صاحبہ (مسلمہ) منشی فاضل

(مددگار مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ)

(بہ سلسلۂ گذشتہ)

ٹانکے نکالنے کی ابتدائی مشق پوری کرنے کی خاطر جب ان کو سوئی میں تاگہ پرونا اور ٹانکے نکالنا آجائے تو اس کے بعد دیکھی بھالی چیزوں کے اشکال آتار کر ان میں ایک ہی انداز و فاصلہ کے نشان لگا دیں اور رنگین تاگے سے ٹانکا نکالنے کی مشق پوری کرائیں اسطرح سے طالبات کی قوت توجہ مشاہدہ و مدرکہ وغیرہ قوائے ذہنی کی تربیت ترقی ہوگی۔

"کوکنا"

جب ابتدائی ٹانکوں کی مشق ہو جائے اس کے بعد انھیں کوکنا سکھلایا جائے اس کے لئے حسب ذیل

سامان کی ضرورت ہے۔

سامان:۔ سوئی۔ رنگین تاگہ۔ انگشتانہ۔ مربع کپڑا۔ (پھلواری کا)

جب بچیوں کو سوئی کا استعمال آجائے تب سوئی سے محفوظ رہنے کی خاطر انگشتانہ لازمی طور پر استعمال کرایا جائے اسلئے بید ہے ہاتھ کی انگشت درمیانہ میں انگشتانہ پہنایا جائے اور ایک پھلواری کا مربع ٹکڑا لیکر معلمہ طالباۃ کو بھی اس طرح کے ٹکڑے تقسیم کردے اور کسی ایک سرے سے آدھا انچہ حصہ ناپ کر موڑ دیں اور دونوں حصوں کو ملا کر سینا سکھلائیں اسی کو "ٹکنا" کہتے ہیں۔ ہر ایک ٹانکا برابر برابر فاصلے پر رہے اسی طرح دوسرے تیسرے اور چوتھے سرے کو موڑتے جائیں اور سیتے جائیں

(باقی دارد)

زرّین اقوال

از عزیزہ ک ف، بیگم صاحبہ

(۱) مرنا آسان ہے۔ مگر مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے جینا باہمت لوگوں کا کام ہے۔

(۲) چاند سے پوچھو وہ کیسے اوج پاتا ہے؟

(۳) اپنے آپ کو حقیر جاننا بزرگی کی علامت ہے۔

(۴) سچائی کی تلوار اگر بے نیام رکھوگے تو کبھی مشکلات کا سامنا نہ ہوگا۔

(۵) پیدائش نام ہے موت کا، اور موت زندگی جاوید کا۔

(۶) ان ریت کے ذروں کو حقیر نہ سمجھو جس میں کئی ناموروں کی شان دبی ہے۔

(۷) کسی کے وقت پر کام آنا، اور کسی محتاج کی اعانت کرنا، گویا انسانیت کا ثبوت دینا ہے۔

(۸) "صبر اور شکر" زندگی کو تمام آلائیشوں سے پاک کر دیتے ہیں۔

(۹) دیکھو! دنیا کی محبت، کہیں تمھیں دین سے بے خبر نہ کردے!

"دستکاری"

لیس میں انگور کی بیل

(جو فرشی دری، میز پوش وغیرہ کے کناروں پر خوب نظر آتی ہے)

ہدایات:- ۲۱۱ چین سے شروع کریں - پہلی قطار:- ۴ ٹریبل، ۱۳ ہول - ٹریبل ۴ ہول - ۴ ٹریبل ۱۲ ہول - ۴ ٹریبل ۲ ہول - ۴ ٹریبل ۳ چین واپس ابھا کر سامنے رکھ کر نکال لیں چوتھی قطار شروع کرتے وقت آٹھ چین زائد لیں جس سے کنارے شروع ہونگے - کناری نیچے اتارتے وقت "سلپ اسٹیچ" سے کام لیں -

"سلپ اسٹیچ" کی ترکیب:- کروشیہ پر دھاگہ کا تکمہ رکھ کر چین میں داخل کریں اور کروشیہ پر دھاگہ لیکر واپس نکال لیں اب کروشیہ پر دو تکمے ہونگے نئے تکمے میں سے پہلے تکمے کو نکال لیں -

(محترمہ مسز اجمل عرفانی (ورنگل))

مفید معلومات

از عزیزہ ک ف بیگم صاحبہ

چائے اور کافی کے داغ دور کرنا :-

کپڑا خواہ کیسا ہی ہو اگر چائے یا کافی اس پر گرجائے تو ایک دھبہ سا رہ جائیگا، جو بد نما نظر آتا ہے۔ یہ داغ اگر تازہ ہو تو ابلتا ہوا دودھ اس کو دور کرسکتا ہے، اور اگر پرانے ہوں تو کپڑے کو کسی کھلے برتن میں بچھا کر اس جگہ پر سہاگہ رگڑنا چاہئے، پھر کچھ دیر تک ابلتا ہوا پانی اوپر ڈالتے رہیں اور آخر میں سرد پانی سے اتنی جگہ رگڑ کر دھو ڈالیں۔

چونے اور کتھے کا سرخ داغ دور کرنا :-

"اسپرٹ" یا "پٹرول" سے دھونے پر اس قسم کا داغ دور تو نہیں ہوتا مگر کسی قدر پھیکا پڑجاتا ہے اگر داغ کی جگہ گرم پانی ڈال کر پھٹکری سے دو چار دفعہ خوب رگڑ کر دھویا جائے تو نشان تک نہیں رہے گا۔

کپڑوں سے گھاس کا سبز داغ دور کرنا :-

"پیرافن" ایسے داغ اور دھبوں کو دور کرنے میں بہتر چیز دیکھی گئی ہے۔

کمبل یا بانات کے کپڑوں سے تیل کا داغ دور کرنا :-

اگر معمولی قسم کی بانات یا کمبل پر تیل گرجائے تو دہی کو (جو کسیقدر ترش ہو) لگا کر پانی سے دھویا جائے۔

ضروری اطلاع

ماہنامہ "سفینۂ نسواں" آیندہ سے ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ کے بجائے ۲۰ تک شایع ہوگا۔ عدم وصولی رسالہ کی اطلاع ختم ماہ تک پہنچ جانی چاہئے۔

(مینجر)

خوانِ نعمت

از محترمہ بدرالنساء بیگم صاحبہ (مسلّمہ منشی فاضل)
(مددگارہ مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ)

(کدو کا لذیذ میٹھا)

یوں تو عام طور پر سیویاں اور ڈبل کا میٹھا پکایا جاتا ہے۔ لیکن کدو کا میٹھا بھی اگر بطور خاص پکایا جائے تو نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ اگر دو چار مرتبہ اس کا استعمال ہو تو اس کی خوبی اور ذائقہ ایسا مرغوب طبع ہوگا کہ بار بار اس کی خواہش باقی رہے گی۔

ضروری اشیاء:- کدو ۲ عدد۔ شکر ۲ سیر۔ کھویا پاؤ سیر۔ زعفران ۳ ماشہ۔ دودھ ایک سیر۔ بادام چھٹانک۔ چرونجی آدھ پاؤ۔ کشمش چھٹانک۔ گھی آدھ پاؤ۔

ترکیب:- پہلے ہر دو کدو کو چھیل لیں اسکے بعد صرف مغز کو بورہ کش پر ترپ لیں اور اندرونی بیج وغیرہ کا حصہ نہ ترپیں۔ ترپنے میں کدو کے ٹکڑے نہ کئے جائیں بلکہ وہ سالم رہے۔ جب کدو کا بورہ ہو جائے تو اس کا وزن کریں (مذکورہ تمام چیزیں آدھ سیر بورہ کی مناسبت سے لکھی گئی ہیں حساب کم و بیشی کیجا سکتی ہے) اسکے بعد فی تین سیر کے حساب سے پانی کو صاف برتن میں ڈالکر جوش دیں جب پانی خوب گرم ہو جائے تو اس میں کدو کے بورہ کو ڈالکر پندرہ منٹ تک جوش دیں اور اتار کر چھان لیں اس کے بعد دودھ میں ڈال کر اس قدر جوش دیں کہ گل جائے پھر کھویا اور آدھے بادام و آدھی چرونجی اور زعفران کو پیس کر ملا دیں۔ اور شکر میں پاؤ سیر پانی ڈال کر گرم کریں معمولی شیرہ بن جائے پر اتار لیں (قوام بنانے کی ضرورت نہیں) اور اس کو بورہ میں ملانے کے بعد پکا کر حسب خواہش تھوڑا شیرہ رکھکر اتار لیں۔ اور باقی ماندہ نصف بادام کے بند تراش کر اور چرونجی کشمش کو صاف کر کے ان تینوں چیزوں کو گھی میں تل لیں اور گھی کو میٹھا پکتے وقت ملا دیں تاکہ گھی کی بو نہ آنے پائے اور میٹھا تیار ہونے پر بادام و چرونجی و کشمش کو بچھا دیں۔ نہایت لذیذ و ذائقہ دار میٹھا تیار ہو جائیگا۔

"بزم سفینہ"

مدیرۂ محترمہ!

گرامی نامہ باعثِ سرور و انبساط ہوا۔ خدا آپ کے نیک ارادوں میں کامیابی عطا کرے۔ بھلا آپکے کہنے کی کیا ضرورت ہے، میں حتی الامکان عزیز "سفینہ" کی توسیع اشاعت میں کوشاں ہوں۔ ہاں! نادار فنڈ کا خیال بہت مبارک ہے، اس سے یقیناً غریب بچیاں مستفید ہونگی اس مسعود تحریک کا استقبال، سب سے پہلے میں کرتی ہوں اور ذریعۂ ہذا مبلغ (عہ) میں اپنی جانب سے بھیج رہی ہوں اور (عہ) اکرم بہنیں عزیز سلطانہ اور کنیز سلطانہ کی طرف سے قبول فرماکر رسید سے ایما فرمائے میں بہت جلد چند ایسی بچیوں کے نام بھیجوں گی جن میں اتنی استطاعت نہیں کہ "سفینہ" کو خرید کر پڑھیں

آپ کی ..... بدر النساء۔ ....

.... مسرت کا مقام ہے کہ آپ نے جہاں طبقہ نسواں کی صلاح و فلاح کا بیڑا اٹھایا ہے وہاں غریب نادار بچیوں کے علمی ذوق کو پورا کرنے کا سامان بھی فرما رہی ہیں۔ گذشتہ دفعہ میں نے لکھا تھا کہ اسلم بھائی بہت فریش ہیں، خدا کا شکر ہے اب بجائے دورہ کی شکایت تو مطلق نہیں رہی، مگر ناتوانی حد درجہ ہے۔ ان کی صحت یابی کی مسرت میں میں نے آج ہی ذریعہ منی آرڈر (صہ) روپیہ "سفینہ نادار فنڈ" کے نام بھیجا ہے۔ براہِ کرم سلیمہ خاتون کے نام (جو ایک شوقین مگر مفلس و یتیم لڑکی ہے) پتہ ذیل پر ایک سال کے لئے رسالہ جاری کردیجئے، مشکور ہوں گی،

زاہدہ یوسف

(مہارانی کالج میسور)

میں نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ تحریر کرتی ہوں کہ میری پیاری بھابی کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے ۴ مارچ ۱۹۳۲ء کو چاند سی بچی عطا فرمائی ہے۔ میں ناظرات "سفینہ" سے ملتجی ہوں کہ اگر کوئی بہن اس بچی کا تاریخی نام ذریعہ مدیرہ "سفینہ نسواں" یا پتہ ذیل پر راست میرے یہاں بھیجیں تو بیحد ممنون ہوں گی۔ اگر نام کے ساتھ "چغتائی" بھی ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

اقتدار منظور

بتوسط مولانا ماہر القادری (دفتر نظامت طب سرکار عالی۔)

"کراس ورڈز پزل"

حل طلب معمہ

۱۰	۹	۸	۷	۶		۵	۴	۳	۲	۱
۱۹	۱۸	۱۷		۱۶	۱۵	۱۴		۱۳	۱۲	۱۱
۲۸	۲۷		۲۶	۲۵		۲۴	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰
۳۶	۳۵		۳۴	۳۳	۳۲		۳۱	۳۰		۲۹
۴۳	۴۲			۴۱		۴۰	۳۹		۳۸	۳۷
۵۲		۵۱	۵۰	۴۹		۴۸	۴۷	۴۶	۴۵	۴۴
	۶۱	۶۰	۵۹	۵۸	۵۷		۵۶	۵۵	۵۴	۵۳
۷۰	۶۹	۶۸	۶۷		۶۶	۶۵		۶۴	۶۳	۶۲
	۷۸	۷۷	۷۶		۷۵	۷۴	۷۳	۷۲		۷۱
۸۶	۸۵			۸۴	۸۳	۸۲		۸۱	۸۰	۷۹
۹۷	۹۶	۹۵	۹۴	۹۳	۹۲	۹۱	۹۰	۸۹	۸۸	۸۷

محترمہ بہن زہرہ صاحبہ (بنت مولوی خواجہ عبد الہادی صاحب مددگار صدر محاسب سرکار عالی) کی میں رہین منت ہوں کہ انہوں نے ابتدا ہی سے حقیر "سفینہ" کا خیر مقدم کیا، اور حتی الامکان میری مدد فرماتی رہیں۔ یہ "حل طلب معمہ" بھی بہن موصوفہ کی جدت پسند طبیعت کا نمونہ ہے، اور امید کہ وہ آئندہ بھی اس سلسلہ کو قائم رکھینگی۔ یقیناً ایسی اٹل چیزیں بچوں میں غور و فکر اور سوچ بچار کا مادہ پیدا کرتی ہیں۔ میں اپنی طرف سے پہلے صحیح حل پر مبلغ (عہ) کا حقیر انعام دینے کا وعدہ کرتی ہوں باقی دو انعامات کی تفصیل قواعد میں ملاحظہ ہو۔

"مدیرہ"

دائیں سے بائیں

۱ سے ۵ تک = حیدرآباد کا ایک نوخیز پرچہ۔

۶ سے ۱۰ تک = دانت۔

۱۱ سے ۱۳ " = شب۔

۱۴ " ۱۶ " = نماز کی رکعتوں میں سے ایک رکعت کا نام

۱۷ " ۱۹ " = کوشش۔

۲۰ " ۲۴ " = ایک پیغمبر کا نام۔

۲۵ سے ۲۶ تک = رات

۲۷ " ۲۸ " = قلب

۳۰ " ۳۱ " = ہیں

۳۲ " ۳۴ " = خوف یا ڈر۔

۳۵ " ۳۶ " = حرف ندا

۳۷ " ۳۸ " = منگیتر۔

۳۹ " ۴۰ " = جس سے ایک عالم بیزار ہے۔

۴۲ " ۴۳ " = ایک عربی باجا۔

۴۴ سے ۴۸ تک = خدا کا نام

۴۹ ″ ۵۱ ″ = شداد کی بنائی ہوئی بہشت

۵۲ ″ ۵۶ ″ = حضرت علی کا لقب

۵۷ ″ ۶۱ ″ = زمین۔

۶۳ ″ ۶۴ ″ = عرب کا ایک ملک۔

۶۵ ″ ۶۶ ″ = سوراخ

۶۷ ″ ۷۰ ″ = حجرہ۔

۷۲ ″ ۷۵ ″ = ضیافت کا کھانا۔

۷۶ ″ ۷۸ ″ = بجلی۔

۷۹ ″ ۸۱ ″ = پیادہ یا مرد (عربی لفظ ہے)

۸۲ ″ ۸۴ ″ = شادی۔ (فارسی لفظ ہے)

۸۵ ″ ۸۶ ″ = نار

۸۷ ″ ۹۷ ″ = حیدرآباد کے ایک اعلیٰ عہدہ دار کا خطاب

اوپر سے نیچے:—

۱ تا ۸۷ = حیدرآباد کے ایک اعلیٰ عہدہ دار کا نام

۲ تا ۲۱ = عجیب کی بات

۳ تا ۳۰ = بے باپ کا بچہ

۵ تا ۲۴ = حرص و ہوا۔

۶ تا ۵۸ = ایک ترکی خلیفہ کی نور نظر

۸ تا ۱۷ = ایک ہنر۔

۹ تا ۴۲ = جمع عدد

۱۰ تا ۵۴ = ترک شہزادی

۲۲ تا ۵۶ = ڈھیر۔

۲۶ تا ۴۴ = بارود کا گولہ

۳۸ تا ۶۲ = خدا کا ایک نام

۴۰ تا ۸۴ = بہار

۴۳ تا ۸۹ شمالی ہند میں ایک مقام ہے جہاں کی ہوا سخت سے سخت مریض کو شفا بخشتی ہے۔

۵۰ تا ۶۷ = سوار (فارسی لفظ ہے)

۵۱ تا ۷۷ = پوشیدہ (″ ″)

۵۷ تا ۹۲ = حیدرآباد کا ایک صوبہ۔

۶۱ تا ۹۶ = ایک بیماری۔

۶۵ تا ۹۱ = وہ چیز جو مسلمانوں کے پاس صرف خوشی کے وقت اور ہندوؤں کے پاس خوشی و غمی دونوں وقت استعمال ہوتی ہے۔

۸۰ تا ۸۸ = فارس کے ایک بادشاہ کا نام

۸۴ تا ۹۳ = شیرہ۔

۸۶ تا ۹۷ = سُر یا آواز۔

انعامات:— (۱) معمہ کے پہلے صحیح حل پر منجانب "مدیرہ" ماہنامہ سفینۂ نسواں ۵ روپیہ بطور انعام پیش کئے جائینگے (۲) اس حل پر جس میں دو سے تین غلطیاں ہوں "سفینہ" ایک سال کے لئے مفت جاری کیا جائیگا۔ (۳) جس حل شدہ معمہ میں پانچ یا اس سے کم غلطیاں ہونگی اُن کے نام چھ ماہ کیلئے "سفینہ" مفت بھیجا جائیگا۔ **قواعد:—** (۱) ۵ اپریل تک تمام حل دو آنہ کے ٹکٹ کے ساتھ دفتر پر پہنچ جانے چاہیں۔ لفافہ پر براہ کرم "حل معمہ نمبر (۱)" تحریر فرمائیے (۲) صرف خواتین اور لڑکیاں اس مقابلہ میں شریک ہوسکیں گی (۳) آئندہ نمبر میں اُن کے نام شایع کئے جائینگے جنہوں نے مذکورہ انعامات حاصل کیا ہے (۴) حل دفتر پہنچنے سے پہلے اسکی ایک نقل اپنے پاس رکھ لیجئے۔ تاکہ اگر جب "سفینہ" خود اس معمہ کا حل پیش کرے تو آپ کو دونوں کے مقابلہ میں دقت نہ ہوگی۔ (۵) "ادارہ" کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا (۶) معمہ کے متعلق کوئی امر دریافت طلب ہو تو جواب کیلئے کارڈ یا ٹکٹ بھیجئے (۷) ۵ اپریل کے بعد کوئی حل قابل قبول نہ ہوگا۔

صاحبزادہ میکش آغائی کا اظہار حقیقت

ہر چند روغن گلبہار کے متعلق توصیفی سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے ان گنت محبان وطن نے اپنے تجرباتی فوائد سے پبلک کو اطلاع دی ہے تاہم حقیقت آشنا دل نانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور عبارت آرائی کہاں چھوٹا منہ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو ید قدرت نے سحر قدرت نے سحر آفریں اعجاز ودیعت فرمایا ہے جہاں اس کی نکہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اس کی تاثیر بھی عدیم النظیر ۔ مشاہدہ شاہد ہے کہ اس کے استعمال نے بال گرنے موقوف کردئے دردسر زائل کردیا، تکلیف و تکان دور کردی اسکی عطر افشاں خوشبو مشام جان معطر کرتی دماغ کے لئے فرحت اور سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ اس کے موجد ملکی ہاتھ ہیں ۔ یہ ایجاد بلا مبالغہ موجد کے لئے باعث صد ناز و افتخار ہے تو ملک کے لئے سرمایۂ ناز روغن گلبہار سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں ازدیاد جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہوسکتی ہے جس قدر کہ ذکور اہل ملک اور محبان وطن کا فرض ہے کہ وہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک دیسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے ۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کردیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہوں گے ان اصحاب مخلص کا شاکر ہوں جنھوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام ہیر آئیل کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھا جس کی طوفان بے تمیزی حشرات الارض کی طرح دن دونی رات چوگنی زیادتی پر ہے ۔

المشتہر

منیجر ۔ گلبہار کمپنی

افضل گنج حیدرآباد دکن

خوش باشی
یہ نہ تو گھر سامانِ عیش کے مہیا ہونے سے پوری ہوتی ہے اور نہ دولت کی فراہمی اس کے حصول کا باعث بنتی ہے۔ یہ اس گھر کو نصیب ہے جہاں ماں باپ اور بچے صحت اور تندرستی کے ساتھ محبت اور خوشی کی زندگی بسر کرتے ہوں۔
بہتر باپ وہی ہو سکتا ہے جو اپنے بچوں اور ان کی عزیز ماں سے محبت رکھے اور ایک بہتر ماں وہی ہو سکتی ہے جو اپنے شوہر کی بھلائی اور آرام کے لیے ہر قسم کا ایثار کر سکے اور بہتر بچے وہی کہلائے جا سکتے ہیں جو اپنے ماں باپ سے محبت رکھیں اور ان کی اطاعت و عزت کریں۔ یہ اجتماع مادری و پدری شفقت اور بچوں کی اطاعت و تعظیم کا باوجود افلاس و تنگدستی کے گھر کو بہشت بنا دیتا ہے۔ دنیا میں ایک ہی ایسی چیز ہے جو اس شادمانی پر پانی پھیر دینے والی ثابت ہوتی ہے اور وہ بیماری ہے۔ ہم تندرستی کو کسی قیمت پر بھی خرید نہیں سکتے صحت کی حفاظت کی جانی چاہیے، اور اگر وہ ہاتھ سے جاتی رہے تو پھر اصول قیام و حفظانِ صحت کو معلوم کر کے اس کو حاصل کرنا پڑتا ہے۔
محترم بیگمات کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ ہمارے اردو بلیٹن کو ملاحظہ کریں جو اب اردو میں شائع ہو رہا ہے۔ ہمارے انگریزی ایڈیشن کی کامیاب اشاعت نے جو گزشتہ سات سال سے شائع ہو رہا ہے ہم کو جنوری سنہ ۱۹۳۲ء سے اردو اشاعت کے لیے بھی آمادہ کیا۔ آپ اسکو بالکل مفت حاصل کر سکتی ہیں یا تو آپ اس کو خود ماہانہ منگوا لیا کریں یا ہمارے پاس اپنا پتہ رجسٹر کرا دیں ہم آپ کی خدمت میں ماہانہ روانہ کر دینگے۔ آپکو اس کے لیے کچھ بھی خرچ کرنا نہیں پڑیگا۔ یہ بلیٹن اپنے گھر والوں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے میں آپ کی بہت مدد کریگا اور آپ کے بچوں کی پرورش اور اخلاقی ترتیب کیلیے ایک مشیر کا کام دیگا۔ آپکو وہ بہت سی زحمتوں اور غیر ضروری اخراجات سے محفوظ رکھیگا۔ فقط
جے اینڈ جے ڈی شین
متصل اکسلسیر تھیٹر۔ ریزیڈنسی روڈ۔ حیدرآباد دکن

مقاصد

۱۔ جن مقاصد کے تحت رسالہ کا اجرا ہوا ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے التماس ہے کہ وہ بغیر تمنا کوشش اور جد و جہد کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ دکن کے علم دوست حضرات اور خصوصاً میری تعلیم یافتہ بہنیں اس نونہال کی ممکنہ اعانت و توسیع اشاعت اور فراہمی مضامین سے بالخصوص چونکہ طبقہ نسواں کا پہلا مشہور اور بہترین مجلہ کا رہے گا اس لئے امید کی جاتی ہے کہ عزیز بہنیں قدم قدم پر میری امداد و ہمت افزائی فرمائیں گی

۲۔ سفینہ پردہ نشین خواتین دکن اور اہل قلم حضرات کی خامہ فرسائی کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔

۳۔ "سفینہ" کا مقصد اجرا اس دقت کو بھی رفع کرنا ہے جو خصوصاً دکن کے تعلیم یافتہ طبقہ نسواں کو اپنے مضامین کی نشر و اشاعت سے قوم کی اصلاح و رہبری کرنے میں پیش آتی ہے تاکہ انہیں بیرون دکن کے ان چند خاص رسالوں کا محتاج نہ رہنا پڑے جن کا تعلق اس طبقہ سے ہے۔

ملتمس

مدیرہ

قواعد

۱۔ سفینہ نسواں ہر انگریزی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک شائع ہوا کریگا۔

۲۔ اگر ۳۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر مع اعلیٰ تصاویر کے مزین ہو کر پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوگا

۴۔ زر چندہ عموماً سالانہ (معہ محصول ڈاک) ۴ روپیہ اور فی پرچہ ۶ آنہ۔ صورت نمونہ کے لئے ۳ آنہ کے ٹکٹ بھجوائیے

۵۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیجئے ورنہ کارکنان دفتر کو معذور تصور فرمائیے۔

۶۔ جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے

۷۔ ترسیل زر معاوضہ اور جملہ استفسارات بنام منیجر سفینہ ہونی چاہئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے ناقابل اشاعت مضامین جو ڈاک ٹکٹ آنے پر واپس کئے جائیں گے

۸۔ چونکہ سفینہ نسواں صرف طبقہ نسواں کی اصلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجا لانے کے لئے جاری ہوگا۔ لہذا ادارہ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شائع کرنے سے احتراز رہیگا

۹۔ اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائے گی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لئے جو ترجمہ کردہ بالخصوص دکن سے متعلق ہوں سفینہ معقول زر معاوضہ ادا کریگا۔

۱۱۔ ادارہ سفینہ کو ہر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہیگا۔

("منیجر")

دارالسلطنت دکن کا واحد صنفی آرگن

ماہ نامہ

سفینۂ نسواں

حیدرآباد دکن

سفینۂ برگِ گل بنا لیگا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا
(اقبال)
ادارہ
مدیرہ:
صادقہ قریشی
مدیرہ اعزازی
محترمہ بیگم صاحبہ جناب مولوی محمد برہان الدین صاحب
(بی۔اے)
مدیر معاون
جناب اختر قریشی
جناب عزیز رشدی
جناب سید شبیر حسین قیس
مطبوعہ چشتی القادری پریس واقع کمان سالار جنگ بہادر

ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"

"SAFINA-I-NISWAN"
Hyderabad, Deccan.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترانۂ حمد

محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ قمر

رہ گیا ہے ہر زباں پر ایک افسانہ ترا ✤ یوں بنا کر عالمِ ہستی کو چھپ جانا ترا

فلسفی پروانہ ہے تیرے چراغِ حسن کا ✤ ڈھونڈتا پھرتا ہے جل جانے کو کاشانہ ترا

ضوفشاں تھا حسنِ لیلیٰ میں ترا عکسِ جمال ✤ کون کہتا ہے نہیں تھا قیس دیوانہ ترا

بن کے یوسف مدتوں کی آزمائش عشق کی ✤ واہ کیا انداز تھا اے حسنِ جانانہ ترا

خلق کے شیدا بنانے کو تھی تسکینِ کلیم ✤ اک فسانہ ہے جھلک دکھلا کے چھپ جانا ترا

اصل مقصد سب کا تو ہے گو جداگانہ ہو راہ ✤ ہے کلیسا بھی ترا، کعبہ و بتخانہ ترا

کافرِ نعمت پہ جب تیرا کرم اتنا ہے عام ✤ پوچھنا ہے اسکا پھر کیا ہو جو دیوانہ ترا

خود گواہی دے رہا ہے یہ نظامِ کائنات ✤ عالمِ ہستی کا ہر ذرّہ ہے دیوانہ ترا

شوق ہو یا آرزو جو کچھ ہے دل میں بس یہی ✤ جان ہو نذرِ محمد دل ہو دیوانہ ترا

نطق تیرا کھل گیا ماہِ عرب کی شکل میں ✤ اے خوشا حسنِ بیاں اے حسنِ جانانہ ترا

تیرے صہبائے محبت سے قمرؔ یوں مست ہو
آنکھ ہو محوِ تجلی دل ہو دیوانہ ترا

سفینۂ نسواں

جلد (۱) — نمبر (۱)

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجماں

تصاویر

تصاویر

A. Parthasarathy & Co. Printers, Hyderabad-Deccan

اعلیحضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
مبارکباد بتقریب عقد سعید صاحبزادگان بلند اقبال
شادیِ عقد رئیسانہ مبارک باشد
رشتہ با دولتِ ترکا مبارک باشد
للہ الحمد کہ آمد دُرِ شہوار بدست
گوہرِ تاجِ ملوکانہ مبارک باشد
نازنینے کہ لطیف ست ز سر تا بقدم
بہ ولیعہد کہ ہمخانہ مبارک باشد
یار آمادہ بہ توثیقِ وفاق است امروز
دورِ پیمانہ بہ شکرانہ مبارک باشد
کیلن سعد قدم ماہ لقا ینک نہاد
گو بہ سلطان و بہ سلطانہ مبارک باشد
ہمچو نیلوفرِ رعنا بہ معظم جاہے
(خسرو) (خوشہ امن)
دلبرِ صادق و فرزانہ مبارک باشد
اندرین بزم کہ عثمان دف و چنگ است و رباب
دمبدم نغمہ بہ شاہانہ مبارک باشد
راگنی
FAZAL

نذرِ بضاعت ہدیۂ تبریک

بحق سین و یٰسین و تبارک
مبارکباشد و باشد مبارک

بفضلِ صانع کہ اشارۂ کاف و نونش از عینِ قدرت مبدع قافِ تا قافِ عالم است وبتائید آلِ طٰہٰ و یٰسین کہ وجود شان علت انشائے نون والقلم دودمانِ آصفی وخاندانِ عثمانی کے درمیان جو مستحکم تعلقات کا ارتباط از دواج شاہزادگانِ والاتبار و عالی نژاد کی وجہ قایم ہوگیا ہے وہ نہ صرف ہم ہی خواہان وجاں نثارانِ سلطنت آصفیہ کیلئے ہی ہزار بہجت و صد میمنت کا باعث ہے۔ بلکہ بلادِ اسلامی ودُولِ عالم میں یہ ایک درخشاں و تابندہ نظیر بے عدیل ہے۔ ان تعلقات مودت اساس کی بیکراں مسرت کی وجہ جمیع دعا گویان خانہ زاد بے ریا و فدایانِ باصفا کی جانب سے خدامانِ بارگاہ فلک مرتبت اعلیحضرت قدر قدرت خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ وکیوانِ منزلت علیا حضرتہ مادرِ دکن، و والاشان شہزادگانِ عالی نشان وبلند اقبال ہمایوں فال شہزادیانِ حضرتہ دلھن شہزادی دُردانہ بیگم صاحبہ و حضرتہ دلہن شہزادی فرحت بیگم صاحبہ کی خدمت فیض درجت میں بصد خلوصِ عقیدت مودبانہ بے بضاعت وناچیز ہدیۂ تبریک عرض کرنے کی جرأت کرتے ہوے دست بدعا ہوں کہ خدایا انھیں شادکام وفایز المرام فرما - آمین۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

دعاگوے ازلی — صادقہ قریشی
"مدیرہ"

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط

ترجمہ:- تم سب سے بہتر امت ہو! جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو، تم اچھے کام کرنے کو کہتے ہو، اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

تعارف

"تمہید" یا "دیباچہ" سے مراد مختصر مگر جامع الفاظ میں نفس مضمون کا اظہار کرنا ہے، یہ ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں، مادرِ فطرت نے اس چیز کو گویا خصوصیت سے اپنے نظام (لیل ونہار) میں داخل کر رکھا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مرغانِ سحر کی نواسنجیاں صبح کی آمد کا اشتہار ہیں، اور گوشۂ مغرب کا سرِ شام خونیں چادر اوڑھنا اور خورشید خاور کا آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہوجانا ظلمتِ شب کے آثار، بہار کی آمد سے پہلے اگر خوشگوار اور روح پرور ہوائیں چلتی ہیں، تو تیز و تند ہوا کے جھونکے موسم خزاں کا پتہ دیتے ہیں حقیقت شناس نگاہیں اچھی طرح جانتی، اور ان سے سبق حاصل کرتی ہیں کہ پیدائش موت کا پیام ہے، اور موت ابدی راحت کا نام۔

اب میرے مقالۂ افتتاحیہ یا "سرآغاز" کا منشا بھی یہی ہوگا۔ خیال ہے کہ جس بارِ عظیم کو میں نے اپنے دوشِ ناتوان پر محض ملکی ہمدرد بہنوں کی معاونت کے بھروسہ اٹھانے کا عزم صمیم کیا ہے اس کے وجوہات پر ایک سرسری اور اجمالی نظر ڈالوں، تاکہ "سفینۂ نسواں" کے اجرار کا مقصد پوری طور پر واضح ہوجائے، اس لئے کہ ان کے ظاہر کرنے کا مجھے دوبارہ موقع نہ ملیگا۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ آجکل ملکی بہنوں میں علمی شوق بڑھتا جارہا ہے، میں نے خیال کیا کہ علم کے ساتھ ساتھ ان کو راہِ عمل پر بھی لگاؤں۔ اسلئے کہ علم وعمل کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اور علم بغیر عمل ایک پھول ہے جس میں مہک نہیں، یا ایک ہیرا ہے جس میں چمک نہیں۔ اسلاف کے کارناموں پر نظر ڈالیے اور اُن کی زندگیوں کی تحقیق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ عالم باعمل تھے۔ ان کی کتاب زندگی کا ہر ورق ہم کو باعمل ہونے اور اوروں کی خدمت کرنے کا سبق دیرہا ہے۔ ہر گھڑی ارحم من فی الارض یرحمك من فی السّمآء ان کے پیش نظر رہتا تھا۔ اور وہ اپنی زیست کا اولین مقصد دوسروں کی اصلاح کرنا قرار دیتے تھے۔

آج اقوام عالم کی تاریخی وجغرافیائی زندگی کے اوراق الٹئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے مسلمانوں کے سارے طبقات زیور علم سے آراستہ ہوکر راہ عمل پر تیزی کے ساتھ گامزن ہیں زمانہ ان کا ساتھ دیرہا ہے اور وہ ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج سرعت کے ساتھ طے کرتے جارہے ہیں۔ ایک مسلمان ہیں کہ علم سے بے بہرہ، عمل سے کوسوں دور، اپنی گزشتہ جاہ وحشمت، دولت وحکومت کے نشہ میں چور غفلت کی نیند پڑے سورہے ہیں انھیں یہ تک نہیں معلوم کہ "اونٹ کس کروٹ بیٹھ رہا ہے" اور زمانہ کیا چال چل رہا ہے"، انھیں دنیاوی عیش اور ظاہری آرایش سے اتنی فرصت کہاں کہ ان جھمیلوں میں پڑیں اور آنکھوں سے غفلت کی عینک اُتار کر دیکھیں کہ ہمارے کیا رتبے رہ گئے ہیں، اور ہماری کیا شانیں ؟ زیادہ سے زیادہ اگر پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایسے تھے اور ہمارے اجداد نے ایسے کار نمایاں کئے، مگر ؎

بندۂ عشق شدی، ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

کون کہے اور کس زبان سے ؟ قرآن کریم نے تیرہ سو برس پہلے، یہ کہکر انھیں متنبہ کردیا تھا کہ

اِنَّ اللہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط

یعنی خداوند کریم نے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی، جب تک کہ اس کے افراد اپنی حالت کو نہ بدلدیں، غور کیجئے! ظاہر ہے کہ آج ہم وہ نہیں جو کل تھے۔ ہماری یہ تبدیلی اور آئین و قوانین قرآنی سے بیزاری، ہماری موجودہ بے حسی اور نکبت تعجب نہیں جو ہم کو وہ روز بد دکھائے جس کے اظہار سے پہلے رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قرائن و آثار بتلاتے ہیں کہ اگر اب بھی ہم نہ چونکیں، اگر آج بھی ہم میٹھی نیند سے بیدار نہ ہوں، تو مستقبل قریب ہم کو یہ جام تلخ پلائیگا۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ الدِّیْن۔

عالم اسلام کی اس بے حسی کی روشنی میں مسلم خاتون کو دیکھئے کہ وہ کس رنگ میں ہے اُس کی زندگی کیسے بسر ہو رہی ہے، اور کس حالت میں! کیا یہ وہی مسلم خاتون ہے جس نے کبھی محاربات عظمیٰ میں دوش بدوش نمایاں حصہ لیا تھا؟ کیا یہ وہی ہے جس نے اپنی جنگجویانہ خصلت کی وجہ اپنے مقابل کو ایک نہیں بیسیوں دفعہ شکست فاش دیا تھا۔ مگر آج مردوں سے زیادہ یہ ہر کام میں پیچھے ہے۔ تاریخ کے صفحات جن کے زرین کارناموں اور بے مثل کارگزاریوں سے رنگین ہیں آج انھیں کے نام لیوا اپنی تاریخ کے جز و بیکاری اور عیش پرستی سے پر کر رہے ہیں، تاکہ آیندہ نسلیں ان پر ہنسیں ان کا مذاق اڑائیں۔ مجھے اکثر بہنوں کی یہ شکایت بیجا معلوم ہوتی ہے جب وہ یہ کہتی ہیں کہ "ہم عورتیں ہیں کیا کریں، ہم مجبور ہیں، بھلا چار دیواری میں رہ کر کیا کر سکتے ہیں؟ یا "مرد ہم کو قید میں رکھے ہیں"......

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی یہ مشہور عام حکایت کہ "باپ کے پاس شہد وافر مقدار میں موجود ہے" اور وہ بیٹے کو اس کے دینے سے محض اس لئے انکار کرتا ہے کہ کہیں مرض اور بڑھ نہ جائے" میرا تو یہ ایمان ہے اور جو سچ پوچھو تو ہے بھی یہی۔ پہلے ہمیں چاہئے کہ جہالت اور قدامت پرستی کی چادر کو اتار پھینکیں اور جب مرض کے بڑھنے کا شائبہ تک نہ ہو پھر شہد کا مطالبہ کریں۔

اسلام اور بانیٔ اسلام کے قربان جائیے، جس نے ساری دنیا سے منوا دیا کہ "اسلام نے ایسے وقت جبکہ ہر سو جہالت کا دور دورہ تھا، عورت کو مرد کے پنجۂ ظلم سے آزادی دلوائی"۔ جہالت کا دور بھی ایسا کہ لڑکی کی پیدائش ہی اسکو زندہ درگور ہونے کا پیام دیتی تھی۔ عورتوں کے ساتھ ادنیٰ ترین مخلوق اور زرخرید غلام سے بھی زیادہ برا برتاؤ ہوتا تھا۔ ایک وہ دور تھا، اور ایک یہ وقت کہ اس محسن اعظم نے اسی ادنیٰ

[illegible] مردوں کے [illegible]
کیا ... نے اسی طرح [illegible] ہستیاں پیدا کیا کہ ان کے
کارنامے [illegible] کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ تاریخ عالم کو اٹھا کر دیکھیے، خود آپ کے ملک [illegible] ہندوستان نے کیسی کیسی [illegible] روزگار ہستیاں پیدا کیں۔ ملکہ نورجہاں، سلطانہ رضیہ، چاند بی بی اور رانی پدماوتی کی سیاست دانی اور انتظام تدبر بھلانے کی چیزیں نہیں۔ عصمت کی دیوی سیتا نے ہمیں کیا کچھ سبق دیا۔ ملکہ نورجہاں اور شہزادی زیب النساء کا سارے علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھنا کیا اس بات کی دلیل نہیں، کہ ہم اپنے مفوضہ کاروبار، امور سلطنت نہیں، بلکہ معمولی گھریلو کام کے علاوہ کچھ اور کر سکتے ہیں اور سیکھ بھی سکتے ہیں

آج مغربی خواتین کی بے جا آزادیوں کو دیکھ کر اکثر بہنوں کے دل للچا اٹھتے ہیں، بلکہ بعضوں نے تو یہاں تک بھی لکھ دیا ہے کہ "اے کاش! ہم بجائے مشرق کے، مغرب میں پیدا ہوتے" لیجئے! کیا اونچا خیال ہے اور کیسی عجیب خواہش ہے۔ ایک انگریز کا قول ہے کہ "مشرق، مشرق ہے، اور مغرب، مغرب" یہ وہ حقیقت ہے جس میں سچائی کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہو۔ موجودہ دور آپ کے آگے ہے، دیکھئے کہ اس کورانہ تقلید نے ہمیں سارے جہاں میں کس حد تک رسوا و بدنام کر رکھا ہے۔

جانتی ہوں کہ میری یہ طویل ہرزہ سرائی گرانبار خاطر ہوگی، اور اس کا بھی بخوبی علم ہے کہ اصل مطلب کو سننے کے لئے طبیعتیں بہت مشتاق رہتی ہیں اس لئے مجبوراً رسالہ کے مقاصد و اغراض پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتی ہوں۔

"سفینۂ نسواں" کے اجرا کا مقصد جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے صرف یہی ہے کہ خواتین میں علمی ذوق کے ساتھ ساتھ ان میں عمل کی روح بھی پیدا کی جائے۔ اس کے سوا "سفینہ" کوشش کرے گا کہ مشرقی تہذیب کی بجھی ہوئی مشعل کو پھر جلائے اور اس کی روشنی میں ترقی کے زینہ تک اپنی بہنوں کی رہنمائی کرے۔

"سفینہ" جن اعلیٰ مقاصد کا حامل ہے اور اس خصوصیت کے پیش نظر کہ وہ دارالسلطنت دکن میں موجودہ ترقی یافتہ دور کا واحد نسوانی ترجمان ہے، کیا میں اپنی بہنوں کو ان خوبیوں کی جانب متوجہ کرنے میں حق بجانب ہو سکتی ہوں؟

[illegible] ہوں کہ [illegible] (دکن) کی خواتین کو [illegible] رسالہ [illegible] گزشتہ [illegible]

فنون کی ترقی پر ہے۔ مغرب جو اب بام ترقی پر پہنچا ہوا ہے، یہ محض وہاں کی پبلک کی صحافت سے دلچسپی اور صحیفہ نگاروں کی حمایت کا نتیجہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ اخبارات کو فروغ دینا گویا قومی و ملکی خدمات بجا لانا ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان کو دیکھئے، پہلے یہاں اس قسم کا شوق ہی سرے سے غائب ہے، اور اگر دس میں کوئی ایسے نکل بھی آئیں تو وہ اخبارات یا رسائل کو محض اس لئے دیکھتے ہیں کہ انکا بیکار وقت کسی نہ کسی طرح صرف ہو جائے۔ کیا ایسا ہی ہونا چاہیے؟ غور کیجئے کہ دوسرے اقوام متمدنہ اخبارات کو علوم و فنون کے عروج کا ذریعہ بتلاتے ہیں، اور ہم انھیں کے ذریعہ اپنے فضول وقت کا مصرف ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ پھر یہاں صحافت کو کیا ترقی نصیب ہوگی، اور غریب اخبارات اپنے فرائض کیسے انجام دینگے؟ "سفینہ" کی قبولیت اور روز اول ہی سے اس کی مانگ، مجھے ڈھارس بندھاتی ہے کہ یہ نونہال اپنے طبقہ کی شکایت اور ان کی بے اعتنائی کا مرثیہ پڑھنے کے بجائے اپنے سرپرستوں کی گود میں پھول پھل کر ترقی کے اعلیٰ مدارج حاصل کرے گا۔

اب میں خدائے برتر و لایزال سے صمیم قلب کے ساتھ دعا کرتی ہوں کہ الٰہی "سفینہ" کو ملکی بہنوں کی سرپرستی حاصل ہو، اور وہ اُن کی ہر ممکنہ خدمت بجا لائے، اور خدا کرے کہ یہ حقیر ماہنامہ طبقہ نسواں کا سچا رفیق خیر طلب اور بہترین صلاح کار ثابت ہو۔ آمین۔

معاصرین محترمین سے میری بصد ادب استدعا ہے کہ وہ بھی اس حقیر رسالہ کو (جو ایسے ہی ماحول میں اور اسی سرزمین سے نکل رہا ہے جہاں ان کے جلیل القدر جرائد پبلک کی بے اعتنائیوں کا شکار ہوتے ہوئے بھی ملکی و قومی خدمات ادا کر رہے ہیں) اپنی صف میں جگہ دیں۔ اور "ادارہ" کو اپنا ہم مشرب و ہم پیشہ مان کر مخالف یا موافق آراء سے مستفید فرماتے ہوئے حقوق اخبار نویسی کو ادا کریں۔ انشاءاللہ "سفینہ" ان کے نیز دوسروں کے مربیانہ مشوروں پر حتی الامکان کاربند ہونے کی کوشش کریگا۔

ان سطور کو ختم کرنے سے پہلے اگر میں "سفینہ" کے ان سرپرستوں یا معاونین کا شکریہ ادا نہ کروں تو یقیناً احسان فراموشی ہوگی۔ جنکی بر موقع امداد و اعانت نے آج مجھے اس قابل بنایا کہ میں "سفینہ" کے ذریعہ اپنے حقیر و ہیچمیرز خدمات کو ملک اور خصوصاً اپنے طبقہ کے آگے پیش کر رہی ہوں۔ جانتی ہوں کہ میں کیا اور میرا شکریہ کس شمار میں؟ ہاں! اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ "سفینہ" کی امداد اپنے پسماندہ گروہ کی امداد ہوگی، اور جن محترم بہنوں نے اس کی اب تک سرپرستی فرمائی ہے اور جن سے آئندہ ہر طرح کی بہت سی

[illegible] تمام بہنوں اور بھائیوں کی مشکور ہوں [illegible]

سب سے پہلے مجھ پر واجب الاحترام بہن کرمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خان صاحب ایم بی بی ایس کی [illegible] ہونا ہے، جنکی بر موقع امداد نے "سفینہ" کی بنیاد ڈالی [illegible] امید ہے کہ [illegible] کی چشم کرم سے "سفینہ" کبھی محروم نہ رہیگا۔

بزرگ و محترمہ مسز مولوی [illegible] مصطفے صاحب قریشی (ناظم بندوبست سرکار عالی) بہن "ج" [illegible] صاحبہ (عثمانیہ) اختر صاحبہ بنت [illegible] محمد احمد صاحب (ناظم [illegible] سرکار عالی) "ج" خاتون صاحبہ بنت مولوی خواجہ عبد الہادی صاحب (مددگار صدر محاسب سرکار عالی) بنت مولوی عبد الحمید صاحب (پرسنل اسسٹنٹ نواب صدر المہام بہادر) جنابہ قمر صاحبہ بنت خان بہادر چوہدری نبی احمد خان صاحب (سیالکوٹ) جنابہ خورشید صاحبہ (برار) اے بیگم صاحبہ (لکھنؤ) انیسہ صاحبہ (شور کوٹ) ت بیگم صاحبہ (بنگلور) کی بھی میں شکر گزار ہوں جنکی امداد و اعانت نے مجھے اپنے مقاصد میں کامیاب بنایا ان کے سوا میں ان ساری بہنوں اور محترم بھائیوں کی احسان مند ہوں جن کے گرانقدر مضامین آج "سفینہ" کی زینت کو بڑھا رہے ہیں یا جنہوں نے "سفینہ" کو کسی نہ کسی طرح سے امداد دی اللہ امید کرتی ہوں کہ ان کرم و محترم حضرات کے احسانات ہر وقت حقیر رسالہ کے شامل حال رہیں گے۔

بہت سارے مضامین یا دیر سے وصول ہونے کی وجہ یا عدم گنجائش کے سبب دفتر میں محفوظ ہیں ہاں اور جو بروقت وصول ہوئے وہ زیب دہ "سفینہ" ہیں۔ انشاء اللہ تعالی ایسے مضامین آئندہ نمبروں میں شایع کئے جائیں گے۔

میں پھر خدا کے قدیر سے دعا مانگتی ہوں کہ ؎

یارب ز تو یافت، صورت آب و گل من
الطاف تو شد، پناہ جان و دل من
آسانی کار از تو بود حاصل من
ہم از کرم تو حل شود مشکل من

اللہ پاک کرتی ہوں کے آپ سب خوشحال کر کا میابی کی راہ [illegible] آمین

[illegible]
صادقہ (مدیرہ)

سرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی ٭ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

بیسویں صدی عیسوی جہاں اپنی بعض ممتاز خصوصیات کے لحاظ سے تاریخی دنیا میں مشہور رہے گی وہاں ایک خاص امتیاز اسے یہ بھی حاصل ہوگا کہ آزادی کی کوشش بنی نوع انسان نے جس قدر اس صدی میں کی ہے اسقدر شاید کسی اور زمانہ میں نہ کی ہوگی۔ یہ کوشش جو پہلے زیادہ تر صنف غالب میں نظر آتی تھی اب طبقۂ اناث میں بھی پیدا ہوتی جا رہی ہے، فضائے عالم آزادی کی مسلسل صداؤں سے گونج رہی ہے۔ چنانچہ اس پیہم چیخ پکار نے وہ عالمگیر اور عام حیثیت اختیار کرلی ہے کہ اب تقریباً تمام انسانی کان اس لفظ سے کافی مانوس ہو گئے ہیں۔

ترکی، جرمنی، فرانس، ممالک متحدہ امریکہ وغیرہ ممالک میں جمہوریت کا قیام یا روس میں نام نہاد بولشویک طرز حکومت کی قبولیت عام اور حال ہی کا افغانستان کا شدید انقلاب، اور بیسیوں اسی قسم کے واقعات سب اس کے بیّن و کافی ثبوت ہیں لفظ آزادی کی برقی رو سے ہمارا ہندوستان بھی محفوظ نہیں رہا۔ یہ صرف نکتہ بین و اہل نظر ہی جان سکتے ہیں کہ ہندوستان کی یہ کشمکش جو قابل افسوس ہے امن عامہ کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے مختصر آزادی کا لفظ آج کل اس قدر معرض بحث و عمل میں ہے کہ اس کے سامنے دنیا کی اور تحریکات کا رنگ ماند پڑ گیا ہے۔

[illegible] کی مردوں اور عورتوں کو [illegible] بات نہیں غرض ہے [illegible] آزادی [illegible]
[illegible] حقوق [illegible] کا راگ الاپ رہا ہے۔

واضح رہے کہ میں اس وقت سیاسی آزادی سے بحث کر کے اپنے مضمون میں بحث اور
پیچیدگیاں پیدا کرنی نہیں چاہتی بلکہ آزادی کو زیادہ اس کے آسان مفہوم میں بیان
کرنا چاہتی ہوں۔ اور میرا روئے سخن بھی زیادہ تر میری ہی جنس کی جانب رہیگا اور یہی ایک
خاص وجہ ہے جو بیان کئے دیتی ہوں! ہندوستانی عورتوں کو بھی اب اپنے حقوق کا احساس پیدا
ہو گیا ہے۔ ہندو خواتین چاہتی ہیں کہ ان کی معاشرت و حقوق میں جو خامیاں رہ گئی ہیں ان کی تکمیل
کرالیں۔ مسلم خواتین کو کسی جدید قانون اور قاعدہ کی ضرورت نہیں اس لئے کہ قرآن شریف ان کی قانونی
کتاب تیرہ سو برس پہلے سے موجود ہے۔ مسلم خواتین کا تقاضا ہے کہ جو حقوق ان کو قرآن شریف نے
ابتدائے اسلام میں دئے تھے اور جنکو مسلم مردوں نے تحکمانہ انداز سے غصب کر لیا ہے ان کو پھر
از سر نو حاصل کریں وہ مردوں کے دوش بدوش کشمکش حیات میں حصہ لینے کے قابل ہو جائیں اور
قدرت کے وہ سرچشمہ ہائے فیوض جن سے اب تک مرد ہی مستفید ہوتے رہے ہیں اُن سے خود بھی
مستفید ہوں اور دوسروں کو بھی سیراب کریں۔ افسوس کہ آجکل کی مسلم خواتین نے ابھی اپنے مطالبات
و مطمح نظر میں کماحقہ کامیابی حاصل نہیں کی ہے اور نہ وسعت نظر سے مستفید ہوئی ہیں بلکہ یوں کہنا بیجا
نہ ہوگا کہ وہ ابھی بالکل راہ عمل پر گامزن نہیں ہوئیں نہ انھوں نے کوئی خاص مقصد یا ذریعہ اپنے
حقوق کا قرار دیا ہے ان کے لئے اب راستہ رہ گیا ہے، تو صرف یہی کہ جن جن طریقوں سے دوسری
قوموں نے آزادی حاصل کی ہے، اس طریقہ کو اندھا دھند وہ بھی اختیار کر لیں اور انھیں کے پیچھے چلی
جائیں یا اس قسم کی آزادی اور حقوق طلبی کی آوازیں بلند کریں جو ان کی ہمجنس بہنوں نے دوسرے
ممالک میں یا خود ان کے ملک میں بلند کی ہیں، حالانکہ انھیں اس تقلید کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔
ابھی چونکہ انہوں نے راہ عمل میں کوئی خاص قدم نہیں اٹھایا ہے۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ وہ آگے
قبل کسی خاص تقلید کو اپنا شعار بنائیں اور غلط آزادی کو حاصل کریں پہلے آزادی کے مفہوم کو
سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر آزادی کی تلاش میں روانہ ہوں، بجائے یوں سمجھے کہ اپنے کھوئے ہوئے حقوق کو
پھر حاصل کریں، ورنہ احتمال ہے کہ وہ بھی غلط راہ اختیار کر لیں اور بعد میں سوائے افسوس کے

کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے خط اتقدم ضروری ہے۔

دنیا میں وہ کون نادان انسان ہوگا جو آزادی جیسے شریف لفظ یا کیفیت کو برا کہے قدیم سے لیکر اب تک جتنے بھی بڑے بڑے عالم، مدبر، سیاست دان اور فلاسفر گزرے ہیں وہ سب آزادی کی تعریف میں رطب اللسان رہے ہیں۔ میں تو نہیں سمجھتی کہ کوئی بھی ذی عقل انسان ایسا ہوگا جو آزادی کو برا کہے ہاں! آزادی کا مفہوم کچھ اور قرار دیکر اس کو برا سمجھیں تو اور بات ہے یا افراط و تفریط کی رو سے اگر آزادی سے ہم کو بدظنی ہو تو یہ بھی اور چیز ہے لیکن اس سے ہم آزادی کو برا نہیں کہہ سکتے۔ جس طرح پانی کو، جو سرچشمۂ حیات ہے، اگر کوئی اپنی نادانی سے خود اس میں ڈوب کے تو ہم برا نہیں کہہ سکتے۔ یہ ایک قاعدہ ہے کہ دنیا کی ہر تحریک خواہ وہ بظاہر کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک روشن پہلو جس کا حصہ نمایاں ہوتا ہے اور دوسرا تاریک پہلو جس پر بادی النظر میں کم نظر پڑتی ہے۔

پانی کے ایک شفاف بہتے ہوئے آبشار یا چشمہ کی طرح جو گوناگوں باطنی اور ظاہری دل آویز یاں رکھتا ہے، مختلف کھیتوں، میدانوں، مرغزاروں، اور کوہساروں کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ فطرت کے سرمایہ میں اس کی وجہ سے ایک دلکش اضافہ اور رونق ہے، کہیں اپنی راہ کو مختلف مقامات میں طے کرنے کی وجہ سے اس کی تہ میں بعض خس و خاشاک کی قسم کی ایسی چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جنکو اگر غور سے دیکھا جائے تو نظر آتی ہیں مگر ان کی وجہ سے چشمہ کی روانی اور دلفریبی و خوش نمائی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بالکل یہی حال موجودہ دور کی ہر تحریک اور خصوصاً تحریک آزادی و ترقی کا ہے۔ اس کے مفید ہونے میں شک نہیں، اس کے محاسن میں کلام نہیں، اس کی بے اعتدالیوں پر گو نظر پڑتی ہے لیکن ان کی وجہ سے سرے سے آزادی و ترقی کو برا کہنا انصاف کا خون کرنا ہے، وہ اس طرح ہے جس طرح کہ چشمہ کی لطافتوں اور خوشنمائیوں سے انکار فطرت سے بیگانگی اور بد ذوقی کا پورا ثبوت ہے۔

آزادی کے لفظ نے ہماری سماعت کے ساتھ ایک مایوسانہ حیثیت اختیار کر لی ہے تاہم کسقدر حیرت کا مقام ہے کہ ابھی تک بہت کم لوگ آزادی کے صحیح مفہوم کو سمجھتے ہیں ان سمجھنے والوں کی اقلیت کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں "الشاذ کالمعدوم" کہا جا سکتا ہے۔ مذکورۂ بالا حقیقت کو نظر رکھتے ہوئے بعض متمدن ممالک نے گزشتہ نصف صدی کے عرصہ میں مسلسل کشمکش اور جد و جہد کے بعد

آزادی کا جو غلط رنگ اختیار کیا ہے وہ در اصل افراط و تفریط کی ایک نا خوشگوار مثال کہا جانے کا مستحق ہے، میدان عمل میں ان کی سرگرمیاں قابل تحسین ہیں لیکن ساتھ ہی ان کی غلط فہمی بھی قابل افسوس ضرور ہے۔ منجملہ اور کامیابیوں کے اس تحریک کو بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی وہ آدم اور حوا کے بیٹے بیٹیوں میں نفرت بغاوت اور دشمنی کے جذبات پھیلانے میں ہوئی (گو اس قسم کے جذبات آزادی کے شریفانہ مقاصد سے کچھ نسبت نہیں رکھتے) آپس میں لڑائی جھگڑا کر کے دونوں فریقوں نے جو طوفان بے تمیزی کا سا عالم پیدا کر رکھا ہے اس کی حقیقت کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں

اسباب و علل جو کچھ بھی ہوں مجھے اس سے بحث نہیں۔ ہر ایک فریق اپنی مظلومیت کی داستان اور غیر جنس کے کارہائے ظلم کو کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ یقین دلانیوالے پیرایہ میں بیان کرنے لگا۔ اور وہ دماغ جن کی باہمی صلح پسندی سے دنیا واقعی امن پسند انسانوں کے رہنے کی جگہ ہوتی عرصہ جنگ ہو کر رہ گئی۔ بیشتر دماغی قوتیں بجائے اس کے کہ مفید باتوں میں وقت صرف کرتیں جائز و ناجائز طریق سے اپنی غیر جنس کو زک دینے کی کوششوں میں صرف ہونے لگیں ع

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد، کا مضمون ہو گیا۔

معاف کیجئے اگر میں یہ کہوں کہ کیا حصول آزادی و حقوق طلبی کا یہی طریقہ رہ گیا ہے؟ کیا نیک اور جائز چیزوں کو شریف اور جائز طریقوں سے حاصل نہیں کر سکتے؟ "ٹھونسئے، نگلئے، زہر مار کیجئے، کھائیے، نوش کیجئے، تناول فرمائیے، ان میں سے آپ کو کن الفاظ کا استعمال پسند ہے آج کل جنس اور غیر جنس میں حقوق طلبی کی جنگ جاری ہے اس میں ٹھونسئے، نگلئے، کی قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، یہ خبر نہیں کہ جو کام نرمی سہولت اور اخلاق سے نکل سکتا ہے وہ سختی و بد اخلاقی سے ہرگز نہیں نکل سکتا

آزادی اور حقوق طلب کیجئے صبر و استقلال اور ہمت کے ساتھ۔ کیا اب تک یہ اوصاف ہندوستانی اور صرف ہندوستانی خواتین کے طرۂ امتیاز نہیں رہے؟ بیشک رہے اور رہیں گے۔ دنیا کی عورتوں کے علم و ہنر اور اوصاف کے مقابلہ میں ہندوستانی خواتین کے پاس صرف یہی مایۂ ناز جوہر ہیں ڈر ہے کہ یہ کہیں حقوق طلبی اور آزادی کے نذر نہ ہو جائیں! پھر ہمارے پاس کیا ہے؟ ثابت کیجئے کہ ہمارے پاس عزم راسخ، صبر مستحکم اور ہمت بلند کے ایسے پہاڑ ہیں جن کے لئے ہزار ہا فراہم کیا ہیں۔ ورنہ مجھے خوف ہے کہ اس طوفان بے تمیزی کے جھگڑے کو دیکھ کر کہیں اور ڈر اور نہ پیدا ہو جائے

جو ایک مکمل انسان بھیڑیوں اور درندوں کی اولاد ہے۔

آزادی کے غلط رنگ ڈھنگ کو دیکھ کر ہندوستان کے اکثر طبقوں کے افراد آزادی لفظ سے اسقدر بدظن ہو گئے ہیں کہ جہاں کہیں آزادی کا لفظ زبان پر آیا اور ان کے کان کھڑے ہوئے ان کے نزدیک یہ جملہ کہ "فلاں شخص آزادانہ زندگی بسر کرتا ہے" یا "فلاں عورت آزاد ہے یا آزادی کی طالب ہے" یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شخص عیش و عشرت اور راگ رنگ میں اپنا وقت صرف کرتا ہے سینما تھیٹر کا شائق ہے۔ مغربی تہذیب و معاشرت کا دلدادہ ہے فضول خرچ ہے وغیرہ وغیرہ غرض دنیا بھر کے عیب اس میں موجود ہیں خصوصاً جب کسی عورت کے متعلق آزادی کا لفظ استعمال میں آئے تو گویا یہ معنی ہوئے کہ وہ ایک ایسی ہستی ہے جو تمام مذموم خصائل اور معائب کا سرچشمہ خیال کیا جائے آزادی کے متعلق ایسے خیالات رکھنے والے لوگ ایک حد تک قابل معافی ہیں اس لئے کہ وہ آزادی کے مفہوم کو تو سمجھتے نہیں اور نہ ان کو یہ خبر ہے کہ احادیث اور قرآن شریف میں کیا لکھا ہے وہ آزادی کا غلط رنگ اور افراط و تفریط کی غلط قائم کردہ مثالیں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہی آزادی ہے۔ پھر وہ آزادی اور ترقی سے اس قدر متنفر ہو جاتے ہیں کہ نہ خود راہِ عمل پر گامزن ہوتے ہیں نہ اپنے زیر اثر دوسرے لوگوں کو کشمکش حیات میں قرار واقعی حصہ لینے دیتے ہیں ایک فریق نے آزادی طلب کی تو اسقدر! دوسرے نے نفرت ظاہر کی تو اس قدر ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا"

یہ ظاہر ہے کہ آزادی اور حقوق طلبی کی کوشش کسی کے روکے رکنے والی نہیں، کیونکہ قدیم سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ زمانہ کی رفتار اور رجحان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس طوفانی سمندر میں جہاں ہزارہا اچھی چیزیں نظر آئینگی وہاں چند ایک برائیاں بھی ضرور ہوں گی! کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے بلند مطمع نظر کی کشتی خود حفاظتی تدابیر سے اس قدر آراستہ ہو۔ تا مدوجزر ان کا کچھ نہ کر سکے اور نہ طوفانی سمندر۔ اچھی چیزوں کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے اور بری چیزوں سے پرہیز **خُذ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَر**۔ موافق و ناموافق موجوں کا استقلال سے مقابلہ کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ یہ زبردست سمندر اس مختصر و کمزور کشتی کو نیست و نابود کر دے اس لئے کہ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

جن لوگوں نے زیادہ سوچ بچار یا تبادلہ میں وقت برباد کیا وہ ابھی بیٹھا ہو [illegible]
[illegible] ہوں گے کیونکہ زمانہ کی ترقی کی رفتار کسی کا انتظار نہیں کرتی۔
زمانہ کا ساتھ کس طرح دینا چاہیئے؟ اور اس کے بُرے پہلوؤں سے کس طرح بچنا چاہیئے؟
اس کے لئے بھی آزادی کا مفہوم سمجھنے کی ازحد ضرورت ہے آزادی جس ارفع و اعلیٰ مقصد [illegible] کا
نام ہے وہ "مستغنی من التعریف" ہے۔ اس کے مقابلہ میں حد اعتدال سے تجاوز کی ہوئی
آزادی کو اصلی آزادی کا لقب دینا میرے نزدیک سراسر آزادی کے لفظ کی توہین کرنا ہے
روح و ضمیر کی آزادی دراصل سچی آزادی ہے اور یہ آزادی تمام شریفانہ جذبات انسانی کا جامع
برتاؤ اور عمل سکھانے کی محرک ہوتی ہے۔ شارع علیہ السلام روحی فداہ صلعم نے تیرہ سو برس پہلے اسی
حریت صادقہ کی تلقین فرمائی تھی جو متفرع ہے۔ آزادی عمل۔ آزادی ضمیر۔ آزادی رائے پر۔
اسی آزادی و حریت صادقہ کی (مع اس مذکورۂ بالا فروعات کے) اسلام نے سورۂ اخلاص۔
الناس۔ کافرون اور فلق میں تلقین فرمائی ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس کی تفسیر و معنی سمجھنے میں غور کیا
ہے؟ غالباً نہیں! کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حریت صادقہ کے حصول کے لئے آپ کی بیقرار و حیران آنکھیں
کسی مغربی خضر راہ کی کورانہ تقلید کو گوارا نہ کرتیں۔ نہ آپ کا "ع چلتے ہیں تھوڑی دور ہر ایک تیز
رو کے ساتھ" پر عمل ہوتا۔ اور نہ آپ اپنے راہبر سے عدم واقفیت کا اظہار کرتے۔
یقین جانئے کہ انسان جب حریت صادقہ کے حصول میں کامیاب ہو گیا (یعنی جب اس نے
آزادی ضمیر۔ آزادی عمل۔ آزادی رائے حاصل کر لی) تو یہ اس کو تمام جسمانی تکالیف کے احساس سے
بے پرواہ کر دے گی۔ بلکہ خود بخود جسمانی آزادی بھی حاصل ہو سکے گی۔ مشاہدہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ
آجکل لوگ جسمانی تکالیف نیز قیود و بندشوں سے اپنے آپ کو رہا کرانے میں ساعی ہیں اور اس طرح کی
کامیابی کو حصول آزادی سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ آزادی روح کے حصول کے مقابلہ میں جسمانی
آزادی کی مشتاقی کی ظاہر پرستی اور سطح نظری پر دلالت کرتی ہے۔
بیجا آزادی کی فضائے مہلک میں سانس لینے والے اس قدر حدود سے تجاوز کر گئے ہیں کہ وہ
[illegible] اصل اصول آزادی کی مخالف [illegible] آزادی کا [illegible]
[illegible]

خلق خدا سے علیحدہ کرکے جس کا دل کو نصیب نہیں۔ یہی مسرت کی خواہش جنہیں تمام عمر خود غرضی و چند روزہ
عیش کو خیرباد کہنے پر آمادہ کر دیتی ہے لیکن سچی مسرت کے حصول میں اعمال کو ان بعد الخضرتین کا
بالعموم ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف سچی مسرت ہی سے محروم رہتے ہیں بلکہ ان کے خود غرضانہ خیالات اور
عمل ان کو اطمینان قلب کے چند سانس بھی لینے نہیں دیتے۔

فطرت صحیحہ و اخلاق کے بموجب یہ امر مسلم ہے کہ ہر انسانی ہستی پر دو قسم کے فرائض یا حقوق
عائد ہیں جو حق اللہ اور حق العباد کے نام سے موسوم ہیں ان کی تکمیل اور تعمیل کے لئے خداوند کریم نے
انسان کی تخلیق کے بعد اس کو اشرف المخلوقات کا جیسا گرانقدر خطاب عطا فرمایا اور خلیفۃ فی الارض کر کے
وعدہ لیا اور تاکید کر دی کہ جسطرح اس بار امانت کو اٹھانے کے لئے اپنی نادانی سے آمادگی ظاہر کی ہی
اس وعدہ کی پابندی کرتے رہیو ورنہ ہماری زمین کے بجائے دوسری زمین ہمارے آسمان کے
بجائے دوسرا آسمان تلاش کر لیجیو۔ غرض آدم سے لیکر ایندم تک نہ معلوم سامان رسوائی اس حکم کی
پابندی میں سعی و کوشش کی جاتی رہی لیکن اس کی تکمیل کسی سے ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ مذکورہ
فرائض کی بجا آوری ہر ذی ہوش انسان کا فرض قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ بار علائق سے نجات حاصل
کرنے کی انسان لاکھ کوشش کرے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ ان سے نجات پائے اگر کسی شخص کو یہ
خیال ہو کر فرائض کی ادائیگی سے مخلصی اس کو اطمینان و سکون بخشیگی تو یہ محض اس کی غلط فہمی ہے جسقدر
انسان اپنے آپ کو کشمکش حیات کی لازمی کڑیاں انسانی ہمدردی اتحاد و اشتراک عمل " سے دور کرنے کی
کوشش کریگا اسی قدر وہ سچی مسرت اور حقیقی آزادی سے اپنے آپ کو بعید پائیگا۔ آج دنیا میں
معاشرت۔ اعلیٰ تہذیب اور تمدن کا جو صحیح معیار قائم ہے وہ درحقیقت حق اللہ اور حق العباد کی
وجہ سے ہے۔ جس قدر شوق فرض شناسی۔ انہماک۔ مستعدی۔ کے ساتھ انسان اپنے کو بالاغراض
(یعنی حق اللہ و حق العباد کو درجۂ تکمیل پر پہنچانے کی کوشش کریگا اسی قدر اپنے اعلیٰ اخلاق بے غرضانہ
جذبات اور پاکیزہ روح کے آزادی کی بنیادیں مستحکم ہوتی جائینگی اور اس کے آگے دینی و دنیوی
ترقی کی کشادہ شاہراہیں اور وسیع میدان اس کو اپنے آغوش میں لینے کے لئے تیار ہونگے۔ اسلامی
مساوات و خیال بے غرضی اور پاک جذبات ہر انسانی ہستی کا فطری حق ہیں اور جو حریت ملک
[illegible] جنکے قیام کا [illegible] ہند کے [illegible] کے مقابل اعمال [illegible]

Safina - i - Niswan.

حضرتہ دلہن شہزادی دردانہ بیگم صاحبہ
عروس والا شان حضرت ولیعہد بہادر (دولت آصفیہ)

ماہنامہ "سفینۂ نسواں" حیدرآباد دکن

(جس کو شائع کرنے کا فخر ہمارے ہندوستان میں صرف "سفینۂ ... [illegible]" حاصل ہے)
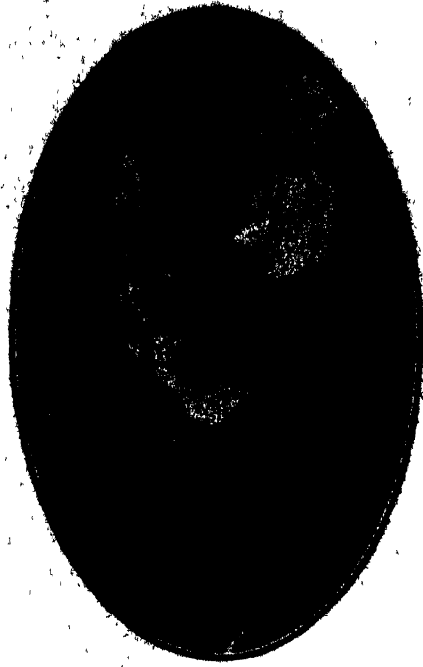
Safina - i - Niswan.

حضرتہ دلہن شہزادی دردانہ بیگم صاحبہ

عروس والا شان حضرت ولیعہد بہادر (دولت آصفیہ)

ماہ نامہ ,, سفینۂ ،، نسوان حیدرآباد دکن

(جس کے شایع کرنے کا فخر سارے ہندوستان میں صرف حقیر ,, سفینہ ،، کو حاصل ہے)

Safina - i - Niswan.

حضرتہ دلہن شہزادی فرحت بیگم صاحبہ

عروس والا شان حضرت معظم جاہ بہادر برادر حضرت ولیعہد بہادر

ماہ نامہ "سفینۂ نسواں" حیدرآباد دکن

Printed at the Hyderabad Printing Works

Safina - i - Niswan.

حضرت دلہن شہزادی فرحت بیگم صاحبہ

عروس والا شان حضرت معظم جاہ بہادر برادر حضرت ولیعہد بہادر

ماہ نامہ ،، سفینۂ نسواں ،، حیدرآباد دکن

ان کے حصول اور بقاء کی کوشش فرائض میں داخل ہیں۔ جس نے اپنے ان فرائض کی حفاظت نہ کی یا ان کی سرسبزی نشو و نما اور بقا سے غافل ہوا! کیا اس کا ضمیر اس کی غفلت پر ملامت نہیں کریگا؟ کریگا! اور ضرور کریگا!! علاوہ ازیں حریت صادقہ کی عمارت کیسے قایم رہ سکتی ہے جبکہ اس کی بنیادیں متزلزل ناقص اور کمزور ہوں! کیا فرزندان اسلام نے اپنی مقدس تعلیمات حریت۔ مساوات۔ حق اللہ اور حق العباد کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیوی و روحانی زندگی کی پر قوت و پر ہیبت ترقیوں سے سارے عالم کو متحیر نہیں کیا تھا؟ کیا اب از انجملہ چند اصولوں کے اتباع نے متمدن ممالک کو اپنی لا متناہی ترقیوں سے دنیا کو محو حیرت نہیں بنا رکھا ہے؟ یہ اور بات ہے کہ انھیں ممالک میں حد سے زیادہ آزادی کے جذبات کے غلط مفہوم نے مادیت و الحاد کو پھیلا دیا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو اپنی نظروں میں اس قدر آزاد سمجھنے اور بننے کی کوششوں کے باوجود یہ کہنے کی کون جرأت کر سکتا ہے کہ ان مادہ پرست لوگوں کے دل خلجان اور اضطراب سے خالی نہیں ہیں۔ اگر آزادی اور مادہ پرستی کا یہی رنگ رہا تو وہ دن یقیناً دور نہیں جب انھیں اپنی ناعاقبت اندیشی بیجا آزادی اور سرکشی پر کف افسوس ملنا پڑیگا۔ لیکن اب وہاں بھی بعض لوگوں کو اپنے افراط و تفریط کا احساس ہو چلا ہے اور وہ حقوق شناسی کو اختیار کر رہے ہیں آخر میں فتح حق کی ہی ہوتی ہے، جیسے کہ خود کلام پاک میں ارشاد ہے "جاء الحق وزھق الباطل کان زھوقا" انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب ساری دنیا اسلامی تعلیمات کی خوبیوں کی معترف ہو جائیگی اسوقت اسلام پکاریگا ؎

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں! آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

کس قدر تعجب ہے ان لوگوں پر جن کے آگے حق اللہ اور حق العباد اور ضروری فرائض کی تکمیل کے بجائے ان کی انجام دہی کی بھی مطلق پروا نہیں کرتے، جو اپنے بیش قیمت وقت کے نایاب خزانوں کو برباد کر دیتے ہیں حالانکہ اس کے صحیح مصرف پر قادر ہو سکتے ہیں کیا ان کے دل غلطیوں کے احساس سے یکسر خالی ہیں؟ وہ دوسروں کی مصیبت کے جگر خراش واقعات بے حس دل و دماغ سے اس انداز میں دیکھتے ہیں جیسے وہ چارلی چپلن یا ہیرلڈ لائڈ کا کوئی کھیل دیکھ رہے ہیں۔ آہ کیوں ان کے دل ہمدردی کے

جذبات سے معمور نہیں ہوتے اور وہ کیوں اپنی حاصل شدہ آزادی کو دوسروں کی فلاح کی تدابیر میں صرف نہیں کرتے آہ کیوں! وہ اپنے تفوق و عروج سے دوسروں کو فیض نہیں پہنچاتے! کیا انھیں خبر نہیں کہ ان فرایض کی انجام دہی کے بعد پروردگار کی سچی مسرت خوشنودی اور رضامندی ان کے انتظار میں کھڑی ہے یہ وہ سچی مسرت ہے جس کے حصول کی تمنا میں انسان اپنی عمر عزیز کی بیشتر گھڑیاں محض دل خوش کن امیدوں پر گزار دینا پسند کرتا ہے۔

وہ لوگ جو اپنے فرایض کو کماحقہ انجام دیتے ہیں جن کے دل انسانی ہمدردی و اتحاد کے صحیح جذبات سے معمور ہیں اور جو تمام محاسن اخلاق پر کاربند ہیں۔ اور اپنی جائز توتوں کو دوسروں کی فلاح و بہبود کی مساعی میں صرف کرتے ہیں۔ کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ کہ جن کے قلوب ایسی سچی مسرت کی لازوال دولت کے سرمایہ دار ہیں اور جن کے آگے وہ جھوٹی اور فانوس خیال مسرت جو کسی شخص کے ادائی فرض کے غفلت کرنے پر یا کسی خودغرضانہ فعل کے ارتکاب عمل پر حاصل ہو کیا حقیقت رکھتی ہے؟ اور زندگی کو کیسے شادکام کرسکتی ہے۔

میری بہنو! خدارا اپنے فرایض کو اس قدر پرخوف نظروں سے نہ دیکھو گویا کہ وہ طوق سلاسل کی طرح آپ کیلئے بارگراں ہیں۔ بلکہ آپ کے آگے فرایض کا پہاڑ بھی ہو تو خندہ پیشانی واطمینان و دلجمعی سے اس کی تکمیل میں منہمک ہو جاؤ اور اس کو اسیقدر دلچسپی سے دیکھو جیسے کہ خوشگوار موسم بہار کی ایک تروتازہ شگفتہ صبح کو کسی پُرفضا وادی میں آپ دور سے طلوع آفتاب کا نظارہ کررہی ہیں!

اے آزادی مطلق کی خوشگوار پرامن فضا کے متلاشی انسانو! اگر آزادی کی تمنا ہو تو پہلے اپنی روح اور ضمیر کی آزادی و پاکیزگی کی کوشش کرو کہ اس میں آزادی کا راز مضمر ہے آزادی طلب کرو لیکن اس حد تک نہیں جو سب پر حکمران زبردست قوت کی غیر معلوم طاقتوں اور برتراز فہم تفوق و برتری کے اقرار و احساس کو تمھارے دل سے فراموش کردے اور اس کے احکام کی بجاآوری کو خلاف شان اور اپنی آزادی کے اصول کی خلاف ورزی خیال کرنے لگو (اللّٰہم حفظنا) اس کی لازوال قوتوں کے اعتراف میں اپنے سرنیاز کو اس کے سامنے جھکادو.............

سپرد بسجدہ....... اپنے آپ کو مجبور و معذور و مقید و پابند سمجھو یہی محکومیت تمھاری حریت صادقہ کی سربلند نشانی ہوگی سے

کہ کرد قطع علایق کدام شد آزاد ٭ بریدہ زہمہ با خدا گرفتار است ٭

رُباعیات

حضرت مرزا یاس یگانہ

(۱)

مردوں کو یہ دنیائے دنی کیا کھلتی؟
سر پھوڑ کے چلے، کوہکنی کیا چلتی؟
معلوم ہے فرہاد پہ جو کچھ گزری
ٹل جائے قیامت، پہ تلی کیا ٹلتی؟

(۲)

کس دھن میں یہ کوہکن نے تیشہ باندھا
سر پھوڑ کے خود موت کا آگا باندھا
قدموں سے لپٹ گئی حیات ابدی
کیا عشق کے سر اجل نے سہرا باندھا!

(۳)

دیوانے ترے پہاڑ اوجھل بیٹھے
جنگل میں بہار ہے، ہیں مشکل بیٹھے
کعبے میں ہے شیخ، تلملاتا کھسکتا
دیکھیں تو یہی، یہ اونٹ کس کل بیٹھے

(۴)

ہے اور بھی ایک راہ مذہب کے سوا
منطق کے سوا، علم مذہب کے سوا
بازآ گئے منزل سے، کہاں کی منزل!
مطلب نہیں کوئی ترک مطلب کے سوا!

شاعری

مولانا مولوی سید احمد حسین صاحب امجد

نغمے کا ہے شوق، لحن داؤد نہیں — اس طرز میں حمد کی کہ محمود نہیں
لازم ہے کہ آہ بھی جگر سے نکلے — اک واہ ہی شاعری کا مقصود نہیں

کس کام کا وہ رنگ نہ ہو بو جس میں — بے معنی ہے وہ بیں کہ نہ ہو تو جس میں
جس مے میں نشہ نہیں وہ مے کیونکر ہو — جب راگ ہی قائم نہیں لے کیونکر ہو
وہ علم ہی کیا، کہ جس میں عرفاں نہ ہو — عرفان وہ کیا، کہ جس میں ایمان نہ ہو
ایمان وہ کیا، نہ ہو محبت جس میں — الفت ہی کیا، نہ ہو صداقت جس میں
وہ شعر ہی کیا، کہ جس میں جذبات نہ ہو — وہ پیر ہی کیا جس میں کرامات نہ ہو

الحق، کہ سخن کی جان ہے سوز نہاں — جب عشق نہیں، تو حسن میں حسن کہاں
ہر چند عوام، شاعری کہتے ہیں۔ — ہم تو اسے عین ساحری کہتے ہیں
ہاں، ہوش ربا ہے اولوالالباب پہ شعر — عرفاں ستار ہے تو مضراب ہے شعر

ہر مرتبہ آئینہ دل دھلتا ہے۔ — کانٹا کانٹا نگاہ میں تلتا ہے۔
میں شاعری کو مراقبہ کیوں نہ کہوں؟ — ہر فکر میں، باب معرفت کھلتا ہے

شاعر، اسرار خلق سے ماہر ہے — جو عارفِ کامل ہے وہی شاعر ہے

شاعر کی صدا ہے رہنما کی آواز
اس حلق سے آتی ہے خدا کی آواز
ہر بزم طرب کی ہائے ہو، شعر سے ہے
موسیقی کی ساری آبرو، شعر سے ہے
ہے حسن کی ساری زندگانی اس سے
ہے عشق کی نبض میں روانی اس سے
تسخیر ہے، سحر ہے، کہ اعجاز ہے شعر؟
ہے نغمۂ کن جس میں، یہ وہ ساز ہے شعر
حالِ دلِ صوفیاں سنوارا اس نے
اجمیر میں، زندہ دل کو مارا اس نے

امجد! جب تک نہ ہو طبیعت حاضر
ہوتی نہیں شاعری، کسی کی خاطر
کیوں فن لطیف کی تباہی کیجے۔
کیا ظلم ہوا، کہ واد خواہی کیجے۔

کیا فکر ہے کوئی قدر داں ہو کہ نہ ہو
جھوٹی دنیا میں عز و شاں ہو کہ نہ ہو
اللہ، مسرتِ حقیقی دیدے
ہم زندہ رہیں، نام و نشاں ہو کہ نہ ہو

معذرت

"ادارہ" کو افسوس ہے کہ وقت کی تنگی نے انھیں حسب دلخواہ کتابت وطباعت میں جدتیں پیدا کرنیکا موقع نہ دیا، اور نہ ہی زیر نظر نمبر میں کوئی ایسی خاص دلچسپی و دلکشی پیدا کی جاسکی۔ کوشش کیجائے گی کہ آیندہ ہر نمبر اپنی بعض نئی اور ممتاز خصوصیات کا حامل رہے۔

یہ فخر حقیر "سفینہ" کے لئے کچھ کم نہیں کہ اس میں ہر ہائینس دلہن شہزادی حضرت درِ دانہ بیگم صاحبہ کی وہ فوٹو شایع کی جا رہی ہے جو خاص طور پر مصر سے حاصل کی گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ بھی تصاویر کے سلسلہ میں "آرٹ" کے بہترین اور نایاب نمونے پیش کئے جا سکینگے عدم گنجایش کی وجہ بعض اہم عنوانات بھی اس نمبر میں شریک نہو سکے جسکی تلافی آیندہ ہوگی خصوصًا دوسرے نمبر میں ایک تحقیقی تاریخی مقالہ زیر عنوان "سلسلہ مشاہیرات اسلام" (فیمس اومن آف اسلام) پیش کیا جائیگا، جو جناب عبدالحمید حسن صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی۔ (علیگ) کی تحقیقات اور زور قلم کا نتیجہ ہے۔ بہرحال "سفینہ" ہر ممکنہ کوشش کریگا کہ وہ ملک کے بعض ممتاز رسائل کے قدم بقدم چلے بشرطیکہ ملکی خواتین اور ہمدرد حضرات کی اعانت اس نونہال کے شامل حال رہے۔ ("ادارہ")

بیکاری کا مشغلہ (از) محترمہ "ج" نقوی صاحبہ (عثمانیہ)

پاتے نہیں جب راہ۔ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
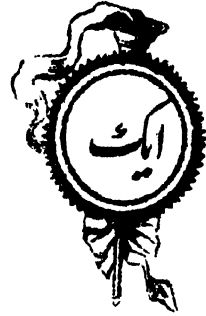
ضرب المثل ہے، "مرد بیکار یا شود دزد یا شود بیمار"۔ کاہل الوجود ہونا بھی کیسی پھٹکار ہے! توبہ۔ خدا اس سے پناہ میں رکھے۔ !!

غور کرکے دیکھا جائے، اگر غور کرنیکا موقع ملے، وہ بھی کب؟ بھری شام کے وقت، بوڑھے بڑوں کے نکتہ نظر سے، جبکہ چلتا پانی بھی ٹھہر جاتا ہے۔ اسی وقت انسان غور کرے، تو دنیا کے لاینحل مسائل سب حل ہوجائیں۔ زندگی خود ایک مجموعہ ہے، لامتناہی مصروفیتوں کا۔ مگر۔

خداوندا۔! وہ کون ہوتے ہوں گے، جنھیں اس بحر ناپیدا کنار (دنیا) میں فرصت و اطمینان کے بھی چند لمحے ملجاتے ہوں!! یا جنھیں واقعی اتنا وقت ملتا ہے کہ وہ بیکار اپنی فرصت کو واہی تباہی بکواس میں ضائع کریں! اگرچہ اس کا نتیجہ بربادی عالم پر ہی کیوں نہ مبنی ہو۔ کون و مکان تہ و بالا ہی کیوں نہ ہوجائے۔ مثال کے طور پر کسی کی غیبت، ایک قسم سے اخلاقی جرم، اب اس کی تمہید سے لیکر اس کے خاتمہ تک درمیان میں کتنی کڑی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ ایک سچ تو چار جھوٹ، غرض جسکی غیبت

کی جاتی ہے اس کو خوب ہی نشانِ ملامت بنا کر ٹھنڈا پانی پی لیا جاتا ہے، ہاں۔ اس کا اندازہ تو کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں، جنھیں اس علت کا تجربہ ہے، جو اس مرض کے دائم المریض ہیں، جنھیں اسکا چسکا کچھ ایسا لگا ہے کہ ہزار کچھ کرو نہیں چھٹتا۔ اور قریب قریب جن کا عارضہ لاعلاج ہو چکا ہے!!

"نہ دیکھو۔ نہ دکھاؤ۔ نہ سنو۔ نہ سناؤ" کسی فلسفی کا قول ہے کہ زندگی نفی کی ان چار زنجیروں میں مقید ہے!!

ابھی میں رسالہ ہمایوں دیکھ رہی تھی۔ اس میں "والٹیر پر ایک نظر" کے عنوان سے جو مضمون زیب قرطاس ہے، اسکو میرے نفس مضمون سے بہت کچھ تعلق ہے، مثلاً اس کے کہیں یہ فقرے، والٹیر کہا کرتا تھا "مصروف نہ ہونا یا زندہ نہ رہنا دونوں برابر ہیں" "سب لوگ نیک ہیں سوائے ان کے جو بیکار ہیں" اس دنیا میں زندگی کو قابل برداشت بنانے کے لئے لازم ہے کہ انسان جہانتک ہو سکے کام میں مصروف رہے" میری عمر جتنی بڑھتی جاتی ہے۔ مجھے کام کی اہمیت اتنی ہی زیادہ معلوم ہوتی ہے، اگر تم خودکشی سے بچنا چاہتے ہو تو ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہو"

کیا غضب کے جملے ہیں۔ واقعہ ہے کہ بعض حادثات دنیوی انسان کو ایسے درپیش ہوتے ہیں کہ اگر خودکشی حرام موت نہ ہوتی۔ تو ابتک کئی غمزدہ بدقسمت مظلوم ہستیاں خود کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں اپنی نجات سمجھتیں! "ماضی" کی یاد، مستقبل کی دُھن اور زمانۂ حال کی الجھنیں، کیا کسی کو زندگی سے افسردہ نہیں تو خوش بھی رکھ سکتی ہیں؟ والٹیر کا یہ فقرہ کہ وہ خود کو خودکشی کے جذبے سے روکنے کے لئے کام میں زیادہ مصروف رکھتا تھا۔ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

گھر کی جملہ مختلف مصروفیتوں میں سے جو وقت بھی ملے کیا اچھا ہو کہ ہم اس کو تلاوت کلام مجید میں صرف کریں۔ کیا اس سے بہتر اور مقدس ترین مشغلہ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ اس کا عمیق مطالعہ ہم کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دے۔ کلام مجید مع تفسیر و معنی جو پڑھتے ہیں وہ بخوبی میرے کلام کی تائید کرینگے۔ اگرچہ میں گنہگار خود اس کی پابند نہیں، لیکن مجھے جو اس کی ترغیب دیتے ہیں، میرا فرض ہے کہ ایک نیک کام کی اشاعت کروں، خواہ خود اس سے محروم ہی کیوں نہ رہوں۔ لیکن۔ ہم کو تو مخرب الاخلاق ناول پڑھنے میں لطف آتا ہے، سینما اور تھیٹر کا جنون جب ہوا تو ہر تبدیلی فلم کے اشتہار پر نظر رہی، صبح ہوئی پیٹ کا دھندا شروع ہوا۔ کسی نہ کسی طرح اس دوزخ کو بھر لیا۔ اچھے سے اچھا پہننے کی

تمنا سایہ کیطرح ہمیشہ ساتھ رہی، سیر و تفریح کے خبط نے گوشہ نشینی سے بیزار کر دیا۔ مہمانی و میزبانی کے لین دین، اس سلسلہ کے خلق و مروت نے زندگی کا رہا سہا نصف حصہ بھی اپنی طرف کر لیا۔ خواب غفلت میں رات کاٹی۔ پھر صبح ہوئی۔ وہی آموختہ وہی رٹ ع

عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے !!

ہم کو عبادت کے کل پانچ وقت ملے ہیں۔ لیکن دنیوی ہنجار سے ہمیں اس کی کہاں فرصت کہ ۲۴ گھنٹوں میں سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ہی اس فرض کی انجام دہی کے لئے وقف کر دیں باقی دنیا کے یوں تو سب کام نہایت پابندی سے انجام پاتے ہیں۔ ورنہ شان میں فرق آجائے، رسوائی ہو جگ ہنسائی ہو، لوگ نام رکھینگے، عوام الناس میں جاہل و بے علم، "ایٹی کیٹ" سے ناآشنا ٹھیرینگے۔ کوئی کہیگا، ان کے گھر کا انتظام اچھا نہیں۔ کھانا وقت پر اور خاطر خواہ نہ ملے تو گھر کی بیوی پھوہڑ اور بدسلیقہ کہلائیں۔ وہ وہ صلواتیں نہیں کہ باواجنم میں بھی کبھی نہ سنی ہونگی۔ گھر کے نظام العمل میں کوئی فرق آگیا تو فیشن کا ستیاناس ہوگیا۔ ادھر فیشن کا کیا ناس ہوا کہ اپنی دانست میں نامۂ اعمال ہی سیاہ ہوگیا۔ دوست احباب میں منھ دکھانے کی صورت نہ رہی۔ ناک کٹ گئی۔ گھر کی بیوی سے صاف کہدیا۔ "کاش تم تھوڑی تعلیم یافتہ ہوتیں۔ مجھے آج یہ رونا ہی کاہیکو ہوتا۔ دوست احباب سے خجل و شرمندہ ہوں اب ان کو کیا صورت بتاؤں۔ میری ولایت کی تعلیم پر نام رکھینگے۔ نئی روشنی کا ہوتے ہوئے دقیانوسی کھوسٹ گنوار کہلاؤں گا۔ یہ سب تمہارے نامۂ اعمال میں۔" بیگم صاحبہ اگر خوبیٔ قسمت سے تھوڑی بہت تعلیم یافتہ ملیں تو پھر اُن کی اور گت بنی........

....

"تمہارے والدین نے جو پیسے تمہاری تعلیم میں صرف کئے۔ کاش وہ رقم خیرات کر دیتے۔ یا کسی کار خیر میں صرف کرتے۔ ہم خرما و ہم ثواب کا درجہ پاتے۔ بیکار۔ فضول۔ عبث، غرض۔ محنت، کاوش، پیسہ۔ تم نے سب پر اوس ڈالدی" ؎

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں۔

بیگم صاحبہ کا یہ حال کہ جو وقت ملا۔ یا فیشن پرستی کے نذر کر دیا۔ یا پڑے پڑے گذار دیا۔ شوہر کی باتوں کا جواب ملا۔ "تو یہ ملا" اچھا ہے کہتے جائیے ورنہ ذہن کند ہو جائیگا۔ آپ کا دماغ تو

بلا کا زرخیز ہے۔ کیا نئی نئی باتیں اس میں نشو و نما پاتی ہیں کہ اے واہ سبحان اللہ۔" اور بے غیرتی کو سر دے کر کریٹیکا کرتی رہیں۔

پہلے زمانہ میں مستورات، ہم سے زیادہ مصروف رہتی تھیں، جملہ امور خانگی تو ایک طرف، چکی پیسنا تک عیب نہ سمجھا جاتا تھا، خود خاتون جنت دختر سرور دو عالم کا یہی محبوب ترین مشغلہ تھا، جبھی تو پہلے زمانہ میں عمریں بھی زیادہ ہوتی تھیں، اس لئے تو وہ عمر طبعی کو پہنچکر مرنا بھی نہ چاہتی تھیں، خودکشی تو درکنار۔! اُس زمانہ میں نہ عارضے تھے نہ یہ بیماریاں، جو آجکل ہم کاہل الوجود ہستیوں کو لاحق ہو کر ہماری زندگی کا قبل از وقت خاتمہ کر رہی ہیں۔ ہماری صحت و تندرستی کی یہ حالت کہ ایک سے دوسرا کام ہم سے ہوتا نہیں۔ بڑی مشکل سے کچھ ہوا بھی تو وہ ادھورا۔ اس کے بعد کے حملے پھر معلوم! کبھی اعضا شکنی ہے، تو کبھی دردسر، جہیز میں جو الماری والدین نے کتابیں رکھنے دی تھی، وہ دواؤں کی بوتلوں سے عطار کا قرابہ بن گئی ہے۔ کبھی بھوک غائب، کبھی پیاس کی شدت، یہ ہے ہماری تندرستی کا نشیب و فراز۔ پھر زمانہ تعلیم یافتہ ہے۔ اور تعلیم کی ابجد سے مولوی صاحب پڑھاتے ہیں، افیم کی پینک ہی میں سہی "ہاں بابا پڑھو آج کا کام کل پر نہ ڈال" مگر پڑھکر بھولنا یاد رہا۔!

وہ واقعات جو آئے دن خود ہم پر گذرتے جاتے ہیں، اپنا ایک خاموش اثر دل پر چھوڑتے رہتے ہیں۔ کسی کا یہ کیا اچھا فقرہ ہے:۔

"یوں تو پڑھنے کو مختلف سکولوں میں تعلیم پائی۔ لیکن میں نے مکتب زندگی سے بہتر اور پیچیدہ سکول نہیں دیکھا۔" اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی انسان سیکھتا ہے اسی بے مثل مدرسہ سے سیکھتا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں میں اکثر کا یہی حال ہے کہ وہ سکولوں اور کالجوں سے زیادہ معلم زمانہ کے شاگرد رہے۔ ورنہ کیا معنی۔ کہ ایک انسان۔ بی۔اے اور ایم۔اے ہو جاتا ہے جس میں ابتدا سے لیکر انتہا تک اچھی سی اچھی باتوں، صبر و رضا کی پابندیوں، خلق و مروت، غرض سب خوبیاں ہی سکھلائی جاتی ہیں۔ لیکن اسپر بھی ماحول کا اثر اس کو بعض اوقات ایک جاہل کے مساوی ثابت کر دیتا ہے۔ بعض صورتیں ایسی در پیش آتی ہیں کہ ایک کم عقل و جاہل انسان اس کو صبر و رضا کی تلقین کرتا ہے۔

بہر صورت ہ

اے فلک سامان محشر ہی سہی۔
اپنی آنکھوں کو تماشہ چاہئے!!

ٹھہرے پانی کی سی یکساں زندگی اچھی نہیں، نہ اس میں کوئی شعریت ہے، نہ لچک، نہ ہلچل زندگی میں نقل و حرکت زندگی کو زندہ رکھتے ہیں۔ میری یہ ہذیاں سرائی بھی میری بیکاری کا ایک مشغلہ ہے۔

رُباعیات

حضرت شبیر حسن خانصاحب جوش

پامال غم انسان ہوا جاتا ہے
بیچارہ پریشان ہوا جاتا ہے
گھٹتا ہے تو تا ہے فرشتوں کا جمود
بڑھتا ہے تو شیطان ہوا جاتا ہے

ہشیار اگر ہوں سحر شناس اے ساقی
ہاں بادۂ تلخ بے قیاس اے ساقی
یہ وقت ہے جب [illegible] عروس نو ہے
ہلکی سی اتر لی ہے مٹھاس اے ساقی
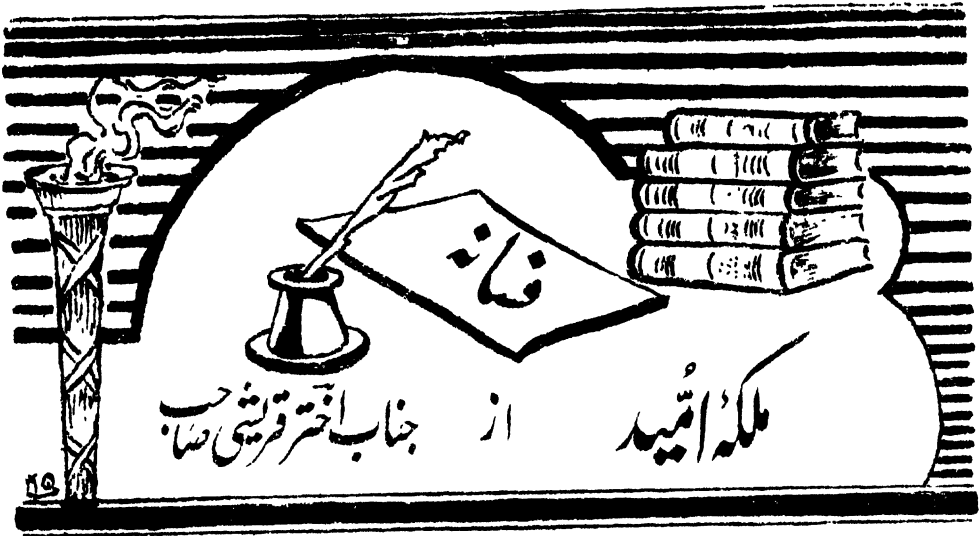
ایسی فریاد سے خاموش ہی رہنا اچھا
ہاں دکھائے کوئی تاثیر تو فریاد بھی ہے

کرسی پر

بیٹھے ہوئے عالم تنہائی میں ایک آہ سرد کے ساتھ ذکیہ نے اس شعر کو ایسی درد بھری آواز میں پڑھا، جس سے اُس کے سوز باطنی کا اظہار اور جذبات دلی کا انکشاف ہو رہا تھا۔

ذکیہ ایک متوسط گھرانے کی حسین اور تعلیم یافتہ لڑکی تھی، اس کو والدین کی خوشی سمجھئے یا ذکیہ کی بربادی کا سامان، کہ اُس کی نسبت ابھی جبکہ وہ بہت ہی کمسن تھی، شہر کے ایک ملک التجار کے لڑکے رشید سے ہو گئی تھی۔ ذکیہ کے والدین چونکہ تعلیم نسواں کے حامی تھے اس لئے اس کو حصول علم میں کافی موقع ملا، یہانتک کہ وہ میٹرکیولیشن کا امتحان حال ہی میں کامیاب کر چکی تھی، رشید کے والد حمید کی آنکھوں میں جو پرانی طرز اور قدیم رسم و رواج کے سختی سے پابند تھے، ذکیہ کی تعلیم خار بنکر کھٹکنے لگی، جب اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے اُس کے والد کو شادی جلد سے جلد رچانے کے لئے تنگ کرنا شروع کیا۔

ذکیہ کے والدین اس کو ہرگز گوارا نا کرتے کہ لڑکی کی تعلیم کو روک کر یوں اور اس قدر جلد اُس کو ایک ایسے منجھلے میں دھکیل دیا جائے جس کا نام "شادی" ہے، اگر بچپن کی قرار پائی ہوئی نسبت اور مال اور زر

کی لالچ نہ ہوتی۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ اُن کا ہونیوالا داماد یعنی رشید نہ صرف جاہل اور ان پڑھ بلکہ بلا کا عیاش ہے۔ مگر رسم ورواج کی پابندی، مال وزر، اور نام آوری کی تمنا نے انھیں اس کی مطلق پروا نہ کرنے دیا۔ اور وہ کچھ ایسی مجبوری کے ساتھ جس میں خود ان کی بھی خوشی شامل تھی، ذکیہ کو تعلیم کے ترک کرنے پر مجبور کرنے لگے نہ صرف یہی بلکہ شادی کے انتظامات بھی نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ شروع کر دئے گئے۔

ذکیہ چونکہ گھر میں رہتی تھی، اس لئے یہ غیر ممکن تھا کہ وہ اپنی بربادی کے اسباب کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی۔ اُس کو اس کا بھی بخوبی علم تھا کہ مستقبل قریب میں اُس کو ایک ایسے گھر سے پالا پڑے گا جہاں کے در و دیوار جہالت، عیاشی، اور اوباشی سے معمور ہوں گے وہ تعلیم یافتہ تھی اور اس بات سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا، جب وہ یہ خیال کرتی کہ ایک جاہل، ان پڑھ، اور عیاش طبع آدمی سے اسکو سابقہ پڑیگا۔ یہ ذکیہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ ہندوستان جیسی سرزمین میں پیدا ہوئی تھی، جس کی گردن میں طوق غلامی کے علاوہ فضول رسم ورواج اور لغو اعتقادات کا پھندا پڑا ہوا ہے۔ یہ اُس کے بس میں نہ تھا کہ وہ اپنی آیندہ کی بربادی کے اسباب کو مٹاتی اور اس نسبت کے خلاف اپنی خواہش کا اظہار کرتی۔

ایسی مجبوری کی حالت میں جبکہ وہ رسومات کی بھینٹ اور زر پرستیوں کی شکار ہونے والی تھی اُس کو جمیل کی یاد اکثر ستاتی، جو اُس کا ماموں زاد بھائی اور ایک تعلیم یافتہ لڑکا تھا۔ جب سے ذکیہ نے ہوش سنبھالا، اسوقت سے ہی وہ اُس کی شرافت کی قائل اور قبول صورت کی پرستار بن گئی۔ اکثر علمی مباحثوں اور تنہائیوں کی باہمی ملاقاتیں اور رشید کی جہالت وعیاشی کے تذکرے، جمیل کے بارے میں ذکیہ کو اس حد تک پہونچا چکے تھے جس کا نام عشق حقیقی ہے، یہ وہ مقام تھا جہاں پہنچ جانے کے بعد سوائے قدرت کے، دنیا کی زبردست سے زبردست طاقت بھی طالب کو مطلوب سے جدا اور عاشق کو معشوق سے علٰحدہ نہیں کر سکتی،

ذکیہ دن رات اُس کو یاد کرتی، اور موجودہ شادی کے انتظامات کو دیکھ کر آپ ہی آپ کڑھتی خصوصاً اس موقع پر جمیل کی غیر موجودگی جبکہ وہ بغرض تکمیل تعلیم یورپ گیا ہوا تھا اس کے لئے سوہان روح ثابت ہو رہی تھی۔

گرمی کا موسم تھا، دن بھر دہوپ کی تیزی اور گرمی کی شدت نے جان پر بنا دی تھی، جیسے ہی آفتاب غروب ہوا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہوئیں۔

ذکیہ تمام دن گھر کے کاروبار میں لگی رہی، رات کے کوئی دس بجے ہوں گے جب اس کو کام کاج سے فرصت ملی کچھ تو گرمی کی وجہ اور کچھ چاندنی کا لطف اٹھانے کے لئے وہ اپنے گھر کے صحن میں کرسی بچھا کر بیٹھ گئی، چاندنی کا پر فریب منظر تھوڑی دیر تو اس کو اپنی جانب مائل رکھا۔ جب وہ اس سے اکتا گئی تو ایک کتاب لے بیٹھی، افکارات کا ہجوم خیالات کا اژدہام اور مستقبل کی تاریکیوں نے اس کو کہیں چین لینے نہ دیا بظاہر کتاب اس کے آگے کھلی تھی لیکن وہ کچھ ایسی الجھنوں میں پھنسی تھی کہ اب کتاب کا مطالعہ بھی اس کو شاق گزرنے لگا۔ اسی کشمکش میں اس کی آنکھ لگ گئی، الفت و محبت اور نفرت و حقارت کے بیسیوں جذبات کچھ اس درجہ اس کے دل و دماغ پر غالب آگئے تھے کہ عدم بیداری کے عالم میں بھی وہ ان سے خالی الذہن نہ رہ سکی،......

(۳)

مقررہ تاریخ پر شادی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ختم ہوئی، جس سے ذکیہ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

"شادی" کے لفظی معنی ہیں "خوشی" کے۔ خوشی یہ نہیں کہ دونوں جانب مسلسل دو تین ہفتے محض فضول اور بیکار رسومات میں ختم کر دئے جائیں جس میں عزیز و اقارب اور جان پہچان والے ناچ و رنگ میں شرکت کر کے ہنس بول لیں اور پھر ایک مقررہ دن دو اجنبیوں کو ایک جا کر کے انھیں اپنی قسمت پر چھوڑ دیں، چاہے بعد میں کچھ ہی کیوں نہو، دونوں اپنی زندگیوں کو الفت و محبت میں گذار دیں یا نفرت و عداوت میں، دونوں کا مستقبل تاریک ہو یا روشن، دونوں اپنی زندگی کے نئے دور میں خوش حال رہیں یا سوگوار!!

لڑکی کے والدین کی "شادی" اسی میں ہے (لڑکی کے والدین کے حق میں شادی اسی کا نام ہے) کہ وہ اپنے سر سے بُرے ہو کر بھلے ایک بوجھ اتار دیں، چاہے وہ گڑھے میں گرے یا تاریک کنویں میں انھیں اس کی کوئی پروا نہیں بعد شادی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض نہایت عمدگی اور دیانت داری سے ادا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انھیں اپنے فرض کا احساس نہیں، تو دیانت داری کو کیا خاک کام میں لائینگے۔ بالا دستور کے مطابق لڑکی کا بیاہ دینا ضروری ہے اور یہی فرض ان کے پیش نظر رہتا ہے جسکو وہ شادی کے نام سے موسوم کر کے خود شادیانے اور لڑکی کو آنکھیں بند کئے ہنسی خوشی کسی اچھے کنوئیں میں ڈھکیل دیتے ہیں، تاکہ وہ زندگی میں تلخی موت کا مزہ چکھے۔

لڑکے والوں کی شادی بھی قریب قریب ہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ لڑکی والے آنکھ بند کئے لڑکی کو دھکیل دیتے ہیں اور یہ جفا و جور اور ظلم و ستم کا جال لگائے اس غریب لڑکی کو جھیلتے ہیں تاکہ اس کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بنائیں۔

وہ کان جو آئے دن ایسے غمناک واقعات کو جن میں ایک صد ہزار آرزوؤں اور سینکڑوں ارمانوں کا بنا بنایا گھر، دو اجنبیوں کا باہم متحد نہ ہونے کی وجہ اُجڑنا، سن چکے ہیں، وہ آنکھیں جو ایسے ایک دو نہیں بیسیوں اور ہزاروں المناک واقعات کو دیکھ چکی ہیں۔ وہ دل جس میں ایسے درد بھرے افسانوں کے سننے اور روزانہ مشاہدہ کرنے سے ایک قسم کا درد پیدا ہوگیا ہے، اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں کرسکتا کہ "شادی نام ہے دو روحوں کے آپس میں متحد ہونے کا دو غیر مانوس طبیعتوں کے باہم متصل ہونے کا دو الگ الگ فطرتوں کے ایک دوسرے میں مل جانے کا، اور دو قالب کے ایک جان میں سما جانے کا" اسطرح کہ دونوں کا امتیاز شخصیت درمیان میں حائل نہ ہو اور دو ملکر آپس میں ایک ہو جائیں، جن کا جدا کرنا ایسے ہی دشوار ہو جائے جیسے چاند سے چاندنی، سورج سے روشنی، بجلی سے چمک، اور ہیرے سے دمک کا، یہ ہے شادی، اور اسی کو ہم نہ صرف ہم بلکہ ہر وہ شخص جو عقل سلیم کا مالک ہے، یہی کہیگا کہ حقیقت میں شادی یہی ہے جس میں حقیقی مسرت نہاں اور دائمی خوشی پوشیدہ ہے آج ہمارے شادی شدہ گھرانے کتنی ایسی مثالیں پیش کرسکتے ہیں جن میں ایسا اتفاق، ایسا اتحاد، ایسا اتصال، اور ایسا ملاپ ہو شاید اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرتا ہو نوے فیصد اس حقیقی مسرت اور دائمی شادی سے کوسوں دور اور میلوں پرے پڑے ہیں۔ یہ سب ہندوستانی والدین کی زرپرستیوں، رسومات اور اعتقادات کی بیجا پابندیوں، اور نام آوری کی فضول خواہشوں کا، جسکا مہلک اثر آئندہ نسل پر بغیر پڑے نہ رہیگا۔

ذکیہ جیسے ہی اپنے سسرال پہنچی، ساس نندوں نے چھوٹے بڑوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اسکو کوئی سر پر بٹھاتا تھا اور کوئی آنکھوں پر چلاتا، کوئی نثار جاتا تھا اور کوئی قربان۔ غریب ذکیہ اس عارضی اور دو روزہ اظہار محبت کو دیکھ کر اور دائمی تصور کرکے بیحد مسرور ہوئی اسے اس کی کیا خبر تھی کہ یہی محبت عداوت سے اور یہی الفت نفرت سے بہت جلد بدل جائے گی، اُسے اس کا مطلق علم نہ تھا کہ یہ چند روزہ سلوک اور یہ عارضی محبت آبِ شیریں کے اُن چند قطروں سے زیادہ نہیں جو قاتل ذبح کرنے سے پہلے رحم کھا کر حلق میں ڈال دے

(۲)

ذکیہ کو سسرال آئے تیسرا مہینہ تھا، یہ
بھی بہت غنیمت ہوا کہ وہ تعلیم یافتہ، سلیقہ شعار
اور ایک شریف لڑکی تھی، ورنہ یقین ہے کہ اُس گھر
میں اُس کا نباہ غیر ممکن تھا۔ رشید جیسے عیاش
طبع شخص کے ساتھ کسی دوسری لڑکی کو تین مہینے تو
کیا تین گھڑی بھی کاٹنا دشوار ہو جاتا۔

اس کو ذکیہ کی پھوٹی ہوئی قسمت سمجھئے یا اس کے
بُرے قدموں کا اثر، جیسا کہ خود اُس کی ساس اور
اکثر ہمسایہ عورتوں کا خیال تھا کہ "دو بہو ایسے نیک
قدم لیکر گھر آئی کہ سسرے نے عدم آباد کی راہ لی"
رشید کے حق میں باپ کی موت گویا گمشدہ کلید میکدہ
تھی، جو ہاتھ لگی۔ باپ کا خوف یا نئی نویلی دُلہن کی
خاطر، رشید نے شادی سے اب تک اپنے ان تمام
لعنتی حرکات کو کامل طور سے ترک نہ کیا تھا، تو
ایک حد تک ضرور اُن سے اجتناب کرتا رہا۔ وہ
پہلے سارا دن اور رات کا ایک بڑا حصہ اگر باہر
گزارا کرتا تھا تو بعد شادی زیادہ وقت گھر ہی پہ
رہنے لگا، ہاں اتنا ضرور تھا کہ مکان کا مردانہ حصہ
دن رات اس کے ہم مشرب اور ہمنواؤں سے ضرور
بھرا رہتا، باپ کی موت نے رشید کو نہ صرف کامل
آزادی کا موقع دیا بلکہ عمر بھر کی کمائی اور محنت و مشقت
سے جمع کی ہوئی دولت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔

اب کیا تھا کہ دن اگر عید تھی تو رات شب برات۔
پہلے باپ سے ڈر کر بیوی سے چھپا کر اگر ہفتہ میں
ایک دو مرتبہ کسی نہ کسی طوائف کا گانا ہو جاتا تھا، تو
اب یہ حالت کہ چوبیس گھنٹے راگ و رنگ سے مکان
گونج اٹھتا صبح ہو کہ شام، دن ہو کہ رات ہر وقت
اور ہر گھڑی مکان کے مردانہ حصے سے سُریلی آوازیں
گونجتیں ستار، ہارمونیم، اور طبلہ کی آواز سے ایک
طوفان بپا رہتا کس کی مجال تھی جو پوچھ سکے،
اور کس کی مقدور تھی جو روک سکے، رشید کو اب
گھر سے گھر کے ساز و سامان سے یہاں تک
کہ گھر کی ملکہ یعنے بدنصیب ذکیہ سے ایک قسم کی
نفرت ہو چلی تھی، وہ پہلے باپ کے زمانہ میں شادی
کے بعد اگر دن میں کبھی ایک آدہ مرتبہ باہر چلا جاتا
تو اب دن رات میں دو چار لمحوں کے لئے بھی گھر کے
اندر آنا مشکل ہو گیا۔ وہ تھا اس کے ساتھی، اسکا
سامان عیش، اور مکان کا مردانہ حصہ۔

ذکیہ کے حق میں یہ امتحان کا موقع تھا، اور
آزمائش کا وقت، وہ اپنے شوہر کے ان تمام
حرکات کو دیکھتی، حالات کو سنتی اور چپ رہتی،
جانتی تھی کہ رشید اَن پڑھ ہے اور بلا کا جاہل۔
سمجھتی تھی کہ بگڑی ہوئی قسمت بن سکتی ہے مگر بگڑی
ہوئی فطرت اور بگڑا ہوا چلن درست ہونا ناممکن
ہے، اُس کو وہ واقعہ بھی یاد تھا جب اُس نے

رشید کو ایسے وقت تھیٹر کے جانے سے روکا جب خود اُس کا باپ یعنی ذکیہ کا سسر اموت کے تختے پر بیٹھا ہوا تھا، رشید ایسی نگاہوں سے جن میں جہالت کا خون اُتر آیا تھا - ذکیہ کو دیکھا اور تحکمانہ لہجہ میں یہ کہتا ہوا چلدیا تھا کہ تم کو میرے معاملات میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ آج پہلا موقعہ ہے اس لئے میں نصیحت کے طور پر کہے دیتا ہوں کہ آیندہ اگر پھر بھی یہی الفاظ سنائی دینگے تو تمہارے حق میں مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" یہ الفاظ نہ تھے بلکہ نشتر جو ذکیہ کے کلیجے کے پار ہو گئے تھے، اس کے کانوں میں آج بھی اور اب بھی رشید کے وہ الفاظ گونج رہے تھے اس حالت میں اور ایسی صورت میں یہ غیر ممکن تھا کہ وہ رشید کو سمجھاتی اور بتلاتی کہ یہ بُرا ہے اور یہ بھلا بظاہر وہ خوش تھی لیکن دل مغموم، وہ ہنستی تھی لیکن تقدیر کھڑی اس پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی تھی۔ جب اپنی بربادی اور شوہر کی بے التفاتی کا رنج اسکو حد سے زیادہ ہوجاتا تو بستر میں منھ لپیٹ کر چار آنسو گرادیتی اور اسکو اپنی قسمت سمجھکر خاموش ہوجاتی۔

دولت کا نشہ عیاشوں کی صحبت، اور بازاری محبت نے دونوں میاں بیوی میں اختلافات کی ایک ایسی سنگین دیوار حائل کردی تھی، کہ جسکا ڈھانا اب مشکل سے ممکن تھا ذکیہ کے والدین جو بیٹی کی تباہی کا باعث ہوئے تھے اور جنھوں نے اُس کو برباد کرکے "خودشادی" منایا تھا، غیر ممکن تھا کہ ان دونوں کے بگڑے ہوسے تعلقات سے باخبر نہ رہتے، مجبور تھے کہ اب کوئی انسداد مشکل تھا بچپن کی شادی اور زر کی لالچ نے انھیں یہ روز بد دکھایا کہ وہی ذکیہ جو کبھی گل خنداں تھی سوکھ کر خار ہوگئی۔ جب ذکیہ نے دیکھا کہ رشید اب سنبھلنے کا نہیں تو اس نے اپنے آپ کو اس نیک خیال سے مطمئن کرلیا کہ جب انھیں ان ہی لغویات سے دلچسپی ہے تو میں کیوں ان کے عیش و طرب، ناچ و رنگ میں مداخلت کروں، اگر ان کی دلبستگی اسی میں ہے تو اچھا ہے غرض تو صرف یہی ہے کہ وہ خوش رہیں انکی خوشی میری خوشی کا باعث، اِن کی مسرت میری مسرت کا سبب ہے۔" یہ صرف تعلیم کا اثر تھا کہ ذکیہ نے شوہر کی نفرت اور بے التفاتی کو محبت کے پُرخلوص اور نیک جذبات سے رنگ دیا۔

یہ قاعدہ ہے کہ وہ افراد جنھیں بنانے اور بگاڑنے میں خاص ملکہ حاصل ہے ایسے مواقع کے طالب رہتے ہیں، اور بنے ہوسے گھر کو بگڑتے یا سجے ہوسے گھر کو اجڑتے دیکھکر پھولوں نہیں سماتے ذکیہ سے ہمسایہ عورتوں نے جب کبھی آن کر رشید کے بارے میں کچھ کہا تو وہ اپنے اُن ہی خیالات کا اظہار کرتی جو کہنے والوں کو حیرت اور تعجب میں ڈال دیتے، مگر آئے دن
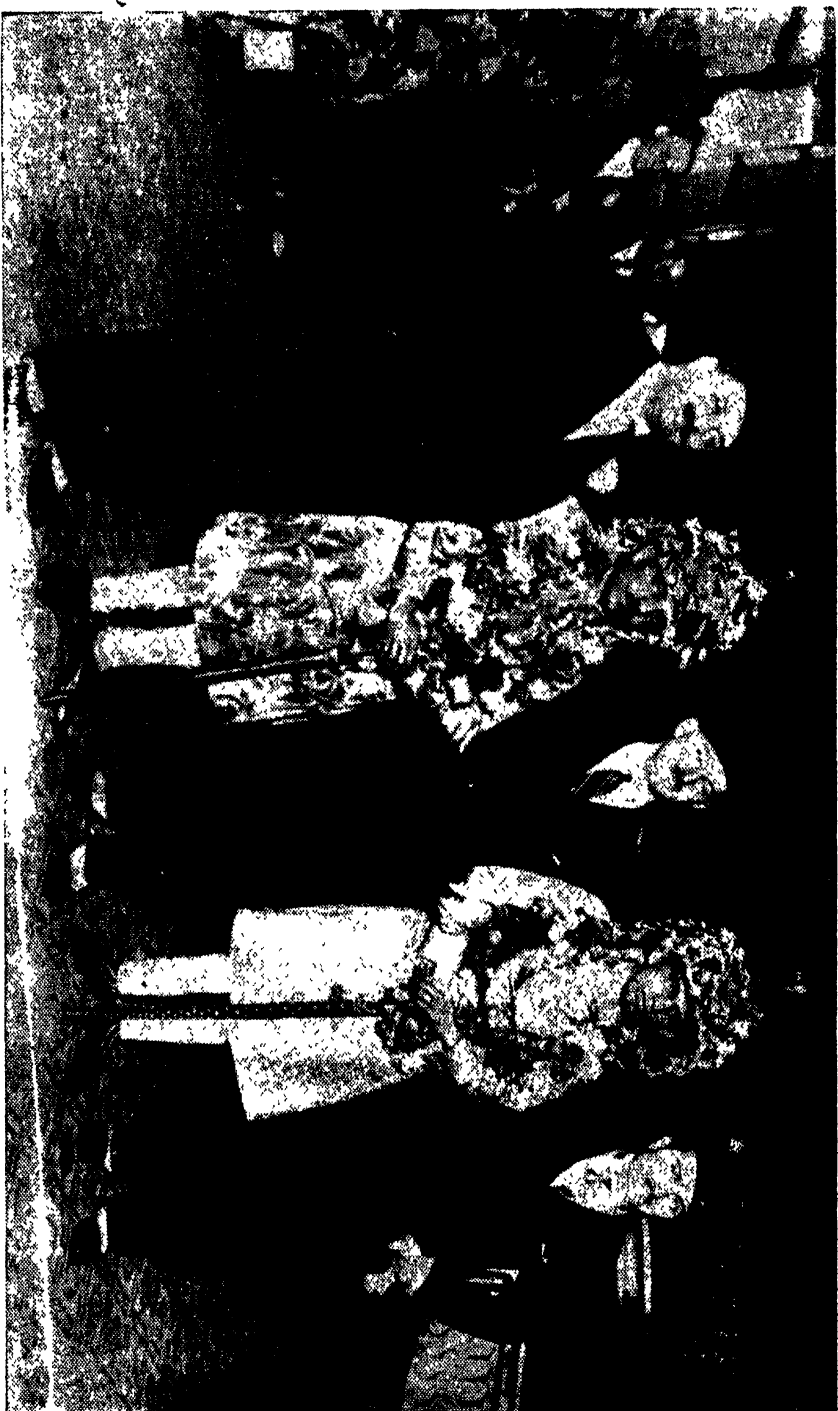
(گروپ فوٹو جو بعد عقد سعید لیا گیا)

شہزادگان والاشان حضرت نواب **اعظم جاہ بہادر** ولیعہد دولت آصفیہ ۔ حضرت نواب **معظم جاہ بہادر** برادر حضرت ولیعہد بہادر

(ماہ نامہ سفینۂ نسواں حیدرآباد دکن)

مجمع تصویر عقد مسعود شہزادگان والاشان مملکت آصفیہ

(جشن عقد خاندان السلاطین سلطان حضرت عبدالمجید خان کی مبارک صاحبزادی ہے)

(باہتمام معظم نواب حیدرآباد دکن)

نئے نئے طریقوں سے تنخواہ بڑھانے کے مطالبات کئے جاتے

قارون کا خزانہ بھی ایسے خرچ کے آگے ہیچ ہوگا۔ دو چار مہینوں کی قلیل مدت میں رشید نے محسوس کیا کہ اب اگر آمدنی کا کوئی ذریعہ تلاش نہ کیا جائے تو عیش و آرام کی گھڑیاں خواب و خیال ہو جائیں گی۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں صنعت و حرفت کا کال پڑا ہے روزی کا آسانی سے ملنا یقیناً مشکل ہے تعلیم یافتہ طبقہ اگر تلاش معاش میں حیران پریشان ہے تو رشید جیسے جاہل اور ان پڑھ کے لئے آمدنی کا کیا خاک ذریعہ ہاتھ لگتا۔ باپ کی کمائی ہوئی دولت سے کچھ اگر بازاری محبت خریدی گئی تو کچھ اُن لوگوں کے ہتھے چڑھی جو اُس کی "جی حضوری" میں رات دن لگے رہتے۔

گرمی کا موسم، دھوپ کا وقت، دن کے کوئی دو بجے ہوں گے کہ ذکیہ نے روتے ہوئے جلدی ہی اپنا سر تکیہ سے اٹھایا، تو سامنے رشید کو کھڑا پایا۔ پریشان تھی کہ کیا بات ہے۔ حیران تھی کہ کیا معاملہ ہے اُس کی صورت پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور چہرہ پر اُداسی چھائی ہوئی تھی، کامل ایک ہفتے کے بعد اس کو آج شوہر کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی تھی اور وہ بھی اس کے اپنے کمرہ میں۔ وہ خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی، اگر رشید کے چہرہ پر کچھ بشاشت پاتی لیکن وہ دیکھتی کہ اس کا رنگ اڑا ہوا ہے، رشید فکر و رنج اور خوف کے عالم میں کھڑا ذکیہ کی طرف ایسی بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ذکیہ اٹھی اور محبت سے رشید کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بستر پر بٹھائی، اس کو اور بھی پریشانی ہوئی جب اُس نے دیکھا کہ رشید کانپ رہا تھا، اور اس کا جسم سرد تھا۔ "آخر ایسی کیا پڑی ہے جو یوں یہ ہوش و حواس گم ہیں" ذکیہ نے ایک مضطربانہ لہجہ میں کہا جس سے خلوص اور حقیقی الفت کا اظہار ہو رہا تھا۔ رشید نے زبان سے تو کچھ نہ کہا، مگر انھیں للچائی ہوئی نظروں سے ذکیہ کو دیکھا اور چپ ہو رہا۔

"تمھیں میرے سر کی قسم ہے تم کو ایسی کیا مشکل آ پڑی ہے جس سے تم یوں بدحواس ہوئے جا رہے ہو۔ کہو! اگر میرے سر کی حاجت ہو تو میں اس کو بھی اتارنے میں ہرگز کمی نہ کروں گی۔" ذکیہ نے روتے ہوئے یہ الفاظ ختم کئے، اور جواب کی منتظر رہی۔۔ رشید نے جب دیکھا کہ موقع اچھا ہے اور سمجھ گیا کہ ذکیہ اپنی جان عزیز تک بھی اس کے ایک ادنیٰ اشارے پر قربان کرنے کو تیار ہے تو آہستہ سے کہا "ذکیہ میں شرمندہ ہوں کہ میری غفلت اور بے التفاتی نے تمھیں معلوم کیا کیا تکلیفیں پہنچائی مجھے آج تک یہ معلوم نہ تھا کہ تم اپنے اندر ایک

شریف عورت کا دل رکھتی ہو، افسوس ان تمام
باتوں کا احساس آج اور اب ہو رہا ہے ایسے وقت
میں جبکہ میری حالت ایک بھکاری یا ایک قیدی سے
کم نہ رہی" خدا جانے رشید کے ان ظاہری اور
محض دکھاوے کے الفاظ میں ایسی کونسی جاذبیت
تھی کہ ذکیہ کو بغیر متاثر کئے نہ رہ سکی، وہ یکبارگی
چلا اٹھی "بھکاری اور قیدی" "ہاں" رشید نے
کہا، "بھکاری کیونکہ تمہارے آگے دستِ سوال
دراز کرنے آیا ہوں، اور قیدی بھی اس لئے کہ
قرضہ کی وجہ وارنٹ جاری ہو چکا ہے، اگر رقم
ادا نہ کی جائے تو یہی ایک آخری صورت ہوگی"
یہ کہا اور ساتھ ہی ایک دو سچے یا جھوٹے آنکھ سے
آنسو بھی گر پڑے، جو ذکیہ جیسی سادہ لوح اور
فرمانبردار لڑکی کو یقین دلانے کے لئے کافی سے
زیادہ تھے۔ شوہر کی اس حالت کو دیکھکر اس کو
تاب نہ رہی، وہ اٹھی اور زیورات کا وہ قلمدان جو
اس کی اپنی واحد ملکیت تھی، لاکر رشید کے قدموں پر
ڈال دی اور کہنے لگی "یہ حاضر ہے اور اگر اس سے بھی
پوری پوری ادائی نہ ہو تو یہ مکان کا قبالہ موجود
ہے" اس نے ایک کاغذ دیتے ہوئے کہا۔
"آپ کو چاہے فروخت کر دو یا رہن، تمہیں کامل
اختیار ہے، نیز ان دونوں چیزوں کے ساتھ
میں اور میری جان بھی حاضر ہے۔ اگر ضرورت
ہو تو مجھ کو اور میری حقیر زندگی کو بھی قبول کرو"۔

رشید زیورات کا صندوق اور مکان کا قبالہ
ہاتھ میں لیکر اٹھ کھڑا ہوا اور ذکیہ کو گلے سے
لگا لیا۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ رشید نے ذکیہ کے
ساتھ اپنی عہد ازدواجی میں اس قسم کی ظاہری الفت کا
اظہار کیا، ذکیہ ایسا محسوس کرنے لگی گویا وہ آج
ہفت اقلیم کی ملکہ ہے، اور اس کے قبضۂ تصرف
میں دونوں جہان کی دولت۔

رشید ذکیہ کے اس زبردست ایثار اور
سچی قربانی پر کچھ ہنسا، کچھ تعجب کیا، اور کچھ شرمندہ
بھی ہوا، مگر اس کو اپنی لگی تھی، وہ ذکیہ کو
چھوڑ، زیورات لے سیدھا باہر چلدیا۔

باقی دارد

ہندوستانی بیوہ

"زبانِ حال سے"

مولانا سیّد علی اختر صاحب اختر

اچھے! مجھیں بتاؤ، کب تک انھیں رو لاؤں؟ — بچے پکارتے ہیں تم کو کہاں سے لاؤں؟

"آتے ہو تم" کہاں تک کرتی رہوں بہانہ — کب تک انھیں سناؤں اب یہ غلط فسانہ

خوش ہوتے ہیں! جو ہم سن مغموم دیکھتے ہیں — حسرت سے میری جانب معصوم دیکھتے ہیں

پی جاتی ہوں جو آنسو آنکھوں میں ڈبڈبائیں — ڈرتی ہوں اور بچے شاید سہم نہ جائیں

کیونکر اسے لگاؤں اک داغِ بیکسی ہے — ماتھے کی سرخ بیندی تاریک ہو گئی ہے

وہ میں کہ غم کے آنسو ہیں میرے دامنوں میں — کس دل سے آہ بیٹھوں ہنستی سہاگنوں میں

آئینہ خاک دیکھوں صورت بگڑ گئی ہے — اب کیا اسے سنواروں جو مانگ اجڑ گئی ہے

جلتی ہے ہر سہاگن دامن بچا کے مجھ سے — ملتی ہے ہر سہیلی آنکھیں چرا کے مجھ سے

اپنوں کا ہے یہ عالم بیگانگی کی حد ہے — شادی میں میرا آنا گویا شگونِ بد ہے

تم سے بچھڑ کے کیا کیا دکھ پائے بیکسی میں — رکھتے ہیں دور مجھ کو کنبے کی ہر خوشی میں

اچھے! مجھے بتاؤ کب تک یہ غم اٹھاؤں — سنتا ہے کون اپنی بیتی کسے سناؤں

کب تک یہ غم کی روگی لیتی رہے سنبھالے
دُنیا سے اب تو مجھ کو پرماتما اٹھالے

اس روشن زمانہ میں تعلیم نسواں جسقدر ترقی پا رہی ہے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہماری سرکار عالی مدار نے بھی ہم پر بڑا کرم فرمایا ہے بڑے بڑے زنانہ مدارس کے علاوہ غریب اور نادار لڑکیوں کی سہولت اور تعلیم کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے مکتب بھی کھول دئے ہیں جس سے ہم اچھی طرح فیض پا رہے ہیں اور تمام چھوٹی بڑی امیر غریب لڑکیاں زیور علم سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ ہمارے لئے تعلیم وہ نعمت غیر مترقبہ اور زیور بے بہا ہے جس کے حاصل کرنے کی ہمیں جان توڑ کوشش کرنی چاہئے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔

اسی سلسلہ میں مجھے اپنی ان بہنوں سے جو اس نعمت اور دولت لازوال کے حاصل کرنے میں کوشاں مصروف ہیں اور ان سے بھی جو حاصل کر کے فراغت پا چکی ہیں یہ عرض کرنا ہے کہ تعلیم کا ہم پر کیا اثر ہو رہا ہے اور ہم اس دولت لازوال کو کس غلط مصرف میں لا رہے ہیں؟

صرف ایک ہی زبان (انگریزی) کا حاصل کرلینا اور اسی میں ترقی پا لینے کا نام تعلیم نہیں ہے۔ جیسا کہ عام طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔

تعلیم یافتہ بی بی یا لڑکی اپنی تعلیم کا مقصد صرف اتنا سمجھتی ہے کہ انگریزی زبان خوب صاف بولے اور

اپنی گفتگو میں اگر وہ اردو میں کی جارہی ہے تو ہر جملہ میں انگریزی الفاظ کا استعمال ضرور کرے کچھ الفاظ اگر ہم انگریزی کے اردو میں ملاکر نہ بولیں تو کیا ہماری گفتگو مکمل نہ ہوگی یا مطلب ادا نہ ہوجائیگا؟ پھر خواہ مخواہ ہم ایسی عجیب زبان کیوں بولیں جو نہ انگریزی ہو اور نہ اردو رہے انگریزی بھی مثل اردو کے ایک زبان ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس کا حاصل کرنا بھی ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہمیں اکثر اس کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمنے اس کے حاصل کرنے کا مقصد غلط خیال کیا ہے اور موقع بےموقع اس کا استعمال خود بھی نمائشی نظر آتا ہے۔

اگر ہم کو کوئی بات ایسی کہنی ہے جس کے لئے اردو زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے تو جبر انگریزی لفظ ضرورتاً استعمال میں لائیں کیونکہ مجبوری ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ اردو کے بیچ میں انگریزی کی ٹانگ توڑنا مجھے تو کوئی خوبی کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ اس ہوا کا ہم پر اب اس درجہ اثر ہو رہا ہے کہ واقعی بعض الفاظ اردو کے خیال کرنے پر بھی یاد نہیں آتے کیونکہ زبان پر تو انگریزی چڑھی ہوی ہے۔ اس لئے بس سہولت اس میں نظر آتی ہے کہ انگریزی لفظ بول جائیں۔

مثال کے طور پر ہماری روزمرہ کی بول چال پر خیال کیجئے اسی میں ہماری زبان سے سینکڑوں الفاظ انگریزی کے ادا ہوتے رہتے ہیں جیسے ہم دن میں ہزار بار یہی کہتے ہیں "فلاں کام کا ٹائم ہوگیا" یا "کیا ٹائم ہے"۔ یا "اب تو اس کا ٹائم نہیں رہا" اگر ہم ان جملوں میں بجائے "ٹائم" (غیر زبان کا لفظ) بولنے کے اپنی زبان کا لفظ "وقت" کہیں تو کیا ایک صحیح زبان کے علاوہ بھلا جملہ ہماری زبان سے ادا نہ ہوگا؟

پورا جملہ ہی انگریزی میں ادا کرلیا جائے تو کہیں بہتر اور مناسب ہوگا۔ یہ کہنا "دیکھو حسینہ کتنی جولی" اور ہمارے "گیمس" وغیرہ میں کسقدر "انٹرسٹ" لینے والی لڑکی تھی مگر اب بہت "چینج" ہوگئی بیچاری" خیال کیجئے کسقدر مضحکہ خیز ہے اور اس سے کس درجہ نمائشی بو آتی ہے۔ کیا اگر ہم اسی گفتگو کو یوں ادا کرتے "دیکھو حسینہ کتنی خوش مزاج" اور ہمارے "کھیلوں" وغیرہ میں "دلچسپی" لینے والی لڑکی تھی مگر اب بہت "بدل" گئی بیچاری" تو کیا ہم جاہل مطلق خیال کئے جاتے؟ ہاں ہم کو ہمارے اس بیہودہ خیال نے اور خواہ مخواہ کے اظہار کی عادت نے تماشہ بنادیا ہے۔ ہم اگر اس پر غور کریں تو

اپنی نظروں میں آپ ہی تماشہ نظر آئیں۔ آج ہندوستان میں ہم مسلمان اور قوموں سے پیچھے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنی آنکھوں میں خود ذلیل ہیں۔ مثل مشہور ہے "اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے۔" جب ہم خود اپنی پیاری زبان کو ذلیل سمجھتے ہیں تو دوسری قومیں اس کو کیا اچھا خیال کرینگی یا ہم کیونکر ترقی پا سکینگے۔ ہم خود تو دوسروں کو ترقی کے اسباب بہم پہنچا رہے ہیں اور پیچھے چلا جانے ہیں کہ "وہ ترقی پا رہے ہیں" یقین جانئے وہی قوم ترقی حاصل کر سکتی ہے جو اپنے آپ کو سب سے اچھا خیال کرتی اور اپنی ہمت کو خوبی سمجھتی ہے دوسروں کی بیجا نقلوں اور بے ضرورت تقلید کو فخر نہیں خیال کرتی بلکہ اپنے ہی اصولوں، طریقوں اور اپنی ہی ہر بات کو اچھا سمجھ کر اور ترقی کرنے میں منہمک ہے۔ ہماری انگریزی جاننے والی بی بی یا لڑکی کا ایک انگریز خاتون یا لڑکی سے مقابلہ کیجئے جو کئی سال لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے اچھی خاصی اردو بولتی ہو یا دکن کی ہی پیدائش ہونے کے سبب بچپن سے اردو زبان بولتی اور خوب اچھی طرح سمجھتی بھی ہے۔ مگر جب کبھی وہ ہم سے گفتگو کرے گی اور اس کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم انگریزی بھی جانتے ہیں تو ہم سے وہ انگریزی ہی میں گفتگو کرے گی۔ اردو زبان کا استعمال وہ اسی وقت کرے گی جبکہ وہ حقیقتاً اس کے لئے مجبور ہو یعنی ایسے وقت جب اس کا مخاطب انگریزی نہ سمجھتا ہو۔ دیکھئے اور سیکھئے یہ ہے ایک غیر مگر ضروری زبان کے حاصل کرنے کا مطلب اور اس کا صحیح مصرف۔ ہمنے بھی ایسے ہی وقت ضرورت کے لئے انگریزی زبان سیکھی ہے اور بالکل یہی صورت ہمارے لئے بھی ہونی چاہئے۔ مگر صد افسوس ہماری بے اصول اور نکمی زندگی پر کہ ایک غیر زبان کے سیکھتے ہی اپنی مادری زبان کو بھول بیٹھتے ہیں۔ عزیز بہنو! انگریزی زبان انگریزوں سے ترقی نہیں پا رہی ہے بلکہ یہ فخر عقل سے دور ہندوستانیوں کو حاصل ہو رہا ہے۔ چونکہ انگریزوں کی وہ زبان ہی ہے اس لئے ان کا بولنا ترقی نہیں دیگا بلکہ حقیقتاً اس کی ترقی کی وجہ یہ ہے کہ دوسری قومیں اس کو اپنا بنا رہی ہیں۔

ہر تعلیم یافتہ ہستی کا گویا فرض ہے کہ وہ ہر وقت انگریزی ہی بولتی رہے اور جا بیجا انگریزی الفاظ استعمال ہوتے رہیں۔ یہ مرض عام اور مردوں عورتوں دونوں میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اس وقت میں صرف اپنی ماؤں بہنوں سے مخاطب ہوں کہ وہ شوق سے جلسے کریں قوم کو مدد دینے اور جگانے کا بیڑا اٹھائیں تعلیم حاصل کرنے کا مقصد بھی یہی ہے اور ہر طرح یہ سب ہمارے فرائض

ہیں مگر ساتھ ساتھ اپنی زبان کو بھی ترقی دیں۔ ایسی تعلیم اور اس کے ایسے مصرف سے بتائیے کیا فائدہ
کہ جڑ ہی کٹ رہی ہے اور ہم اپنے ہی کو نقصان پہنچا رہے ہیں حالانکہ یہ فخر عورتوں ہی کو حاصل ہے کہ
ان کی زبان سند مانی جاتی ہے اور ان ہی کی زبان صحت کی کسوٹی ہے۔ ہم اہل دکن کے لئے تو اور بھی
افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے آقائے ولی نعمت حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ اپنی پیاری مادری
زبان اُردو کے زبردست حامی اور دلی قدر دان ہیں۔ آپ کی بیدار مغزی عالی دماغی اظہر
من الشمس ہے۔ آپنے بہترین اصول کو مدنظر رکھ کر ترقی کے زینہ کی پہلی سیڑھی اپنی مادری
زبان کی ترقی خیال فرمایا۔ آج اس نمائشی زمانہ میں ان کی مادری زبان اُردو مگر غریب اُردو
اپنے زبردست حامی دلی قدر دان بیدار مغز سلطان عالی وقار دکن کے شاہِ عثمان کی ممنون ہے
کہ آپنے صرف اپنی پیاری زبان کو ترقی پر پہنچانے اور قایم رکھنے کی خاطر ایک یونیورسٹی قائم فرمائی
جس سے ظاہر ہے کہ آپ اپنی مادری زبان کو کس درجہ عزیز رکھتے اور اسی کو ترقی پہنچانا ضروری
خیال فرماتے ہیں۔ اور ہمارا یہ حال ہے کہ اردو حقیر نظر آتی ہے کیا ہماری حالت اور ہمارے
خیالات افسوسناک نہیں؟

لکھنے کا حال بھی ہمارا عجیب ہے اول تو اردو میں ہم کو خط یا رقعہ لکھنا مرغوب ہی نہیں اگر مجبوری
لکھنا پڑا بھی تو ایک گھنٹہ سوچنے کے لئے چاہئیے کہ کیا لکھیں؟ خدا خدا کر کے شروع کیا اور کچھ
دیر بعد ختم بھی ہوگیا تو بے تکا مضمون۔ املا کی بیشمار غلطیاں جسمیں اکثر جگہ کانٹ چھانٹ اس سب پر
طرہ یہ کہ خط نہایت برا جیسے کسی بچے نے لکھا ہے۔ یا کسی ایسے نے جس کی مادری زبان اردو نہو۔
بہرحال بڑی افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی زبان بھلا رہے ہیں اور جلسوں محفلوں میں انگریزی دان
ہونے کا ثبوت دینے کے لئے انگریزی الفاظ ضرور بولتے ہیں۔ بڑوں کو دیکھکر چھوٹی لڑکیوں نے بھی
وہی رنگ اور طرز اختیار کرلیا ہے۔ میں اس بات کا اکثر خیال رکھتی ہوں کہ بے موقع الفاظ زبان سے
نہ نکلیں اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو برابر ٹوکتی سمجھاتی ہوں۔ پرسوں ہی کا ذکر ہے میری چھوٹی
بہن نے مجھ سے مدرسہ سے آکر کہا "آپا ہماری ایک ٹیچر اسکول سے جارہی ہیں ان کو ایک پریزنٹ
دے رہے ہیں۔ بیچاری ہمارے "اسکول" میں "ففٹی ٹو ایرس" سے تھیں" میں نے خاموشی سے سنا مگر افسوس
ہوا کہ ہماری کیا حالت ہوتی جارہی ہے بچی کم عمر ہے جسطرح بڑوں کی گفتگو کا طریقہ دیکھا خود بھی

سیکھ لیا اسوقت مینے پھر ٹوکا اور سمجھایا کہ پوری اردو بولو یا انگریزی میں ہی پورا جملہ کہو اسطرح بولنا کیسا برا معلوم ہوتا ہے جیسے تم دوسروں پر ظاہر کر رہی ہو کہ مجھے بھی انگریزی آتی ہے ۔

عزیز بہنو ہم سب کو چاہیئے اس کا حتی الامکان خیال رکھیں کہ خواہ مخواہ موقع بے موقع اردو کے ساتھ ملا کر انگریزی نہ بولیں ۔ اور اپنے چھوٹوں پر بھی اس کی تاکید رکھیں ۔ ہم ضرور وقت ضرورت انگریزی میں گفتگو کریں مگر یہ ہماری فاش غلطی ہے کہ اردو کو بالکل ہی ناکارہ اور بے ضرورت خیال کریں ۔

مضمون ختم کر رہی تھی کہ ایک بات اور یاد آگئی ایک لڑکی جو میری بہن کے مدرسہ میں تعلیم پاتی ہے سینیر کیمبرج کا امتحان دینے والی ہے یقیناً تعلیم یافتہ کہلائی جاسکتی ہے میں بھی اس سے واقف ہوں وہ کہتی ہیں کہ وہ اردو سے قطعی نا آشنا ہے اور اردو ان کے سمجھ میں ہی نہیں آتی ۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ ایک مسلمان لڑکی اپنی مادری زبان کے متعلق یوں کہے ۔ افسوس کہ ہمنے انہیں باتوں سے تعلیم کو بدنام کر دیا ہے ۔ ہم خود جب اپنی زبان کو اتنا تنگ کرنے جائینگے تو کیا امید ہوسکتی ہے اور ہماری آیندہ تصانیف تالیف پر کیا اثر پڑ سکتا ہے ۔ اور پھر قوم کی ترقی معلوم !!

اب بھی وقت نہیں گیا ہے میں اپنی بہنوں اور بزرگوں سے درخواست کرتی ہوں کہ اس میرے ناچیز مضمون پر غور کریں اور اگر کسی قابل ہو تو عملی جامہ پہنائیں ۔

خاکسار آگین

اختر ۔ محمد احمد بی اے

بنت مولوی محمد احمد صاحب ناظم سٹیپ سرکار عالی ۔

خط و کتابت

کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیکر کارکنانِ دفتر کو مرہون منت فرمائیے ۔

(منیجر)

"دوستی" زندگی کی روح ہے۔ جس کے بغیر زندگی بے کیف اور پھیکی نظر آتی ہے۔ یہ منبع مسرت اور بہترین طرزِ معاشرت ہے۔ ایک سچا دل رکھنے والا انسان اپنی زندگی اسی حالت میں فرخندہ روئی سے بسر کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کا ایک ہمدرد، غمگسار و مخلص دوست ہو۔ بعض اوقات ناگوار خیالات ہماری روح کو ظلمت اور تاریکی میں لپیٹ دیتے ہیں۔ اسوقت ایک وفادار دوست کا اظہارِ ہمدردی اکسیر کا کام کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ کہ "دوستوں" کی ہمدردی مصیبتوں کو زائل اور کلفتوں کو نابود کر دیتی ہے" ہماری خوشیوں اور راحتوں میں ان کی شرکت ہماری مسرت و فرحت کو دوبالا کر دیتی ہے۔

سچی مسرت اور پاکیزگی کا دار و مدار دوستوں کے انتخاب پر منحصر ہے ان کا انتخاب دولت ثروت کی بنا پر نہیں۔ بلکہ ان کے ذاتی جوہر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرنا چاہیئے۔ دوستی کے لئے خلوص، اتحاد، خوش خلقی اور راست گوئی لوازمات میں سے ہیں۔

سچی و پاکیزہ دوستی وہی ہے۔ جو کسی حالت میں دامنِ محبت ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ دو سچے دوستوں کی محبت قدرتی ہوتی ہے۔ اور اس امر کا پیمان کہ اگر کسی قسم کا ایثار کرنا پڑے تو وہ دریغ نہ کریں گے۔ مخلص دوست نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ جب تک ہماری اقبال مندی ترقی کے

زینہ پر رہتی ہے۔ ہمارے ارد گرد ایک گروہ کثیر دوستوں کا رہتا ہے۔ لیکن جب ہمارا ستارۂ بخت افلاس و غربت کے سیاہ بادلوں میں روپوش ہو جاتا ہے۔ تو وہ رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے ربط و ضبط کو دوستی تصور کرنا گویا دوستی کا مذاق اڑانا ہے۔ اور "صراحی چوں شود خالی، جدا پیمانہ می گردد" کی مثال قائم کرنا ہے۔

کسی فلسفی کا کیا ہی بہتر قول ہے۔ "کہ تم جتنے آشنا چاہو۔ پیدا کرو۔ مگر جب تم دوستی کی طرف آؤ۔ تو صرف ایک پر اکتفا کرو" اس سنہرے اصول پر کاربند رہنے والے دوستی کی سچی لذت حاصل کرتے ہیں بہر حال ایک ہمہ صفت دوست تلاش کرنا بہت دشوار ہے اور خوش قسمتی سے اگر ایک وفادار دوست مل بھی جائے۔ تو اسے کھو دینا صریحاً حماقت ہے حضرت محمد صلعم کا ارشاد ہے کہ "تم سچے دوستوں کو ناراض نہ کرو۔ کیونکہ وہ بوقت آرائش و آرام سامان زیبائش ہیں۔ اور سختی و تکلیف کے وقت تمہارے غمگسار اور ہمدرد" گویا سب سے بدنصیب شخص وہ ہے۔ جو ایک وفادار دوست پا کر اس کو ناراض کر دے اور کھو دے۔

اپنے دوستوں کے ساتھ بخیر و خوبی زندگی بسر کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اُن کی خوبیوں کو مد نظر رکھیں۔ ان کے عیوب و نقائص اور ناپسندیدہ عادات کو خیال میں نہ لائیں۔ کیونکہ دل صاف نہ رکھنے سے رفتہ رفتہ ایک قسم کی نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور انجام میں نفاق کی بھیانک صورت نظر آتی ہے۔ جہانتک ممکن ہو دلوں کو صاف رکھنا چاہیئے۔ جب کوئی عیب اپنے دوست کا اس پر ظاہر کرنا مقصود ہو تو کسی ایسے مقام پر جہاں کوئی اور نہ ہو، نہایت نرمی اور سلیقے سے سمجھا دینے کے بعد اسے اس سے آگاہ کر دیں۔ اگر کوئی بات قابل ستائش ہو تو سب کے سامنے اس کی تعریف و تحسین کریں۔ اس طرح اس کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ بیجا خوشامد اور سچی تعریف میں کوئی نسبت نہیں۔ قابل مذمت در اصل وہ تعریف ہے جس کا مقصد اس کے عوض میں خود اپنی خوشامد کرانا ہو۔

مخلص دوست کو اظہار محبت سے کبھی نہیں گھبرانا چاہیئے۔ کیونکہ "محبت محبت پیدا کرتی ہے اور محبت کی قیمت خود محبت ہے"۔ غرض ایک خوشگوار زندگی کا انحصار وفادار دوست کے ملنے پر ہے۔

سرور جہاں رعنا
بنت خان بہادر چودھری نبی احمد صاحب

نوائے زار

از

محترمہ خورشید آرا بیگم صاحبہ خورشید (برار)

اے تغافل کیش! اے خاتونِ مسلم ہوشیار! — ہو گئی رخصت جہالت کی شبِ تاریک و تار!
سینۂ مشرق ضیائے صبح سے ہے رشکِ طور — مل رہی ہے طالبوں کو علم کی راحِ طہور

دیکھ ناداں! ہے جرس آئینہ دارِ ارتعاش
بانگِ رنگینِ درا بیدار کر دے تجھکو کاش!

برق رفتاری مجسم ہو گئے ہیں کارواں۔ — جانبِ منزل ہوئے ہیں بادپائی سے رواں
ہیں حدی خوانِ ترقی رہ نوردانِ علوم — چھوڑ کر زندانِ غفلت، توڑ کر بندِ رسوم

نبض میں تیزی نہیں پر زندگانی کا لہو۔
شوقِ منزل۔ ذوقِ بیداری سے ہے بیگانہ تو!

ابرِ بہمن سایہ ریز و بادِ عیسیٰ دم رواں! — غنچۂ نورس تبسم آفریں نکہت چکاں!
سینۂ گلشن میں قصیدہ ہے روحِ نوبہار — نزہتِ علم و ترقی ہے سبزِ باغِ روزگار

مثلِ شاخِ خشک ہے تو حسرتاً بے برگ و بار!
فصلِ گل میں بھی ہے صد رنگِ خزاں کی پیروا!

حاملِ پرواز ہیں جو تھے شکستہ بال و پر!! — پیکرِ علم و ہنر ہیں جو تھے بے علم و ہنر!
آفرینش گہ ہے صرفِ انقلاباتِ گزیں! — فطرتِ آزاد کیوں رہتی جہالت کی امیں!

آہ لیکن تو اسیرِ پنجۂ ادبار ہے
ناآشنائے دردِ حس تیری رگِ پندار ہے

ہے گلِ صحرِ الماط ہستی سے اپنی بے خبر | ہو ریاضِ علم میں نکہت طراز و جلوہ گر
ہمنشینِ خار و خس سے بے نیاز رنگ و بو | منتظر تیری ہے بادِ مشک بو۔ فصلِ نمو۔

اٹھ! کہ دنیا جاگ اٹھی، اور پڑی سوتی ہے تو!
بیخبر! کیوں وقت سی دولت کو یوں کھوتی ہے تو!

سُن نوائے زار۔ خورشیدِ حزیں غفلت شعار! | ہو درخشہوار و زینت بخشِ تاجِ روزگار!
شبنمِ بے مایہ کے مانند تا کے زندگی؟ | عزم و جہد و سعی کا نام دگر ہے زندگی

تخمِ گل ہے تو، نکل آ خاک سے، ہو گل چکاں
تا معطر ہو، تری خوشبو سے سارا بوستاں

خورشید آرا بیگم (برار)

"شمعِ سحر"

جناب احمد علی اکبر صاحب راز قاسمی

وجہ اشک افشانی حسرت بتا، شمعِ سحر!
محفلِ عشرت کہاں ہے اور وہ مجمع کیا ہوا
تیری وہ رونق کہاں ہے، وہ گل افشانی کہاں
تو تو زیبِ انجمن تھی، ہمدمِ احباب تھی
روشنی تیری ضیائے نیّرِ اقبال تھی
سسکیاں لیتی ہے تیری روشنی کیوں دمبدم
کچھ نہیں آتا سمجھ میں تیرا وجہِ انفعال؟
یہ ترے ظلم و ستم کی ہے سزا او بیوفا!
روشنی کو اپنی، تو سمجھی تھی شانِ جاوداں
سر ترا کانِ تکبر تھا کسی دن بزم میں۔
سنگدل ہونے کی تیرے سبب ہی بیّن دلیل
کس نے مارا ہے جلا کر ہائے ان عشاق کو
جان وہ دیتے تھے تجھ پر اور لا پرواہی تو۔

کس لئے روتی ہے کس کے غم میں تو ہے نوحہ گر؟
قدردانی جو تری کرتے تھے اب وہ ہیں کدھر؟
شان و شوکت کو وہ تیری کھا گئی کس کی نظر؟
حسن کی تیرے چمک تھی ہر در و دیوار پر!
تیری زیبائش کا چرچا ہو رہا تھا دربدر
کس لئے آنسوئے ندامت بہ رہے ہیں سر بسر؟
کس گنہ کی یہ سزا ہے کس دعا کا ہے اثر؟
اور ترے کردار کا انجام، او سنگین جگر!!
تھے زمیں پہ پاؤں، رکھتی تھی دماغ افلاک پر۔!
دل ترا مغرور، گویا کبر و نخوت کا تھا گھر۔
گر کے نیچے سخت ہو جاتے ہیں تیرے اشکِ تر!!
کن دل افگاروں کے لاشے ہیں ترے پیشِ نظر؟
تھی مغرور اپنے حسنِ عارضی پر اس قدر!

جسم تک افسوس ان کا جل کے خاکستر ہوا
رحم کچھ آیا نہ تجھ کو ان کے حالِ زار پر

"سکوتِ شب"

از
محترمہ زبیدہ مصطفےٰ صاحبہ قریشی

جبکہ خدا کی تمام مخلوق نیند کی گہری گھاٹیوں میں پڑی سو رہی تھی۔ آہ! معبود جانے، میں اس وقت کس خیال میں تھی، چاند کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ اور ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آہ! تمام دنیا بے خبر تھی۔ اور نیچر کے جذبات کا کچھ اندازہ نہیں لگا رہی تھی۔ چاند کی زرد اور مغموم روشنی پڑ رہی تھی جس میں ہزارہا جذبات پنہاں تھے۔ اور اس میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہو رہا تھا میں نے خیال کیا' چاندنی کیا ہے گویا کسی عاشق کے دل کا اضطراب اور کسی نازنین کا پریشان خواب۔ آہ! نہ معلوم میرے دل میں کیا خیال آیا میں نے چاند .... اور .... پیارے چاند کی طرف بغور دیکھا۔ دیکھا کہ چاند بہت رنجیدہ ہے۔ میں نے کہا اے پیارے تو آج اسقدر افسردہ اور پریشان کیوں ہے، کیا تو ابھی زخمی دلوں کو بیچین کرنے کے لئے تیار ہے؟۔ چاند نے میری طرف حسرت سے دیکھا اور ابر میں چھپ گیا۔ میں نے کہا آ میرے پیارے میرے پاس آجا میں تجھے اپنی آغوش میں لونگی اور تجھ سے اپنے دل .... دل کو بہلاؤں گی پیارے چاند اگر تو اسقدر رنجیدہ ہے تو انسانوں کی بستی میں آجا۔

شاید تیرا دل بہل جائے .. آ.... یہاں اگر دیکھ معلوم ہوگا کتنے رنجور دل تجھ کو .... آہ..... تجھ کو دیکھکر مچل جاتے ہیں جب تو عاشقوں کے دل میں جائے گا تو وہ تجھکو اپنی معشوق جان کر تجھ سے اٹکھیلیاں کریں گے اور آنکھ مچولی کھیلیں گے اچھا! تو خفا نہ ہو اگر تو نہیں جانا چاہتا تو.... آ.... آ.... میرے پاس آ میرے غم کی گھٹاؤں میں روشنی کر اگر تو کبھی گھبرایا تو میرے سازِ ہستی سے چھیڑ چھاڑ کر اور مجھ سے کھیل۔ اسوقت کیا مزہ آئے گا جبکہ تو میرے دل سے کھیلیگا اور محسوس کریگا۔ کہ میں بھی تیری ہمنوا ہوں اب تو آجا اچھا نہیں آتا..... کیا یہ حسرت سے دیکھنا میرے بلانے کا جواب ہے؟ کیا تو بھی مجھے.... .... آہ.... مجھے بھی خوش کرنا نہیں چاہتا؟ سچ بتا کیا تو یونہی مجھے ترسائیگا اور ناشاد رکھے گا؟ ؎

مجھے ناشاد رکھنے میں اگر تجھ کو مسرت ہے
تو میں ناشاد ہی اچھی مجھے ناشاد رہنے دے

"آزادی"

(ترجمہ از سر طامس مور)

از محترمہ اقبال جہاں صاحبہ نزہت (سیالکوٹ)

آزادی کے بغیر زندگی؟ ہر متنفس اِس سے بیزار نظر آتا ہے۔
آزادی کا ایک یوم؟ اس کے حصول کے لئے ہر شخص موت کو بھی لبیک کہنے کو تیار ہے۔ سنو! بگل کی آواز سپاہیوں کو دعوت جنگ دے رہی ہے۔.........
بگل کی آواز! اس کی تہ میں ظالم کی موت پنہاں ہے۔ اور مظلوم کی آزادی کا شیریں راگ.......
وطنِ عزیز ظالموں کے ہاتھ پامال ہو رہا ہے، ہموطنوں کی امداد کے لئے فوراً پہنچنا ہمارا اوّلین فرض ہے
وطن کا ایک جاں نثار پروانہ دشمن کے کثیر التعداد سپاہیوں پر سبقت لے جاتا ہے۔
اے اجل! ہماری آخری اُمیدیں تجھے پالینے سے وابستہ ہیں، کیونکہ بے جان لاشہ کو غنیم کا کوئی خوف نہیں۔ کیونکہ قیمتی ہیں ان کی رسا [illegible]۔ مرحبا! وطن کے جاں نثار، شہید وطن ہی حقیقی [illegible] ہیں۔

اگر اس دنیا میں ہم اپنے پیارے وطن کو آزادی دلوانے میں ناکام رہیں، تو تاسف کرنا بیجا ہے کیونکہ موت حقیقی آزادی کا پیش خیمہ ہے۔ (نزہت از سیالکوٹ)

"کلی کی موت"

از محترمہ مس عزیز بیگم صاحبہ خاموش

ایک خوشنما باغ کے ایک حصہ میں چند پھول کے درخت تھے ان کے جھرمٹ میں ایک ننھی گلاب کی کلی کھلی ہوئی تھی۔ وہ تمام پھولوں کی شہزادی مانی جاتی تھی۔ دوسرے روز صبح کو اس کی گلپوشی ہونیوالی تھی ننھی کلی خوشی سے اترا رہی تھی۔ وہ اپنے حسن پر نازاں تھی۔ وہ رقص کر رہی تھی۔ اس کا گلابی لباس ہوا میں اڑ رہا تھا۔ تمام پھول اور ڈالیاں اس کو آغوش میں لئے ہوئے گیت گا رہے تھے اور پتے تالیاں بجاتے جا رہے تھے۔

شام ہو گئی۔ چاند نکل آیا۔ اور اس کی نور پاش شعاعیں ننھی کلی کے بوسے لینے لگیں۔ چاند اس خوشی سے بزم انجم میں ناچنے لگا۔ اور تارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس محفل رقص و سرود کو دیکھ رہے تھے غرضکہ تمام باغ مسرت سے باغ باغ تھا۔

رات بھر یہی عالم رہا۔ رات ختم ہو رہی تھی۔ پتے اور پھول تھک کر سو گئے تھے۔ اور چاند کی آنکھ بے نور ہو گئی۔ تارے سسکیاں بھرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

آج باغ کا مالی تڑکے ہی سے اٹھ کر درختوں کو پانی دینے لگا۔ اس کے دو بچے بھی جاگ اٹھے تھے۔ وہ کھیلتے کھیلتے پھولوں کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک گرے ہوئے پتوں کو جمع کرنے لگا۔ اور چھوٹا لڑکا جو نہایت شریر واقع ہوا تھا۔ پھول چننے لگا۔ یکایک اس کی نظر ننھی کلی پر پڑی جو اب کھل چکی تھی جس کے دیکھتے ہی وہ خوشی سے چلانے لگا۔ "بھائی! دیکھو یہ کسقدر خوبصورت کلی ہے میں تو اسے ضرور توڑونگا۔"

بڑے بھائی نے اس کے قریب آکر کہا "دیکھو پھول نہ توڑنا ورنہ پٹا ماریں گے" لیکن چھوٹے نے نہ مانا۔ وہ ضد کرنے لگا۔

پھول پیدا ہو چکے تھے۔ ننھی کلی خوف سے کانپتے ہوئے پھول اور پتیوں کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ رو رہی تھی اس کے آنسو ٹپکنے لگے۔ آہ یہ شریر مجھے توڑ لے گا۔ آہ میری جوانی لٹ جائے گی۔ ہائے مجھے بچاؤ" وہ زبان نکالے بین کر رہی تھی۔

شریر لڑکے کا ہاتھ قریب ہوتا گیا۔ کلی چلا اٹھی "اے ظالم مجھے توڑنے سے تجھے کیا فائدہ ملے گا۔ للہ تو مجھے نہ توڑ کیونکہ میری آج گلپوشی ہے۔"

لڑکے نے اُس کی گریہ و التجا پر کوئی توجہ نہ کی۔ اور اسے پکڑ لیا۔ معاً اس کی ہتیلی میں کانٹا چبھا۔ لیکن اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اُس نے کلی کو توڑ لیا۔ اس کی ہتیلی کا خون کلی پر ٹپک رہا تھا۔ غصّے سے اُس نے کلی کی پتیاں نوچ ڈالیں اور پتیاں زمین پر گر کر خاک میں مل گئیں۔ آہ کلی کی خاک پوشی ہو چکی تھی پھول اور پتے اس غم میں ماتم کرنے لگے۔ چڑیاں چلانے لگیں اور سورج بھی بہت دیر تک ابر میں چھپا رہا۔ ....

پروانے کی رُوح

جناب سید شبیر حسین صاحب قیس

شمع رات بھر جلتی رہی۔ اور پروانہ اس کے اطراف اڑتا رہا صبح ہو رہی تھی۔ شمع پگھل رہی تھی۔ اور پروانہ اُس سے کہہ رہا تھا۔ "پیاری شمع میں اب تھک کر چور ہو گیا ہوں۔ میں اب مرنے کو ہوں مجھ میں بالکل سکت باقی نہیں اسلئے مجھے آخری مرتبہ پیار کر لے" شمع رونے لگی "میرے جاں نثار پروانے آمیں تجھے پیار کروں، آ تجھے میں آغوش میں لے لوں۔ میری زندگی کا چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں بجھ کر بیجان ہو جاؤں گی۔ اس لئے آ ہم دونوں ایک ساتھ جل مریں" ....

پروانے نے سنا۔ اور وہ تیزی سے اس کے چاروں طرف اڑنے لگا۔ وہ قریب ہوتا گیا شمع بجھتی گئی ....

پروانہ عالم وجد میں اس کی لَو سے لپٹ گیا۔ اور شمع نے اسکو آغوش میں لے لیا پروانہ جل گیا۔ شمع پگھل گئی، تھوڑی دیر میں پروانہ شمع کے سفید کفن میں چھپ چکا تھا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ اور شمع کا دھواں پروانہ کی روح کو لئے آسمان کی جانب پرواز کر رہا تھا۔ اور پروانے کی خاک ہوا میں پریشان پھر رہی تھی۔ (قیس حیدرآبادی)

عنوانِ بالا کے تحت میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان مخصوص صفحات میں اپنے و نیز دوسرے معزز خواتین کے وہ مفید اور کارآمد باتیں، اور تجربے شایع کیا کروں جو علوم خانہ داری، حفظانِ صحت، دستکاری، اور سوزن کاری وغیرہ سے متعلق ہوں، تاکہ ناتجربہ کار بہنوں کے معلومات میں اضافہ ہو، اور نو عمر بچیاں ان دیرینہ تجربوں کو سیکھ کر، ان سے فائدہ اٹھائیں، اسلئے کہ مستقبل قریب میں، ان کو زندگی کے ایک ایسے دور سے گذرنا ہے جس کو اگر ایک "کٹھن منزل" قرار دیں تو کوئی بیجا نہ ہوگا۔ جہاں اگر وہ اِن قیمتی زیورات سے آراستہ ہو کر جائینگی یقیناً یہ دشوار گذار منزل بہ آسانی طے ہوگی، اور وہ اس امتحان میں کامیاب اتریں گی۔

والدین کے اپنی اولاد پر اور بیسیوں فرائض ہوں گے، مگر میری اپنی یہ ناقص رائے ہے کہ لڑکی کو جب وہ اپنی زندگی کی آٹھویں منزل سے باہر ہو تو ماں کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اس کو اپنی زیر نگرانی رکھے، اور سینا، پرونا، پکوان، اور بالخصوص علوم خانہ داری سے واقف کرائے، تاکہ اس کو اپنی زندگی کے سنوارنے میں سہولت ہو۔ میرا ذاتی مشاہدہ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے کہ آج اکثر شادی شدہ گھرانوں میں ان اہم امور سے عدم واقفیت کی وجہ، وہ حقیقی مسرت اور خوشی مفقود ہے، جو ہونی چاہیئے۔ اس خصوص میں ذیل کے اہم عنوانات (جس کا سلسلہ انشاء اللہ دائماً قائم رہیگا) یقین ہے کہ بہنوں اور عزیز بچیوں کی زندگیوں کو سنوارنے میں کافی مدد دیں گے۔

محترمہ بہن بدرالنساء بیگم صاحبہ (مسلمہ) منشی فاضل، ٹرینڈ مددگارہ مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ (حیدرآباد دکن) نے ازراہِ الطاف "سفینہ" کی قلمی معاونت کو قبول فرماتے ہوئے، اپنے دیرینہ تجاربِ تعلیمی، وخصوصی معلومات کا لحاظ کرتے، طبقۂ اناث کی دلچسپی اور اصلاحِ معاشرت کی نسبت دستکاری، سوزن کاری، اور پخت و پز کے خاص خاص مضامین ومفید معلومات کے مہیا کرنے کا اقرار کیا ہے اور یہ ایک مربوط و مستقل سلسلہ رہیگا۔

شاید یہاں اس کا اظہار بیجا نہ ہوگا کہ بہن ممدوحہ کی سوزن کاری کی نسبت حضرت اقدس و اعلیٰ خلد اللہ ملکہ نے، نمائش باغ عامہ کے موقع پر، از راہ عواطف خسروانہ اظہار خوشنودی فرما کر عزت بخشی ہے۔ بہن ممدوحہ کی دیرینہ تجربہ کاری کے مدنظر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کی یہ سعی ادارہ "سفینہ" کے لئے باعث تشکر ہونے کے علاوہ، معزز بہنوں اور عزیز بچیوں کے لئے ایک حد تک مفید ثابت ہوگی۔

مجھے اپنی محترم بہن ممدوحہ کی شکرگذار ہونا چاہیے کہ باوجود عدیم الفرصتی اور سرکاری اہم فرائض کی موجودگی میں، اپنے گرانقدر معلومات سے حقیر "سفینہ" کے اس اہم جزو کو پورا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ محترم بہن کا یہ ایثار، اور اپنی ہم جنس بہنوں کی خدمت کرنے کا یہ جذبہ لائق صد آفریں اور قابل تقلید ہے۔

ناانصافی ہوگی اگر میں اپنی مکرم بہن مسز مولوی عبدالغنی صاحب اجمل عرفانی (ورنگل) اور بزرگ محترم ڈاکٹر محمد عثمان خاں صاحب کا بھی شکریہ ادا نہ کروں، جن کا قیمتی مضمون "حفظان صحت پر ایک اجمالی نظر" اس نمبر کی زینت کو بڑھا رہا ہے، جو طویل ہونے کے باعث کئی نمبروں میں پیش کیا جائیگا۔ اس مضمون کا وہ حصہ خصوصیت سے قابل مطالعہ ہے۔ جس میں "بچوں کی ابتدائی زندگی اور ان کی پرورش و نگہداشت کے اصول" بتلائے گئے ہیں۔ اور دوسری بہنوں سے توقع ہے کہ وہ بھی اپنے تجارب و مفید معلومات سے "ادارہ" کو مشکور فرمائینگی۔ آئندہ سے "سفینہ" کے دو صفحات زیرعنوان "بزم سفینہ" محض ان استفسارات اور ان کے جوابات کے لئے محفوظ کردیے جائینگے جو معلومات جدیدہ یا سوزن کاری، پکوان، وغیرہ سے متعلق ہوں تاکہ ان بہنوں کے لئے سہولت کا باعث ہو، جو اپنی معلومات کو بڑھانا چاہتی ہیں۔

"مدیرہ"

حفظانِ صحت پر ایک اجمالی نظر

از

جناب ڈاکٹر محمد عثمان خاں صاحب
رکن اعلیٰ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ
(شعبۂ سائنس)

"حفظانِ صحت" جسے اصولِ صحت کہنا زیادہ صحیح ہوگا اس علم کا نام ہے جس میں تحفظ صحت اور مرض سے بچنے کے طریقوں سے بحث ہوتی ہے۔ اس کی مدد سے ہم امراض کی روک تھام کرسکتے اور افراد و جماعت کی تندرستی کو بحال رکھ سکتے ہیں اگر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی اور طرزِ معاشرت میں بعض سادہ ابتدائی اصولِ صحت کی پابندی کی جائے تو یقین ہے کہ نہ صرف ہماری زندگی زیادہ باآرام اور پرصحت ہوجائے بلکہ امراض کی آئے دن کی کثرت اور موت کی گرم بازاری جو آجکل اکثر شہروں قصبوں اور دیہات میں دیکھی جاتی ہے لازمی طور پر کم ہوجائے۔ ہمارے گھر بار زیادہ صاف ستھرے نظر آئیں ہماری بستیاں زیادہ پررونق اور شاد و آباد ہوجائیں اور ہماری انفرادی معاشری اور قومی زندگی زیادہ کارآمد بنجائے۔ دراصل کام کرنے کی قابلیت کا دار و مدار تندرستی پر ہے اور تندرستی کا انحصار اصولِ صحت کے احترام و عمل آوری پر ہے۔ اسی واسطے خیال کیا جاتا ہے کہ "تندرستی ہزار نعمت ہے" اس نعمت کا حاصل کرنا اور اس سے مستفید ہونا قوانین و اصولِ صحت کی پابندی پر منحصر ہے جس کا دوسرا نام "حفظانِ صحت" ہے۔

دنیا کے بعض ترقی یافتہ اور متمدن ممالک کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روشن نظر آتی ہے کہ وہ قومیں جو اصولِ صحت و صفائی پر عمل کرکے آج اکثر انسدادپذیر امراض اور وباؤں سے محفوظ ہیں زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ بیماری کے مہلک حملوں سے سراسر تباہ و برباد تھیں۔ مثال کے طور پر "انگلستان" ہی کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۳۴۹ء میں وہاں ایک زبردست وبا پھیلی جو "سیاہ موت" کے نام سے مشہور

ہوئی۔ اسوقت انگلستان کی آبادی تیس یا چالیس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے نصف سے زاید وباؤں کے سریع و متواتر حملوں سے موت کے گھاٹ اتر گئی۔ خاصکر بڑے شہروں میں عموماً مختلف بخاروں اور دیگر امراض کی بہت کثرت تھی اور ایسے شہر امراض کا ماویٰ و ملجا بنے ہوئے تھے۔ ناروچ شہر میں تقریباً ساٹھ ہزار آدمی لقمۂ اجل ہوئے اور برسٹل میں مردوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ جو زندہ بچے وہ انھیں بمشکل دفن کرسکنے کے قابل تھے۔ سنہ ۱۶۶۵ء میں ایک دوسری وبا پھوٹ پڑی جو "طاعون اعظم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے صرف لندن ہی میں ایک لاکھ آدمیوں کو موت کا نشانہ بنا دیا۔ ان خوفناک وباؤں کے اسباب و علل کا پتہ لگانا چنداں دشوار نہیں۔ کیونکہ گو اس وقت ملک کی آبادی اس کی موجودہ آبادی کے نسبت بہت کم تھی تاہم وہاں کے شہر نسبتہً چھوٹے فصیلوں سے گھرے ہوئے اور نہایت گنجان آباد تھے مکانوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ راستے تنگ اور کچے تھے جن میں اخراج آب کا انتظام ناکافی تھا۔ آبی رسد ناقص تھی۔ بیت الخلاء گندگی سے پُر تھے۔ غرباء کی طرز معاشرت غذا اور عام حالت بے انتہا خراب و خستہ تھی۔ اور ان سب پر طرہ یہ کہ اصول صحت اور علم الامراض کے متعلق شرمناک جہالت و ناواقفیت عام تھی۔

باقی دارد

زرین اقوال

انشاء
عزیزہ ک، ف، بیگم صاحبہ

(۱) بہت سارے سوالات کا جواب ایک خاموشی ہے۔

(۲) دنیاوی تفکرات سے اگر نجات پانا چاہو، تو موت کے خیال کو دل میں جگہ دو۔

(۳) بہتر ہے انسان کی زندگی کا وہ لمحہ، جو اوروں کے کام آئے۔

(۴) نیک نامی، جاہ و ثروت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

(۵) گذرے ہوئے کل کے پیش نظر آج، وہ کرو، جو آینوالے کل کے لئے مفید ثابت ہو۔

(۶) زر کی طمع انسان سے خاک تک چھنواتی، اور عدو روزہ عیش کی خواہش ٹھوکریں کھلواتی ہے۔

"دستکاری"

کروشیا کی جالی میں خوبصورت درخت

ہدایات:- ۲۳۵ چین سے شروع کریں۔
پہلی قطار، ۲۳۱ ٹربیل، ۳ چین واپس
دوسری قطار، ۴ ٹربیل، ۵۷ ہول، ۴ ٹربیل
۳ چین واپس۔
اس کے بعد حسب نمونہ تمام کریں۔
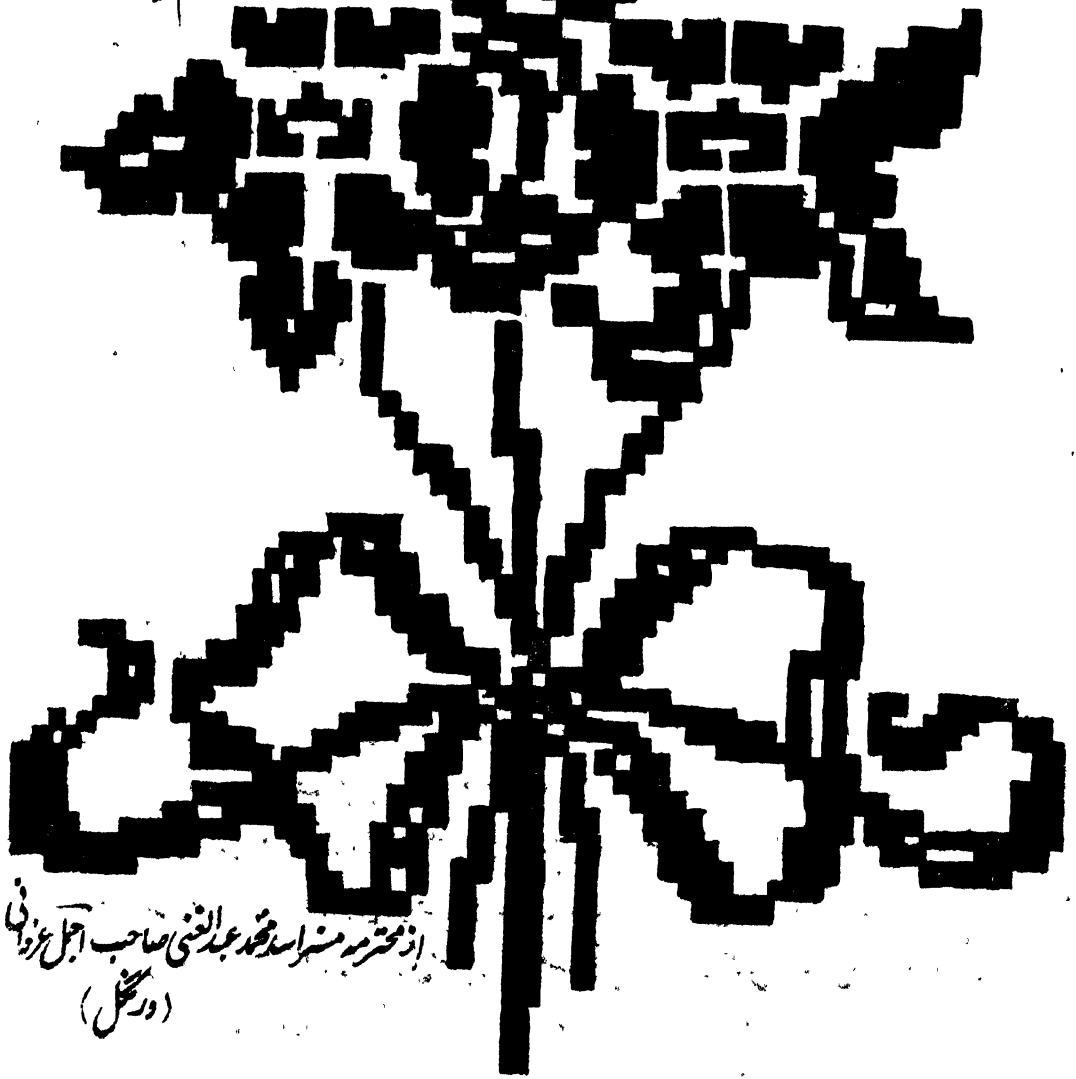
از محترمہ مسز اسد محمد عبد الغنی صاحب اجمل عزیزانی
(ورنگل)

سوزن کاری

(ابتدائی مشق)

از محترمہ بدر النساء بیگم صاحبہ
(مددگارہ مدرسہ تعلیم المعلمات ابلذ)

کمسن بچیوں میں ابتدائی شوقِ سوزن کاری پیدا کرنے اور معلومات فراہم کرنے کی خاطر رنگین تاگے سے رات دن کی دیکھی بھالی چیزیں یعنے میوہ جات مختلف پرند و چرند کے تصاویر وغیرہ کے اشکال کاغذ پر اتروا کر حسب ہدایات ذیل بچوں میں دلچسپی پیدا کر کے کام لیں تو وہ آیندہ زندگی کی ایک بڑی ضرورت کو نہایت آسان طریقہ سے پوری کریں گی اس طرح صغیر سن بچیوں میں ابتدا ہی سے اپنی زندگی کی اس اہم ضرورت کو بحسن و خوبی انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہوگی

سامان

رنگین تاگہ ۔ سوئی ۔ کاغذ کے ٹکڑے ۔ انچ کی پٹی ۔

ہدایات

پہلے پہل کمسن لڑکیوں کو سوئی کے ضرر سے محفوظ رہنے کی نسبت تاکید فرمائی جائے ۔ ازاں بعد اس کے حصول کو بتلایا جا کر سیدھے ہاتھ میں تاگہ اور بائیں ہاتھ میں سوئی رکھی جائے اور اس کی مشق کرائی جائے کہ سوئی کو بائیں ہاتھ میں مضبوط پکڑیں اور دائیں ہاتھ سے تاگے کے سرے کو سوئی کے ناکہ میں داخل کریں ۔

ٹانکا نکالنے کا طریقہ :-

سوئی میں تاگہ پرونے کی مشق جب اچھی طرح کرائی جائے تو بعد میں انچ کی پٹی سے اولاً دو انچ کا ایک خط کاغذ پر کھینچ لیں اور اس کے دو حصے کرلیں اور ابتدا و درمیان و آخر میں تین نشان لگادیں اور ان نشانات پر سوئی کو سیدھے ہاتھ میں دیکر کہیں کہ سوئی سے تین سوراخ کریں اور سوئی میں تاگہ پرو کر اولاً نمبر (۱) میں سوئی پرو کر نمبر (۲) میں اور بعدہ نمبر (۳) میں اسی طرح تیسرے سے دوسرے میں اور دوسرے سے پہلے میں ٹانکے دلوائیں اس سے ابتدائی ٹانکے ڈالنے کی مشق ہوگی ۔ کمسن لڑکیاں نہایت شوق سے اس کام کو انجام دیتی ہیں

(باقی دارد)

۱ ۲ ۳
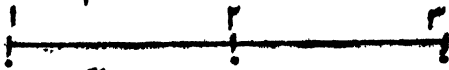
بدر النساء بیگم

خوانِ نعمت

از محترمہ بدرالنساء بیگم صاحبہ سلمہا منشی فاضل (پنجاب)
مددگارہ مدرسہ تعلیم المعلمات بلدہ سرکار عالی

اس حصہ میں سردست ان مختص و ضروری پکوان کو درج کیا جارہا ہے، جو عام طور پر نہیں پکائے جاتے۔ انشاء اللہ اپندہ صحبت میں ابتدائی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے عام و ابتدائی پکوان کے مہل مع ضروری ہدایات کے لکھنے کی کوشش کرونگی۔ فی الحال ایک ایسی میٹھی چیز کے بنانے کی ترکیب لکھ رہی ہوں، جو سفر و حضر میں دس پندرہ دن تک نہایت خوش ذائقہ رہ سکتی ہے۔ خصوصاً طویل سفر میں تو یہ ایک عمدہ چیز ثابت ہوگی۔ ("بدرالنساء بیگم")

ورقی میٹھی پھینیاں

وزن:۔ روا آدھ سیر۔ گھی ایک سیر۔ چاول کی خشکی چھٹانک۔ شکر ایک سیر۔ انڈے (۲) عدد۔

ترکیب:۔ پہلے روے کو آدھ پاؤ گھی ملا کر بقدر ضرورت دودھ سے بھگولیں اور نمے کپڑے میں لپیٹ کر گھنٹہ دو گھنٹہ محفوظ رکھیں بعدہٗ آٹے کو اچھی طرح گوندھنے کے بعد مالش دیکر چھٹانک چھٹانک کی مقدار میں پیڑے بنا کر ان کے پتلے مانڈے بیل لیں۔ ان پر گھی لگا کر تھوڑی سی چانول کی خشکی چھڑک دیں اور کسی صاف گول چھڑی پر لپیٹ لیں اور چاقو سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے حسب خواہش آٹھ دس یا چار چھ گول گول لچھے بنالیں پھر جس مقدار کے چاہیں ان کو بیل کر گھی میں تل دیں اور آدھ سیر شکر میں پاؤ سیر پانی اور دو انڈے کی سپیدی ڈال کر خوب حل کریں اور قوام تیار کرتے وقت شکر کے میل کو صاف کرتے جائیں۔ جب صاف و شفاف قوام تیار ہوجائے تو اسکو علیحدہ اُتار کر ٹھنڈا کرلیں اور ان تلے ہوے پھینیوں کو گرم گرم اچھی طرح ڈبو کر نکال لیں۔ یہ علاوہ خوش ذائقہ ہونے کے عرصہ تک خراب نہ ہونے پائیں گے۔

مفید معلومات

از

عزیزہ ک، ف، بیگم صاحبہ

سنہری لیس کی صفائی :-

تھوڑی سی "ریکٹی فائیڈ اسپرٹ" اسفنج یا باریک کپڑے میں لیکر لیس پر آہستہ پھیرنے سے وہ نہ صرف صاف ہوتی ہے، بلکہ اس میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ سنہری تار یا ملمع شدہ چیزیں بھی اس سے مصفا ہو سکتی ہیں۔

اونی یا ریشمی کپڑوں کی زردی دور کرنا :-

زیادہ مدت تک استعمال کرتے رہنے سے اونی یا ریشمی کپڑے اپنا اصلی رنگ کھو دیتے ہیں۔ اور ان پر ایک قسم کی زردی چھا جاتی ہے۔ اس کے دور کرنے کے لئے "کریم آف ٹارٹر" سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ طریقہ یہ کہ کسی کشادہ برتن میں اتنا پانی لیں کہ کپڑا اچھی طرح بھیگ سکے۔ پھر مذکورہ کریم ایک چمچہ لیکر پانی میں گھول لیں، اور کپڑے کو قریباً بارہ گھنٹے یونہی رہنے دیں۔ پھر نکال کر سایہ میں سوکھا لیں۔ زرد رنگ جاتا رہیگا۔

مخمل یا اونی کے چکنے داغ دور کرنا :-

"فرنچ چاک" کو باریک پیسکر، کپڑے پر جہاں داغ ہوں لگا دیں اور کچھ دیر بعد نرم برش سے اس کو صاف کر دیں۔ چکنائی کا نشان نکل جائیگا۔

سفید ریشم کو صاف کرنا :-

اگر سفید ریشمی کپڑے پر کوئی داغ یا دھبہ ہو تو پہلے "کلوروفام" سے ان کو دور کر دو۔ اسکے بعد گرم پانی میں صابن گھول کر اس میں چائے کے چمچہ برابر نوشادر ملا دو۔ پھر کپڑے کو اس میں کئی دفعہ ڈبوؤ جب داغ دور ہو جائیں تو کپڑے کا پانی ہاتھ سے دبا کر نکال دو اور ایک علیحدہ برتن میں کچھ نیم گرم پانی لیکر کپڑے کو اچھی طرح کھنگال لو، اور پہلے کی طرح اسکا پانی دور کرنے کے بعد سایہ میں سکھا دو۔ اگر استری کرنا مطلوب ہو تو کوئی باریک سوتی کپڑا اوپر رکھ کر استری پھیر دو۔

"دی پیس میکر" { چھوٹی تقطیع ۲۴ صفحات۔
قیمت سالانہ ۱/۸ (کلدار) ممالک غیر سے ۲ شلنگ

ـــــــــ ❖ ـــــــــ

یہ انگریزی ماہ نامہ جو نہ صرف جنوبی ہند کا تبلیغی آرگن ہے بلکہ اسلام اور اسلامی دنیا کے ارتقائی حالات کا حامل بھی ہے۔ اس کے اجراء کا مقصد، ہمارے خیال میں اسلام کو غیر ملکی اصحاب کے آگے اس کے اصلی رنگ میں پیش کرنا ہے۔ فاضل مدیر نے اس خصوص میں اب تک کافی مواد بہم پہونچایا ہے۔ انگریزی داں، اور وہ حضرات جو خالص اسلامی تعلیمات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، اسکا ضرور مطالعہ کریں۔ مولوی ایس، وی، میر حیدر علی صاحب مدیر رسالہ مذکور کا یہ نیک اقدام اور ان کی یہ کاوشیں (خصوصاً اس دور میں) اسلامی درد کا ثبوت دیتی ہیں۔ ہماری رائے میں اگر موجودہ سائز اور ضخامت بڑھادی جائے تو کافی مواد و مباحث کا موقع حاصل ہوسکیگا۔ مزید معلومات کے لئے پتہ ذیل پر مراسلت کیجئے۔ ("حق گو")

مینجر "دی پیس میکر"
نمبر (۲۵) بڈھی بیگم اسٹریٹ
کیا تھیڈرل پوسٹ آفس۔ مدراس

"ادارہ" کو افسوس ہے کہ وقت اور کام کی زیادتی نے انھیں اشتہارات کی طباعت میں کوئی خاص خوبی پیدا کرنیکا موقع نہ دیا جسکی تلافی آیندہ نمبر میں کردی جائیگی۔
(مینیجر)

N. B.—Having no time, we were unable to pay any attention. to the Advertising Section, and hope, this will not occur in the next issue.—MANAGER.

"ادارہ" کو افسوس ہے کہ وقت کی کمی نے اشتہارات میں کوئی خاص جدت پیدا کرنے کا موقع نہ دیا جس کی تلافی آئندہ نمبروں میں ہوگی۔

مقاصد

۱- جن مقاصد کے تحت رسالہ کا اجرا ہوا ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے التماس ہے کہ وہ میری تنہا کوشش اور جد و جہد سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ علم دوست حضرات اور خصوصاً میری تعلیم یافتہ بہنیں اس نونہال کی ممکنہ اعانت و توسیع اشاعت اور فراہمی مضامین میں میرا ہاتھ نہ بٹائیں۔ سفینہ چونکہ طبقہ نسواں کا سچا مشیر اور بہترین مصلح کا ساتھی ہوگا اس لئے امید کی جاتی ہے کہ معزز بہنیں قدم قدم پر میری امداد و ہمت افزائی فرمائیں گی۔

۲- سفینہ، پردہ نشین خواتین و اہل قلم حضرات کی خامہ فرسائی کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔

۳- سفینہ، کا مقصد اجرا اس دقت کو بھی رفع کرنا ہے جو خصوصاً دکن کے تعلیم یافتہ طبقہ نسواں کو اپنے مضامین کی نشر و اشاعت سے قوم کی اصلاح و رہبری کرنے میں پیش آتی ہے تاکہ انھیں بیرون دکن کے ان چند خاص رسالوں کا محتاج نہ رہنا پڑے جن کا تعلق اس طبقہ سے ہے۔

ملتمس

مدیرہ

قواعد

۱- سفینۂ نسواں ہر انگریزی مہینہ کی ۱۰ تاریخ تک شایع ہو جایا کریگا

۲- اگر ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائیے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳- سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۸۰ صفحات پر بہترین اعلیٰ تصاویر سے مزین ہو کر پابندی وقت کے ساتھ شایع ہوگا

۴- زر معاوضہ عوام سے سالانہ ([illegible]) ششماہی ([illegible]) اور فی پرچہ ۶ آنہ مقرر ہے نمونہ کے لئے ۴ آنہ کے ٹکٹ بھیجوائیے

۵- خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیجئے اور کارکنان دفتر کو ممنون منت فرمائیے۔

۶- جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال کیجئے

۷- ترسیل زر معاوضہ اور جملہ مراسلت تنہا بنام منیجر سفینہ ہونی چاہئے صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے۔ ناقابل اشاعت مضامین جب تک ڈاک کا محصول نہ آئے واپس نہیں کیے جائینگے

۸- چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقہ نسواں کی اصلاح و فلاح و ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجالانے کے لئے جاری ہوگا۔ لہٰذا ادارہ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شایع کرنے سے احتراز رہیگا۔

۹- اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دی جائے گی۔

۱۰- ایسے تراجم کے لئے جو تذکرہ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں سفینہ معقول زر معاوضہ ادا کریگا۔

۱۱- ادارۂ سفینہ کو ہر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہیگا۔

"منیجر"